فہم القرآن سیریز نمبر 1

پارہ 27

قَالَ فَمَا خَطۡبُکُمۡ



سوال وجواب کی صورت میں

قرآن مجید کی ہر آیت کی وضاحت

نگہت ہاشمی

رکوع نمبر 1

﴿ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ (31)﴾

ابراہیم نے کہا: ''اے (فرشتو)! آپ کا کیا معاملہ ہے؟'' (31)

سوال: ﴿ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴾ ''ابراہیم نے کہا: ''اے (فرشتو!) آپ کا کیا معاملہ ہے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ان سے پوچھا۔ (2) ﴿فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ﴾ ''اے (فرشتو!) آپ کا کیا معاملہ ہے؟'' تمہارا کیا مقصد ہے؟ یعنی ابراہیم علیہ السلام یہ جان گئے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جو کسی اہم معاملے کے لیے ہی آتے ہیں۔ بیٹے کی بشارت سے خوف تو دور ہو گیا تھا لیکن ابھی حیرت باقی تھی۔

﴿ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ (32)﴾

انہوں نے کہا: ''بلاشبہ ہمیں گناہ گار لوگوں کی جانب بھیجا گیا ہے۔'' (32)

سوال 1: ﴿قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴾ ''انہوں نے کہا: ''بلاشبہ ہمیں گناہ گار لوگوں کی جانب بھیجا گیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''انہوں نے کہا: ''بلاشبہ ہمیں گناہ گار لوگوں کی جانب بھیجا گیا ہے'' مجرم قوم سے مراد کافر قوم ہے جو بڑے جرائم کا ارتکاب کرتی تھی اور کھلی بے حیائی میں مبتلا تھی۔ (ایسر التفاسیر: 1524) (2) مجرم قوم سے مراد قوم لوط ہے۔ ان کے بڑے جرائم میں سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، رسول کو جھٹلانا اور اس بدکاری کا ارتکاب کرنا تھا جو ان سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کی تھی۔

سوال 2: قوم لوط کا جُرم کیا تھا؟

جواب: قوم لوط اس بدکاری میں مبتلا تھی جسے لواطت کہتے ہیں۔

﴿ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ (33)﴾

''تاکہ ہم ان پر مٹی کے پتھر پھینکیں۔'' (33)

سوال: ﴿ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ﴾ ''تاکہ ہم ان پر مٹی کے پتھر پھینکیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ ﴾ ''تا کہ ہم ان پر پھینکیں''فرشتوں نے اپنی آمد کا مقصد واضح کر دیا کہ وہ عذاب برسانے کے لیے آئے ہیں۔(2)﴿ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴾ ''مٹی کے پتھر''یعنی وہ پتھر جو آگ پر پکائے گئے ہوں۔(ایسرالتفاسیر:1524)(3)یعنی ایسے نوکیلے اور چبھ جانے والے کنکر جو ابھی پوری طرح پتھر نہ بنے ہوں اور ان کا کچھ حصہ مٹی سے پتھر بن رہا ہو۔(تفسیر کمالین جلالین:299/6)

﴿مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿34﴾ ﴾

''جو حد سے گزرنے والوں کے لئے آپ کے رب کی جناب سے نشان زدہ ہیں۔''(34)

سوال:﴿مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴾''جو حد سے گزرنے والوں کے لئے آپ کے رب کی جناب سے نشان زدہ ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ﴾''جو آپ کے رب کی جناب سے نشان زدہ ہیں''یعنی ہر پتھر رب العزت کی جانب سے نامزد تھا۔ ہر پتھر پر اس شخص کا نام لکھا تھا جس کو اس پتھر کا شکار ہونا تھا۔(2)﴿ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴾''حد سے گزرنے والوں کے لئے'' گناہ میں حد سے بڑھنے والوں کے لیے جنہوں نے تمام حدود پار کر لی تھیں۔(3)جو لوگ کفر اور نافرمانی میں حد سے بڑھ گئے تھے جیسے وہ مردوں کے پاس آتے تھے۔(4)سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل نے کہا:للمسرفین سے مراد ہے للمشرکین اور شرک زیادہ بڑا گناہ ہے۔(تفسیر وسیط:178/4)

﴿ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿35﴾ ﴾

''سو ہم نے اس میں جو ایمان والا تھا اسے نکال لیا۔''(35)

سوال:﴿فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾''سو ہم نے اس میں جو ایمان والا تھا اسے نکال لیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)رب العزت نے اس بستی سے مومنوں کو نکال لیا۔(2)یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے جب عذاب آتا ہے تو وہ ایمان والوں کو بچا لیتا ہے۔(3)قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:اس گھر میں زیادہ افراد بھی ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کو بچا لیتا تا کہ وہ جان لیں کہ ایمان اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہے۔ایمان والوں کو ضائع نہیں کیا جاتا۔(طبری:27/3)

﴿ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿36﴾ ﴾

''تو ہم نے اس میں مسلمانوں کے ایک گھر کے سوا کوئی نہ پایا۔''(36)

سوال1:﴿ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾''تو ہم نے اس میں مسلمانوں کے ایک گھر کے سوا کوئی نہ پایا'' کی

وضاحت کریں؟

جواب: (1) یہ لوط علیہ السلام کے گھرانے کے افراد تھے۔ (2) لوط علیہ السلام کی دونوں بیٹیوں اوران کے ساتھ جو مومن تھے انہیں بچا لیا گیا۔ (3) ان کی بیوی ہلاک ہونے والوں میں شامل تھی۔

﴿ وَتَرَكْنَا فِيهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (37) ﴾

''اور ہم نے اس میں ان لوگوں کے لیے نشانی چھوڑ دی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔'' (37)

سوال 1: ﴿وَتَرَكْنَا فِيهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴾ ''اور ہم نے اس میں ان لوگوں کے لیے نشانی چھوڑ دی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَتَرَكْنَا فِيهَآ اٰيَةً﴾ ''اور ہم نے اس میں نشانی چھوڑ دی'' یعنی ان کی ہلاکت کی علامت سیاہ پانی ہے۔ آج اسے بحرمیت کے نام سے آپ جانتے ہیں۔ (ایسر التفاسیر:1525) (2) وہ نشانی یہ تھی کہ جب فرشتوں نے اس پورے خطہ زمین کو اٹھا کر اور بلندی پر لے جا کر پھر اس کو الٹا کر زمین پر دے مارا تو یہ پورا خطہ زمین کے اندر دھنس گیا اور سطح سمندر سے چار سو کلومیٹر نیچے چلا گیا اور اس کے اوپر کالا پانی چڑھ آیا جو ایک سمندر کی شکل اختیار کر گیا۔ پانی کے اس ذخیرہ کو بحرمیت یا بحیرہ مردار یا غرقاب لوطی کہا جاتا ہے۔ اس بحیرہ مردار (dead Sea) کا جنوبی علاقہ آج بھی عظیم الشان تباہی کے آثار پیش کر رہا ہے۔ (تیسیر القرآن:4/299) (3) ﴿لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴾ ''ان لوگوں کے لیے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں'' اس سے وہ عبرت حاصل کرتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے اور اس کے رسول سچے ہیں جن کی تصدیق کی گئی ہے۔ (تفسیر سعدی:3/2618) (4) اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کی ہلاکت کے آثار زمین پر باقی رہنے دیے، تاکہ بعد میں آنے والی قومیں جو وہاں سے گزریں ان آثار کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔ چنانچہ اب ان بستیوں کی جگہ کالا بدبودار پانی بہتا ہے، جسے آج کل ''بحرمیت'' کہتے ہیں۔ (تیسیر الرحمٰن:1273,1472) (5) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام حجر میں ارشاد فرمایا: ''ان عذاب یافتہ لوگوں کے علاقے میں داخل ہونا پڑے تو صرف روتے ہوئے داخل ہوا کرو، اگر رونا نہ آئے تو ان کے علاقے میں داخل نہ ہونا کہ کہیں تم پر بھی وہ عذاب نہ آجائے جو ان پر نازل ہوا تھا۔'' (بخاری: 433، مسلم:7464)

سوال 2: اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لئے ہی آیات اور علامات کیوں مفید ہوتی ہیں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے نصیحت کا اثر قبول کرتے ہیں۔ (2) اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے غور و فکر کرتے ہیں اس لئے آیات اور علامات ان ہی کے لئے مفید ثابت ہوتی ہیں۔

سوال 3: ابراہیم علیہ السلام کے قصے سے ہمیں کیا عبرت ملتی ہے؟

جواب: (1) اللہ تبارک وتعالیٰ کے اپنے بندوں کے سامنے نیک اور بدلوگوں کے واقعات بیان کرنے میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ بندے ان سے عبرت حاصل کریں اور تاکہ معلوم ہوجائے کہ ان کے احوال نے انہیں کہاں پہنچادیا۔(2) اس قصے میں ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے قصے کی ابتدا کی جو اس قصے کی اہمیت کی دلیل ہے اور اس کی طرف اللہ تعالیٰ کی خصوصی توجہ کا اظہار ہوتا ہے۔(3) یہ قصہ ضیافت کی مشروعیت پر دلالت کرتا ہے، نیز اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہمانوں کی خاطر تواضع کرنا ابراہیم علیہ السلام کی عادت تھی۔اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو حکم دیا ہے کہ وہ ملت ابراہیم کی اتباع کریں اور اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اس قصے کو مدح وثنا کے سیاق میں بیان کیا ہے۔(4) اس واقعہ میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ قول وفعل اور اکرام وتکریم کے مختلف طریقوں سے مہمان کی عزت وتکریم کی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا یہ وصف بیان فرمایا کہ وہ قابل تکریم تھے، یعنی سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ان کی عزت وتکریم کی۔اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے قول وفعل سے کس طرح ان کی مہمان نوازی کی، نیز یہ بھی بیان فرمایا کہ وہ مہمان اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اکرام وتکریم سے بہرہ مند تھے۔(5) اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا گھر رات کے وقت آنے والے مسافروں اور مہمانوں کا ٹھکانا تھا کیونکہ وہ اجازت طلب کیے بغیر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے گھر میں داخل ہوئے اور سلام میں پہل کرنے میں ادب کا طریقہ استعمال کیا اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بھی کامل ترین سلام کے ساتھ ان کو جواب دیا کیونکہ جملہ اسمیہ اثبات اور استمرار پر دلالت کرتا ہے۔(6) یہ قصہ دلالت کرتا ہے کہ انسان کے پاس جو کوئی آتا ہے یا اسے ملتا ہے تو اس سے تعارف حاصل کرنا مشروع ہے کیونکہ اس میں بہت سے فوائد ہیں۔(7) یہ واقعہ بات چیت میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے آداب اور آپ کے لطف وکرم پر دلالت کرتا ہے۔آپ نے (اپنے مہمانوں سے) فرمایا: ﴿قَوْمٌ مُّنكَرُونَ﴾ کچھ اجنبی لوگ ہیں (الذاریات:25) اور یہ نہیں فرمایا کہ: اَنْكَرْتُكُمْ میں تمہیں نہیں پہچانتا اور دونوں جملوں میں جو فرق ہے وہ مخفی نہیں۔(8) یہ واقعہ مہمان نوازی میں جلدی کرنے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ بہترین نیکی وہ ہے جس پر جلدی سے عمل کیا جائے، اس لیے ابراہیم علیہ السلام نے مہمانوں کے سامنے ضیافت پیش کرنے میں عجلت کی۔(9) اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسا ذبیحہ (یا کھانا) جو کسی اور کے لیے تیار کیا گیا ہو، اسے مہمان کی خدمت میں پیش کرنے میں، اس کی ذرہ بھرا ہانت نہیں بلکہ اس کی عزت وتکریم ہے جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے مکرم مہمان تھے۔(10) اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بکثرت رزق سے نواز رکھا تھا اور یہ رزق ان کے پاس گھر میں ہر وقت تیار اور موجود رہتا تھا، انہیں بازار سے لانے کی ضرورت ہوتی تھی نہ پڑوسیوں سے مانگنے کی۔(11) اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بنفس نفیس مہمانوں کی خدمت کی، حالانکہ آپ اللہ تعالیٰ کے خلیل اور مہمان نوازوں کے سردار تھے۔(12) اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے مہمانوں کو اسی جگہ ضیافت پیش کی جہاں وہ موجود تھے۔کسی اور جگہ ضیافت کے لیے انہیں نہیں بلایا کہ آئیے تشریف لائیے، کیونکہ مہمان کو اس کی جگہ کھانا پیش کرنے

میں مہمان کے لیے زیادہ آسانی اور بہتر ہے۔(13)اس واقعہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ مہمان کے ساتھ نرم کلامی اور ملاطفت سے پیش آنا چاہیے، خاص طور پر کھانا پیش کرتے وقت کیونکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے نہایت نرمی سے اپنے مہمانوں کی خدمت میں کھانا پیش کیا تھا اور کہا تھا: ﴿اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴾ ''آپ تناول کیوں نہیں کرتے'' (الذاریات:27)اور یہ نہیں کہا تھا: كُلُوْا ''کھانا کھالو' بلکہ آپ نے اس قسم کے الفاظ استعمال فرمائے جن میں درخواست اور التماس کا مفہوم پایا جاتا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴾ ''آپ کھانا تناول کیوں نہیں کرتے؟'' (الذاریات:27) چنانچہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرنے والے کو چاہیے کہ وہ بہترین الفاظ استعمال کرے جو مہمان کے لیے مناسب اور لائق حال ہوں، مثلاً: آپ کا مہمانوں سے کہنا: کیا آپ کھانا تناول نہیں کریں گے؟ ہمیں شرف بخشئے اور ہم پر عنایت کیجئے، اور اس قسم کے دیگر الفاظ۔(14)اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص، کسی بھی سبب کی بنا پر کسی سے خوف زدہ ہوجائے تو خوف زدہ کرنے والے کا فرض ہے کہ وہ اس کے خوف کو زائل کرنے کی کوشش کرے اور اس کے سامنے ایسی باتوں کا ذکر کرے جس سے اس کا خوف دور ہو اور وہ پرسکون ہوجائے۔جیسا کہ فرشتوں نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے کہا تھا جب وہ ان سے خوف زدہ ہوگئے تھے۔﴿لَا تَخَفْ﴾ ''ڈریئے مت!'' (الذاریات:28)اور انہوں نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو وہ خوش کن خبر سنائی۔(15)یہ قصہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زوجۂ محترمہ کی بے انتہا مسرت وفرحت پر دلالت کرتا ہے حتیٰ کہ انہوں نے خوشی میں چلا کر بے ساختگی سے اپنا چہرہ پیٹ ڈالا۔(16)اس قصہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی زوجۂ محترمہ کو ایک علم رکھنے والے بیٹے کی بشارت سے نوازا۔(تفسیر سعدی:2620,2619/3)

﴿وَفِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ (38)﴾

''اور موسیٰ میں (بھی ایک نشانی ہے)۔جب ہم نے اسے واضح دلیل کے ساتھ فرعون کے پاس بھیجا۔'' (38)

سوال: ﴿وَفِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴾ ''اور موسیٰ میں (بھی ایک نشانی ہے)۔جب ہم نے اسے واضح دلیل کے ساتھ فرعون کے پاس بھیجا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَفِيْ مُوْسٰٓى﴾ ''اور موسیٰ میں (بھی ایک نشانی ہے)''یعنی اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو جو آیات اور معجزات عطا فرمائے اس میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے خوف رکھنے والوں کے لیے نشانی ہے۔(2) ﴿ اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ ﴾ ''جب ہم نے اسے فرعون کے پاس بھیجا''، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو جب معجزات کے ساتھ فرعون کے پاس بھیجا تو فرعون نے جھٹلایا اور کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ تھے غرق کردیا اور ایک کھلی نشانی آیۃ سدوم کو چھوڑ دیا۔(ایسر التفاسیر:1525)(3) ﴿بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ ''واضح دلیل کے ساتھ''، نسفی رحمہ اللہ نے کہا: اس سے مراد ظاہری دلائل اور معجزات ہیں یعنی عصا اور ید بیضاء۔ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا: واضح دلیل اور قطعی حجت عطا کی۔(الاساس فی التفسیر:5521/10)

﴿ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ (39) ﴾

''تو اس نے اپنے اقتدار کی وجہ سے منہ پھیر لیا اور کہا: ''جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔''(39)

سوال: ﴿فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴾ ''تو اس نے اپنے اقتدار کی وجہ سے منہ پھیر لیا اور کہا: ''جادوگر ہے یا دیوانہ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَتَوَلّٰى﴾ ''تو اس نے منہ پھیر لیا'' فرعون نے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے اعراض کیا۔(2) ﴿بِرُكْنِهٖ﴾ ''اپنے اقتدار کی وجہ سے'' اصل میں لفظ ''رکن'' کے لفظی معنی گوشہ کے ہیں اور اس سے مراد ہر وہ چیز ہوتی ہے جس کا آدمی سہارا لے۔ اس موقع پر مفسرین نے اس کے معنی لاؤلشکر بھی کئے ہیں اور قوت اور بل بوتا بھی۔ (شوکانی الحواشی:623/1) (3) مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے دشمن نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ روگردانی کی۔(4) اس نے اپنی قوت اور اقتدار کی وجہ سے اعراض کیا۔(5) ﴿وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴾ ''اور کہا: ''جادوگر ہے یا دیوانہ ہے'' فرعون نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر تنقید کرتے ہوئے کہا: جادوگر یا دیوانہ یعنی دو میں سے ایک ضرور ہے یا جادو ہے حق نہیں یا نعوذ باللہ موسیٰ علیہ السلام کی عقل کام نہیں کرتی وہ مجنون ہے یعنی جو کچھ وہ کہتا ہے اس کی کسی بات کو نہ مانا جائے۔ فرعون نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو سچا سمجھنے کے باوجود سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر یہ الزامات لگائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ﴾ ''اور انہوں نے ان کا ظلم اور تکبر سے انکار کیا حالانکہ ان کے دل اس کا یقین کر چکے تھے۔'' (النمل:14) (6) سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو جواب دیا: ﴿ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ج وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا﴾ ''موسیٰ نے کہا: ''ان کو نازل نہیں فرمایا مگر آسمانوں وزمین کے پروردگار ہی نے، بصیرت (کا سامان ہیں)، اور اے فرعون! واقعی میں سمجھتا ہوں کہ تو یقیناً ہلاک کیا ہوا ہے۔ (بنی اسرائیل:102)

﴿ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ (40) ﴾

''چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو آ پکڑا، پھر ہم نے انہیں سمندر میں پھینک دیا اس حال میں کہ وہ قابل ملامت کام کرنے والا تھا۔''(40)

سوال: ﴿ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴾ ''چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو آ پکڑا، پھر ہم نے انہیں سمندر میں پھینک دیا اس حال میں کہ وہ قابل ملامت کام کرنے والا تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ﴾ ''چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو آ پکڑا، پھر ہم نے انہیں

سمندر میں پھینک دیا‘‘ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا اور انہیں سمندر میں غرق کر دیا۔(2) ﴿وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴾ ’’اس حال میں کہ وہ قابل ملامت کام کرنے والا تھا‘‘ فرعون قابل ملامت تھا یعنی وہ سرکش اور حد سے تجاوز کرنے والا، اللہ تعالیٰ کے آگے سرکشی کرنے والا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے پکڑ لیا۔(3) فرعون کے قصے میں ظالموں کی دریا میں غرقابی اور مومنوں کی نجات اللہ تعالیٰ کی قدرت کی علامت ہے۔

﴿ وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ (41) ﴾

’’اور عاد میں بھی (ایک نشانی ہے)۔ جب ان پر ہم نے ایک بے برکت ہوا بھیجی۔‘‘ (41)

سوال 1: ﴿وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴾ ’’اور عاد میں بھی (ایک نشانی ہے)۔ جب ان پر ہم نے ایک بے برکت ہوا بھیجی‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَفِيْ عَادٍ ﴾ ’’اور عاد میں‘‘ عاد ایک معروف قبیلہ تھا جو یمن میں وادی احقاف میں آباد تھا۔(2) رب العزت نے واضح فرمایا کہ عاد کے قصے میں بھی نشانی ہے۔(3) اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کی طرف سیدنا ہود علیہ السلام کو بھیجا تو انہوں نے سیدنا ہود علیہ السلام کو جھٹلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف بے خیر ہوا بھیجی۔(4) ریح العقیم لفظی معنی بانجھ ہوا۔ یعنی ایسی ہوا جو ہر طرح کی خیر و برکت سے خالی ہو۔ اور اس میں سراسر نقصان ہی نقصان ہو۔ (تیسیر القرآن: 299/4) (5) عقیم بانجھ عورت کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اس ہوا سے کسی چیز کی پیداوار کا اثر اللہ تعالیٰ نے نہیں رکھا تھا بلکہ وہ خاص عذاب کی ہوا تھی جس پر وہ ہوا گزرتی اس کو خاک سیاہ کر دیتی تھی۔ زمین کی پیداوار جب سوکھ جاتی ہے تو رمیم کہتے ہیں۔ (احسن التفاسیر: 25/7) (6) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری مدد باد صبا (یعنی مشرقی ہوا) کے ذریعے سے کی گئی اور قوم عاد باد دبور (یعنی مغربی ہوا) کے ذریعے سے ہلاک کی گئی تھی۔ (بخاری: 1035) (7) قبیلہ بنی ربیعہ کے ایک شخص نے کہا کہ میں مدینہ آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (دوران گفتگو) میں نے قوم عاد کے قاصد کا ذکر کیا، اور میں نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں عاد کے قاصد جیسا بن جاؤں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عاد کے قاصد کا قصہ کیا ہے؟ میں نے کہا: (اچھا ہوا) آپ نے واقف کار سے پوچھا (میں آپ کو بتاتا ہوں) قوم عاد جب قحط سے دوچار ہوئی تو اس نے قیل (نامی شخص) کو (امداد اور تعاون حاصل کرنے کے لئے مکہ) بھیجا، (وہ آ کر) بکر بن معاویہ کے پاس ٹھہرا، بکر نے اسے شراب پلائی، اور دو مشہور مغنیاں اسے اپنے نغموں سے محظوظ کرتی رہیں، پھر قیل نے وہاں سے نکل کر مہرہ کے پہاڑوں کا رخ کیا (مہرہ ایک قبیلہ کے دادا کا نام ہے) اس نے (دعا مانگی) کہا: اے اللہ میں تیرے پاس کوئی مریض لے کر نہیں آیا کہ اس کا علاج کراؤں، اور نہ کسی قیدی کے لئے آیا ہوں کہ اسے آزاد کرا لوں، تو اپنے بندے کو پلا (یعنی مجھے) جو پلانا ہے اور اس کے ساتھ بکر بن معاویہ کو بھی پلا (اس نے یہ

دعا کرکے)اس شراب کا شکریہ ادا کیا، جو بکر بن معاویہ نے اسے پلائی تھی، (انجام کار) اس کے لئے (آسمان پر) کئی بدلیاں چھائیں، اور اس سے کہا گیا کہ تم ان میں سے ایک کو اپنے لئے چن لو، اس نے ان میں سے کالی رنگ کی بدلی کو پسند کرلیا، کہا گیا: اسے لے لو اپنی ہلاکت اور بربادی کی صورت میں، عاد قوم کے کسی فرد کو بھی باقی نہ چھوڑے گی، اور یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ عاد پر ہوا (آندھی) اس حلقہ یعنی انگوٹھی کے برابر ہی چھوڑی گئی۔ پھر آپ ﷺ نے آیت ﴿اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ (۴۱) مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِیْمِ (۴۲)﴾ ''جب اُن پر ہم نے ایک بے برکت ہوا بھیجی۔ کسی چیز کو وہ نہ چھوڑتی تھی وہ جس پر سے بھی گزرتی اسے بوسیدہ ہڈی جیسا بنا چھوڑتی۔'' (الذاریات:42-41) پڑھی۔ (جامع ترمذی:3273)

سوال 2: قوم عاد میں ہمارے لئے کیا علامت اور نشانی ہے؟

جواب: قوم عاد پر آنے والی بے خیر ہوا میں ہمارے لئے نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ مجرموں کو ہلاک کرنے اور مومنوں کو نجات دینے کی قدرت رکھتا ہے۔

﴿مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِیْمِ (42)﴾

''کسی چیز کو وہ نہ چھوڑتی تھی وہ جس پر سے بھی گزرتی اسے بوسیدہ ہڈی جیسا بنا چھوڑتی۔'' (42)

سوال: ﴿مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِیْمِ﴾ ''کسی چیز کو وہ نہ چھوڑتی تھی وہ جس پر سے بھی گزرتی اسے بوسیدہ ہڈی جیسا بنا چھوڑتی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''کسی چیز کو وہ نہ چھوڑتی تھی وہ جس پر سے بھی گزرتی اسے بوسیدہ ہڈی جیسا بنا چھوڑتی'' قوم عاد پر جو نا مبارک ہوا بھیجی گئی اس نے ہر چیز کو ریزہ ریزہ کر کے بوسیدہ کر دیا۔ (2) اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کو جو دنیا کی قوموں میں بڑی قوت رکھتی تھی، طاقت رکھنے کے باوجود ہلاک کر دیا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اسے کوئی مغلوب نہیں کرسکتا۔ وہ نافرمانی کرنے والوں کو عذاب دینے پر قدرت رکھتا ہے (3) رب العزت نے اس قوم کی ہلاکت کے بارے میں فرمایا: ﴿فَمَا بَكَتْ عَلَیْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِیْنَ﴾ ''پھر نہ ان پر آسمان رویا اور نہ زمین اور نہ وہ مہلت دیے گئے (الدخان:29)

﴿وَفِیْ ثَمُوْدَ اِذْ قِیْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰی حِیْنٍ (43)﴾

''اور ثمود میں بھی (ایک نشانی ہے)۔ جب ان سے کہا گیا: ''ایک وقت تک فائدہ اٹھالو۔'' (43)

سوال: ﴿وَفِیْ ثَمُوْدَ اِذْ قِیْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰی حِیْنٍ﴾ ''اور ثمود میں بھی (ایک نشانی ہے)۔ جب ان سے کہا گیا: ''ایک

وقت تک فائدہ اٹھالو‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَفِیۡ ثَمُوۡدَ ﴾’’اور ثمود میں بھی (ایک نشانی ہے)‘‘ قوم ثمود عاد ثانیہ کے نام سے معروف تھی۔ وہ حجر کے علاقے میں آباد تھے۔ قوم عاد کی تباہی کے بعد اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کی طرف صالح علیہ السلام کو بھیجا۔(2)﴿ اِذۡ قِیۡلَ لَهُمۡ تَمَتَّعُوۡا حَتّٰی حِیۡنٍ ﴾’’جب ان سے کہا گیا: ’’ایک وقت تک فائدہ اٹھالو‘ قوم ثمود نے صالح علیہ السلام کو جھٹلا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اونٹنی کو نشانی بنایا اور کہا کہ تم پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی زمین سے کھائے پھرے اور ایک دن اس کے پانی لینے کا ہوگا اور دوسرا دن تمام لوگوں کے لیے مقرر ہوگا۔ پھر تمام لوگ اس کے تھنوں سے دودھ پئیں گے۔ قوم ثمود کو سیدنا صالح علیہ السلام نے نصیحت کی کہ اونٹنی کو تکلیف نہ دینا ورنہ اللہ تعالیٰ کا عذاب آ پکڑے گا۔ انہوں نے اونٹنی کے پاؤں کاٹ دیے تو سیدنا صالح علیہ السلام نے انہیں کہا:﴿ فَعَقَرُوۡهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوۡا فِیۡ دَارِكُمۡ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعۡدٌ غَیۡرُ مَكۡذُوۡبٍ ﴿۶۵﴾ ﴾’’تو انہوں نے اس کی ٹانگیں کاٹ دیں تو صالح نے کہا تین دن تک تم اپنے گھروں میں خوب فائدہ اٹھالو، یہ ایسا وعدہ ہے جس میں کوئی جھوٹ نہیں بولا گیا۔‘‘ (ہود:65)

﴿ فَعَتَوۡا عَنۡ اَمۡرِ رَبِّهِمۡ فَاَخَذَتۡهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمۡ یَنۡظُرُوۡنَ ﴿44﴾ ﴾

’’سو انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی، تو ایک زبردست کڑک نے انہیں جا پکڑا اور وہ دیکھ رہے تھے۔‘‘ (44)

سوال:﴿ فَعَتَوۡا عَنۡ اَمۡرِ رَبِّهِمۡ فَاَخَذَتۡهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمۡ یَنۡظُرُوۡنَ ﴾’’سو انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی، تو ایک زبردست کڑک نے انہیں جا پکڑا اور وہ دیکھ رہے تھے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ فَعَتَوۡا عَنۡ اَمۡرِ رَبِّهِمۡ فَاَخَذَتۡهُمُ الصّٰعِقَةُ ﴾’’سو انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی، تو ایک زبردست کڑک نے انہیں جا پکڑا‘‘ قوم ثمود نے رب کی نافرمانی کی اور سرکشی کی تو انہیں صاعقہ نے آن پکڑا۔(2) صاعقہ آسمان سے گرنے والی بجلی کو کہتے ہیں اور وہ جس چیز پر گرتی ہے اسے جلا کر خاکستر بنا دیتی ہے۔ قوم ثمود کا قصہ بھی پہلے بہت سے مقامات پر گزر چکا ہے۔ ان پر جو عذاب نازل ہوا اس کے لیے کہیں صیحۃ (زبردست چیخ۔ کڑک۔ دھماکہ) کا لفظ آیا ہے اور کہیں رجفۃ (زلزلہ) کا۔ گویا ان پر زمین سے عذاب آیا تھا اور آسمان سے بھی اور ہر مقام پر کسی ایک پہلو کا ذکر کر دیا گیا ہے۔(3)﴿وَهُمۡ یَنۡظُرُوۡنَ ﴾’’اور وہ دیکھ رہے تھے‘ وہ عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

﴿ فَمَا اسۡتَطَاعُوۡا مِنۡ قِیَامٍ وَّمَا كَانُوۡا مُنۡتَصِرِیۡنَ ﴿45﴾ ﴾

’’پھر نہ انہوں نے کسی طرح کھڑے ہونے کی طاقت پائی اور نہ ہی وہ بدلہ لینے والے تھے۔‘‘ (45)

سوال: ﴿ فَمَا اسۡتَطَاعُوۡا مِنۡ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوۡا مُنۡتَصِرِيۡنَ ﴾ ''پھر نہ انہوں نے کسی طرح کھڑے ہونے کی طاقت پائی اور نہ ہی وہ بدلہ لینے والے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''پھر نہ انہوں نے کسی طرح کھڑے ہونے کی طاقت پائی اور نہ ہی وہ بدلہ لینے والے تھے'' قوم ثمود کے پاس اٹھنے کی سکت بھی نہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات کے لیے کوششیں کرتے۔ (2) یعنی عذاب سے دہشت کا یہ عالم تھا کہ جو بیٹھا تھا اس کو اٹھ کر کھڑا ہونے کی بھی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ کہیں جا کر عذاب سے پناہ لینا تو دور کی بات ہے۔ انتصار کا لفظ دو معنوں میں آتا ہے، ایک یہ کہ اگر کوئی حملہ کرے تو اس سے اپنا بچاؤ کرنا اور دوسرا یہ کہ جو حملہ کرے اس سے بدلہ لینا۔ دوسرے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ یہ قوم مضبوط جسم والی، بڑے ڈیل ڈول والی، اپنی طاقت وقوت پر فخر و ناز کرنے والی تھی اور ڈھینگیں مارنے والی تھی۔ پھر جب ان پر ہمارا عذاب نازل ہوا تو یہ بدلہ تو نہ لے سکی۔ (تیسیر القرآن: 300/4) (3) اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی بے بسی کا شعور دلایا ہے اور یہ سمجھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بھاگنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

﴿ وَقَوۡمَ نُوۡحٍ مِّنۡ قَبۡلُ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِيۡنَ (46) ﴾

''اور ان سے پہلے نوح کی قوم کو (ہم نے ہلاک کیا) یقیناً وہ بھی نافرمان لوگ تھے۔'' (46)

سوال: ﴿ وَقَوۡمَ نُوۡحٍ مِّنۡ قَبۡلُ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِيۡنَ ﴾ ''اور ان سے پہلے نوح کی قوم کو (ہم نے ہلاک کیا) یقیناً وہ بھی نافرمان لوگ تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور ان سے پہلے نوح کی قوم کو (ہم نے ہلاک کیا) یقیناً وہ بھی نافرمان لوگ تھے'' یعنی نوح عَلَیْہِ السَّلَام جو اولین رسول تھے ان کی قوم نے انہیں جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو رب العزت نے ان کی طرف سیلاب بھیجا جس نے کافروں کا ایک بھی گھر بستا ہوا نہ چھوڑا سب کو غرق کر دیا۔ سیدنا نوح عَلَیْہِ السَّلَام نے جب قوم کے جھٹلانے کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی کہ میرے اور میری قوم کے درمیان فیصلہ کردے تو اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم شخص کی پکار پر پوری دنیا ڈبو دی۔ (2) رب العزت نے فرمایا: ﴿ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوۡمِىۡ كَذَّبُوۡنِ (۱۱۷) فَافۡتَحۡ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَهُمۡ فَتۡحًا وَّنَجِّنِىۡ وَمَنۡ مَّعِىَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ (۱۱۸) فَاَنۡجَيۡنٰهُ وَمَنۡ مَّعَهٗ فِى الۡفُلۡكِ الۡمَشۡحُوۡنِ (۱۱۹) ثُمَّ اَغۡرَقۡنَا بَعۡدُ الۡبٰقِيۡنَ (۱۲۰) اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ (۱۲۱) ﴾ ''نوح نے کہا: ''اے میرے رب! یقیناً میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا۔ چنانچہ میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کردے، کھلا فیصلہ اور مجھے اور جو ایمان والے میرے ساتھ ہیں، انہیں نجات دے۔'' پھر ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو ایک بھری ہوئی کشتی میں نجات دی۔ پھر اس کے بعد ہم نے باقی لوگوں کو غرق کر دیا۔ بلاشبہ اس میں ایک نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ماننے والے نہیں۔ (الشعراء: 121-117)

رکوع نمبر:2

﴿ وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ (47)﴾

''اور ہم نے آسمان کو اپنی قدرت سے بنایا اور یقیناً ہم ہی بلاشبہ وسعت والے ہیں۔''(47)

سوال1:﴿وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴾''اور ہم نے آسمان کو اپنی قدرت سے بنایا اور یقیناً ہم ہی بلاشبہ وسعت والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ ﴾''اور ہم نے آسمان کو اپنی قدرت سے بنایا'' اللہ رب العزت نے اپنی قدرت کاملہ کو بیان فرمایا کہ ہم نے آسمان کو عظیم قدرت وقوت کے ساتھ پیدا کیا اور اسے زمین اور دوسری مخلوقات کے لیے چھت بنایا۔(2) یہاں آسمان سے مراد فضائے بسیط ہے جس میں لاتعداد مجمع النجوم اور کہکشائیں ہیئت دانوں کو ورطہ حیرت میں ڈال کران کے علم کو ہر آن چیلنج کر رہی ہیں۔مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ ہئیت دان جوں جوں پہلے سے زیادہ طاقت ور اور جدید قسم کی دوربینیں ایجاد کر رہے ہیں توں توں اس بات کا بھی انکشاف ہو رہا ہے کہ کائنات میں ہر آن مزید وسعت پیدا ہو رہی ہے، سیاروں کے درمیانی فاصلے بھی بڑھ رہے ہیں اور نئے نئے اجرام بھی مشاہدہ میں آرہے ہیں۔(تیسیر القرآن:301/4)(3)﴿ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴾''اور یقیناً ہم ہی بلاشبہ وسعت والے ہیں'' اور ہم اس کو اس کے کناروں اور گوشوں تک وسعت دیتے ہیں، نیز ہم اپنے بندوں کے لیے بھی رزق کو وسیع کرتے ہیں۔بیابانوں کے چٹیل میدانوں میں، سمندروں کی سرکش موجوں میں اور عالم علوی اور عالم سفلی میں ان کے کناروں تک کوئی جان دار ایسا نہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اتنا رزق بہم نہ پہنچایا ہو جو اس کے لیے کافی ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسے احسان سے نہ نوازا ہو جو اسے بے نیاز کرتا ہو۔پس پاک ہے وہ ذات جس کا جودوکرم تمام مخلوقات کے لیے عام ہے اور نہایت بابرکت ہے وہ ہستی جس کی بے پایاں رحمت تمام جان داروں پر سایہ کناں ہے۔(تفسیر سعدی:2623/3)(4) یعنی ہم نے اسے بغیر ستونوں کے کھڑا کر دیا اور اسے کناروں سے وسیع کر دیا۔

سوال2:''اور یقیناً ہم ہی بلاشبہ وسعت والے ہیں'' سے یہاں کیا مراد ہے؟

جواب:(1)اس سے مراد آسمان میں کشادگی کرنا ہے جب کہ آسمان پہلے ہی وسیع ہے۔اللہ تعالیٰ نے یہ شعور دلایا ہے کہ ہم اس کو اس سے زیادہ وسیع کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔یہ کیسا یقین ہے جو رب العزت دلا رہے ہیں کہ آپ یہ دیکھو کہ جو رب اتنے وسیع آسمانوں کو وسعت دے سکتا ہے، کیا وہ تمہیں وسعت نہ دے گا؟ تمہارے رزق میں وسعت نہیں دے سکتا؟ تمہاری صلاحیتوں میں، قوتوں میں وسعت نہیں دے سکتا؟ تمہارے وقت میں وسعت نہیں دے سکتا؟ تمہارے کام میں وسعت اور برکت پیدا نہیں کر سکتا؟(2)اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ آسمانوں سے بارش برسا کر رزق کو کشادہ کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔(3)اس سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ ہم ایسے ہی آسمان بنانے کی

قدرت اور طاقت رکھتے ہیں یعنی اتنا وسیع آسمان بنا کر تھکے نہیں، عاجز نہیں آئے اور کشادگی کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔

﴿وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُوْنَ (48)﴾

''اور زمین کو ہم نے بچھایا، سو کیا ہی اچھا بچھانے والے ہیں۔''(48)

سوال1: ﴿وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُوْنَ﴾ ''اور زمین کو ہم نے بچھایا، سو کیا ہی اچھا بچھانے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا﴾ ''اور زمین کو ہم نے بچھایا'' اللہ تعالیٰ نے زمین کو ساری مخلوقات کے لیے فرش بنایا ہے۔ اس نے زمین کو ہر لحاظ سے بہترین طریقے سے ہموار کیا ہے۔ (2) ﴿فَنِعْمَ الْمَاهِدُوْنَ﴾ ''سو کیا ہی اچھا بچھانے والے ہیں'' زمین کا فرش کتنا عمدہ ہے! اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے زمین کو ہموار کیا یقیناً وہ بہترین بچھانے والا ہے۔

سوال2: زمین کو فرش سے تشبیہ دینے میں کیا حکمت ہے، وضاحت کریں؟

جواب: (1) فرش انسان کے لئے آرام کا باعث ہوتا ہے۔ (2) زمین کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح تیار اور ہموار کر دیا ہے کہ وہ اپنی سہولتوں کے ساتھ زندگی کا گہوارہ ہے اسی لئے اسے فرش سے تشبیہ دی گئی ہے۔ (3) زمین کی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے زندگی کی کفالت کے لئے تیار کیا ہے اسی لئے اسے فرش سے تشبیہ دی گئی ہے۔

﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (49)﴾

''اور ہر چیز سے ہم نے جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے تاکہ تم سبق حاصل کرو۔''(49)

سوال1: ﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ ''اور ہر چیز سے ہم نے جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے تاکہ تم سبق حاصل کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ﴾ ''اور ہر چیز سے ہم نے جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ نے حیوانات میں نر اور مادہ کی دو قسمیں پیدا کیں اور ان جوڑوں کی تخلیق کو جان داروں کی بقا کا سبب بنایا۔ اسی وجہ سے انسان ان جان داروں کی افزائش اور ان کی خدمت میں مصروف ہوتا ہے اور ان جانوروں کی وجہ سے اسے نفع حاصل ہوتا ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کو جوڑا جوڑا بنایا مثلاً آسمان اور زمین، دن اور رات، سورج اور چاند، اجالا اور اندھیرا، کفر اور ایمان، خوش نصیبی اور بد نصیبی، موت اور زندگی، جنت اور جہنم وغیرہ۔ (3) زوج کا لفظ عربی زبان میں تین معنوں میں آتا ہے۔ (الف) متضاد اشیاء جیسے دن اور رات، دھوپ اور سایہ، روشنی اور تاریکی، سیاہی اور سفیدی، خوشی اور رنج، خوش حالی اور تنگ دستی وغیرہ۔ (ب) ہم مثل اشیاء کے لیے جیسے پاؤں کے دونوں جوتے ایک دوسرے کے زوج ہیں۔ اس

طرح ہر دور کے مشرک ایک دوسرے کے زوج ہیں۔ایک ہی نوعیت کے مجرم ایک دوسرے کا زوج ہیں۔(ج) نر و مادہ کے لیے مثلاً خاوند بیوی کا زوج ہے، بیوی خاوند کا زوج ہے۔ ہر نر مادہ کا زوج ہے اور ہر مادہ نر کا زوج ہے اور اس آیت میں غالباً اسی قسم کے زوج مراد ہیں۔ (تیسیر القرآن:302/4)(4)﴿ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴾ ''تا کہ تم سبق حاصل کرو'' تاکہ تم جان لو کہ ان سب کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے جو صرف ایک ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں۔(مختصر ابن کثیر:1937/2)(5) یعنی شاید ان جوڑوں کو دیکھ کر تم غور وفکر کرو۔(6) تاکہ تم غور وفکر کر کے اس نتیجہ پر پہنچ سکو کہ تمہاری عبادت کا مستحق صرف رب ذوالجلال ہے جس نے ہر چیز کو جوڑا پیدا کیا ہے یعنی یا تو انہیں مذکر و مونث بنایا ہے، یا ایک دوسرے کا مخالف بنایا ہے، جیسے آگ پانی کا، موت زندگی کا، ایمان کفر کا اور جنت جہنم کی مخالف ہے۔(تیسیر الرحمٰن:1474)

سوال2: ہر چیز کے جوڑا جوڑا ہونے کا کیا تقاضا ہے؟

جواب: اس کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا کی زندگی کے مقابلے میں دوسری زندگی یعنی آخرت کی زندگی ہو۔تزویج کا اصول آخرت کے آنے کا تقاضا کرتا ہے۔

سوال3: تزویج کے اصول میں کیا نصیحت ہے؟

جواب: تزویج کے اصول سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا صرف ایک ہے اُس کا کوئی شریک نہیں۔

﴿ فَفِرُّوٓا اِلَى اللّٰهِ ط اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (50) ﴾

''تو اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑو، بلاشبہ میں تمہیں اس کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔'' (50)

سوال1: ﴿ فَفِرُّوٓا اِلَى اللّٰهِ ﴾ ''تو اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ فَفِرُّوٓا اِلَى اللّٰهِ ﴾ ''تو اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑو'' یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آؤ اور اپنے تمام امور میں اسی پر توکل کرو۔(2) اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اپنی تخلیق پر غور وفکر کی دعوت دی ہے۔غور وفکر کا مقصد یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے، اس کی پناہ لے، اسی کا خوف رکھے، اسی کی طرف فرار ہو یعنی ظاہری اور باطنی اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے ناپسندیدہ امور، ناپسندیدہ افراد، ناپسندیدہ مقامات، ناپسندیدہ حالات اور ناپسندیدہ معاملات سے اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگنا مثلاً نافرمانی کے کاموں سے بھاگ کر اس کی اطاعت کی طرف آنا، جہالت سے بھاگ کر علم کی طرف آنا غفلت سے فرار ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف آنا، کفر، شرک اور بدعات سے بھاگ کر اللہ تعالیٰ کی طرف آنا۔(3) اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف رجوع کرنے کو فرار کا نام دیا ہے کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف فرار اختیار کرتا ہے اس کا خوف دور ہو جاتا ہے اور جو غیر اللہ کی طرف بھاگتا ہے اسے خوف اور ناپسندیدہ امور اور حالات و معاملات سے واسطہ پیش آتا ہے۔(4) جو اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگتا ہے وہ خوشی، امن، خوش نصیبی اور فوز وفلاح پاتا ہے۔اس لیے رب العزت نے حکم دیا اللہ تعالیٰ کی

طرف بھاگو۔(3)محمد بن حامد نے کہا: فرارالی اللہ کی حقیقت نبی ﷺ نے بیان فرمائی۔ والجأت ظهری الیک۔ میں نے اپنی پشت کو تیری پناہ میں دے دیا۔(مسلم:6882)(6) نبی ﷺ نے فرمایا:﴿ اَللّٰھُمَّ لَکَ اَسْلَمْتُ وَبِکَ آمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْکَ اَنَبْتُ وَبِکَ خَاصَمْتُ ﴾"اے اللہ! میں نے اپنے آپ کو تیرے سپرد کیا ہے، تجھ پر ایمان لایا ہوں، تجھ پر ہی میرا بھروسہ ہے، تیری ہی طرف میں نے رجوع کیا ہے اور تیرے ہی بل پر(دشمنوں سے) جھگڑتا ہوں"۔ (مسلم:6899)(7) نبی ﷺ کی دعا ہے: ﴿اَعُوْذُ بِعِزَّتِکَ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ اَنْ تُضِلَّنِیْ اَنْتَ الْحَیُّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ یَمُوْتُوْنَ﴾"تیری عزت کی پناہ مانگتا ہوں کہ کوئی معبود تیرے سوانہیں یہ کہ تو مجھے گمراہ کردے۔ تیری ایسی ذات ہے جسے موت نہیں اور جن وانس فنا ہو جائیں گے۔ (بخاری:7383)(8)ایک انسان اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگ دوڑ تب کرسکتا ہے جب اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرے۔

سوال2: اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگ دوڑ کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب:(1)اس سے مراد ہے کفر سے ایمان کی طرف بھاگ دوڑ کرو۔(2)اس سے مراد ہے گناہوں سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کے آگے جھک جاؤ۔(3)اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلو تاخیر نہ کرو۔

سوال3: انسان کے اوپر کون سے بوجھ ہیں جس کی وجہ سے وہ بھاگ دوڑ نہیں کرسکتا؟

جواب: بوجھل انسان اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگ دوڑ نہیں کرسکتا۔ بھاگ دوڑ کے لیے بوجھ اتارنے کی ضرورت ہے۔(1)انسان کے اوپر گناہوں کے بوجھ ہیں۔(2)انسان کے اوپر غیراللہ کی غلامی کا بوجھ ہے۔(3)انسان کے اوپر خواہشات نفس کا بوجھ ہے۔(4)انسان کے اوپر شرک اور معصیت کے بوجھ ہیں۔(5)انسان کے اوپر جہالت کا بوجھ ہے۔(6)انسان کے اوپر ظلم کا بوجھ ہے۔

سوال4: انسان بوجھوں سے آزاد کیسے ہوسکتا ہے؟

جواب: انسان اللہ تعالیٰ سے تعلق کی حقیقت کا علم حاصل کر کے، دنیا کی حقیقت کو سمجھ کر، آخرت کا یقین حاصل کر کے نیت اور ارادے کے ساتھ، رب سے دُعائیں کر کے ایسے لوگوں کے ساتھ جڑ کر جو بوجھوں سے آزاد ہونے کی کوشش کر رہے ہیں خود بھی آزاد ہوسکتا ہے۔

سوال5: اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگ دوڑ میں کون کون سی چیزیں رکاوٹ ہیں؟

جواب: سورۃ التوبہ کی آیت 24 میں رب العزت نے اس کی وضاحت کی ہے۔"آپ کہہ دیں کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا خاندان اور وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو اور وہ گھر جنہیں تم پسند کرتے ہو، تمہیں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول اور اُس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آئے اور اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

سوال6: اللہ تعالیٰ کی طرف آنے کو فرار سے کیوں تعبیر کیا گیا؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کی طرف آنے کو فرار سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ انسان کو ناجائز طور پر پابندیوں میں جکڑا گیا ہے۔ (2) اُسے ناجائز بیڑیاں پہنائی گئی ہیں۔ (3) اُسے زمین کے ساتھ چپکا دیا گیا ہے۔ خاص طور پر اپنے حصے کا ظاہری رزق حاصل کرنے کے لئے مال ودولت کے لالچ میں مبتلا کر دیا گیا ہے۔ (4) انسانوں کو ان پابندیوں سے آزاد کروانے کے لئے ایک زوردار دعوت کی ضرورت تھی اس لئے یہ فرمایا گیا کہ بھاگو اللہ تعالیٰ کی طرف، شدّت سے بھاگ دوڑ کرو۔

سوال7: ﴿ اِنِّیۡ لَکُمۡ مِّنۡہُ نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴾ ''بلاشبہ میں تمہیں اس کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''بلاشبہ میں تمہیں اس کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں'' سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی، پھر جب اس کے گرد روشنی ہوئی تو کیڑے اور یہ جانور جو آگ میں ہیں، اس میں گرنے لگے اور وہ شخص ان کو روکنے لگا، لیکن وہ نہ رکے اور اس میں گرنے لگے، یہ مثال ہے میری اور تمہاری، میں تمہیں تمہاری کمر سے پکڑ کر جہنم سے روکنے والا ہوں اور کہتا ہوں کہ جہنم کے پاس سے چلے آؤ اور تم نہیں مانتے، اسی میں گھسے جاتے ہو۔'' (مسلم: 5957)

﴿ وَلَا تَجۡعَلُوۡا مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ ؕ اِنِّیۡ لَکُمۡ مِّنۡہُ نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿51﴾ ﴾

''اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بناؤ۔ یقیناً میں تمہارے لیے اس کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔'' (51)

سوال1: ﴿ وَلَا تَجۡعَلُوۡا مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بناؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَلَا تَجۡعَلُوۡا مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بناؤ'' اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ (2) یہ اللہ تعالیٰ کی طرف فرار میں شمار ہوتا ہے، بلکہ یہی اس کی طرف حقیقی فرار ہے کہ بندہ غیر اللہ کو معبود بنانے کو، یعنی بتوں، اللہ تعالیٰ کے خودساختہ ہمسروں اور قبروں وغیرہ کو جن کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جاتی ہے، چھوڑ کر اپنے رب کے لیے اپنی عبادت، اپنے خوف ورجا، دعا اور انابت کو خالص کرے۔ (تفسیر سعدی: 2624/3) (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـہُکُمۡ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلۡیَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشۡرِکۡ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖۤ اَحَدًا ﴾ آپ فرما دیں کہ میں تمہارے جیسا ہی ایک انسان ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ یقیناً تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے، چنانچہ جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہے تو لازم ہے کہ وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی ایک کو شریک نہ کرے۔ (الکہف: 110)

سوال2: ﴿ اِنِّیۡ لَکُمۡ مِّنۡہُ نَذِیۡرٌ مُّبِیۡن ﴾ ''یقیناً میں تمہارے لیے اس کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یعنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس فریضے پر مامور ہوں کہ تمہیں ہر بات کھول کھول کر سمجھادوں سو میں نے تمہیں تنبیہ کر دی ہے۔

﴿كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ (52)﴾

''اسی طرح ان لوگوں کے پاس جوان سے پہلے تھے،کوئی رسول نہیں آیا مگر انہوں نے کہا:''یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔'' (52)

سوال1: ﴿كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْن﴾ ''اسی طرح ان لوگوں کے پاس جوان سے پہلے تھے،کوئی رسول نہیں آیا مگر انہوں نے کہا:''یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اسی طرح ان لوگوں کے پاس جوان سے پہلے تھے،کوئی رسول نہیں آیا مگر انہوں نے کہا:''یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے'' اللہ رب العزت نے نبی ﷺ کو تسلی دی ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں کہ مشرک آپ ﷺ کو جادوگر اور دیوانہ کہہ رہے ہیں یہ تو پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ہوا۔ جھٹلانے والوں نے ہر رسول کو جادوگر اور دیوانہ قرار دیا۔

سوال2: ہر قوم نے یکے بعد دیگرے رسولوں کو جھٹلانے کا راستہ کیوں اختیار کیا؟

جواب: ہر قوم نے سرکشی سے رسولوں کو جھٹلانے کا راستہ اختیار کیا۔

﴿اَتَوَاصَوْا بِهٖ ج بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ (53)﴾

''کیا انہوں نے اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کی ہے؟ بلکہ وہ سب سرکش لوگ ہیں۔'' (53)

سوال1: ﴿اَتَوَاصَوْا بِهٖ ج بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْن﴾ ''کیا انہوں نے اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کی ہے؟ بلکہ وہ سب سرکش لوگ ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَتَوَاصَوْا بِهٖ﴾ ''کیا انہوں نے اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کی ہے؟'' یعنی کیا اگلے لوگوں نے بعد میں آنے والوں کو وصیت کی ہے کہ اپنے رسولوں کو جادوگر اور دیوانہ قرار دینا؟ تو ایسا نہیں۔ (2) ﴿بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ﴾ ''بلکہ وہ سب سرکش لوگ ہیں'' اصل بات یہ ہے کہ ان کا سرکشی پر اتحاد ہے جو کہ کفر میں حد سے گزر جاتا ہے۔ (اضواء البیان: 442/7) (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ط كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ط تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ط قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (۱۱۸)﴾ ''اور جو لوگ علم نہیں رکھتے انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ خود ہم سے بات کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ اسی طرح ان کی بات کی طرح ان لوگوں نے کہا جو ان سے پہلے تھے، ان سب کے دل ایک جیسے ہو گئے۔ یقیناً ہم نے آیتیں صاف صاف بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو یقین کرتے ہیں۔'' (البقرۃ: 118) (4) پہلے اور بعد میں آنے والے لوگوں کے دل

ایک ہیں اس لیےان کے معاملات بھی ایک جیسے ہیں۔اے نبی! آپ ﷺ ان کی پرواہ نہ کریں انہیں نصیحت کرتے رہیں۔

سوال 2: قوموں کے درمیان رسولوں کی مخالفت پر سمجھوتہ کیوں محسوس ہوتا ہے؟

جواب: قوموں کے درمیان سمجھوتہ اس لئے محسوس ہوتا ہے کہ لوگوں کے دل ملتے جلتے ہیں اوراُن کے طورطریقے ملتے جلتے ہیں اسی وجہ سے پہلے لوگوں اور بعد میں آنے والوں کی بات ایک ہوگئی ہے۔

﴿فَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ فَمَآ اَنۡتَ بِمَلُوۡمٍ (54) ﴾

’’آپ ان سے منہ موڑیں کہ آپ ہرگز ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں۔‘‘(54)

سوال1: ﴿فَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ فَمَآ اَنۡتَ بِمَلُوۡمٍ﴾ ’’آپ ان سے منہ موڑیں کہ آپ ہرگز ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے قتادہ سے نقل کیا ہے کہ اصحاب رسول ﷺ پر یہ آیت ﴿فَتَوَلَّ﴾ ’’آپ ان سے منہ موڑیں‘‘ بہت گراں گزری۔انہوں نے سمجھا کہ اب وحی کا سلسلہ منقطع ہوجائے گا اور اللہ تعالیٰ کا عذاب آجائے گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَّ ذَكِّرۡ فَاِنَّ الذِّكۡرٰى تَنۡفَعُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ (۵۵)﴾ ’’اور نصیحت کریں، یقیناً نصیحت ایمان والوں کو فائدہ دیتی ہے۔(الذاریات:55)(جامع البیان) (2) رب العزت نے رسول اللہ ﷺ کو جھٹلانے والوں کے بارے میں حکم دیا ہے: ﴿فَتَوَلَّ﴾ ’’آپ ان سے منہ موڑیں‘‘ آپ ﷺ ان کی پرواہ نہ کریں، ان سے منہ موڑ لیں یعنی اپنے معاملات کی طرف توجہ دیں۔(3) ﴿فَمَآ اَنۡتَ بِمَلُوۡمٍ﴾ ’’کہ آپ ہرگز ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں‘‘ یعنی آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قابل ملامت نہیں۔آپ ﷺ کا کام تو پیغام پہنچادینا ہے۔

سوال 2: نبی ﷺ کو لوگوں کی سرکشی کے مقابلے میں کیا حکم دیا گیا؟

جواب: نبی ﷺ کو لوگوں کی سرکشی کے مقابلے میں حکم دیا گیا کہ آپ ﷺ ان سے منہ پھیر لیں آپ ﷺ پر کچھ ملامت نہیں ہے۔

﴿وَّ ذَكِّرۡ فَاِنَّ الذِّكۡرٰى تَنۡفَعُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ (55)﴾

’’اور نصیحت کریں، یقیناً نصیحت ایمان والوں کو فائدہ دیتی ہے۔‘‘(55)

سوال: ﴿وَّ ذَكِّرۡ فَاِنَّ الذِّكۡرٰى تَنۡفَعُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴾ ’’اور نصیحت کریں، یقیناً نصیحت ایمان والوں کو فائدہ دیتی ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَّ ذَكِّرۡ﴾ ’’اور نصیحت کریں‘‘ نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ قرآن مجید سے نصیحت کرو۔(2) نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: وہ ان کے عمل میں اضافہ کرتی ہے۔ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: وہ مومنوں کے دلوں کو فائدہ دیتی ہے۔(الاساس فی التفسیر:5523/10)(3) تذکیر کی دواقسام ہیں:

(الف) ایسے امور کے ذریعے سے تذکیر جن کی تفصیل کی معرفت حاصل نہیں، البتہ وہ فطرت اور عقل کے ذریعے سے مجمل طور پر معروف ہیں کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے عقل میں خیر سے محبت اور خیر کو ترجیح دینا، شر کو ناپسند کرنا اور اس سے دور بھاگنا ودیعت کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی شریعت اس کے موافق ہے۔ پس شریعت کا ہر امر و نہی، تذکیر ہے۔ تذکیر کامل یہ ہے کہ مامورات شریعت میں بھلائی، حسن اور انسانی مصالح پوشیدہ ہیں ان کا ذکر کیا جائے اور منہیات میں جو نقصانات پنہاں ہیں ان کا ذکر کیا جائے۔ (ب) تذکیر کی دوسری قسم ان امور کے ذریعے سے تذکیر ہے جو اہل ایمان کو معلوم ہیں۔ مگر غفلت اور مدہوشی نے انھیں ڈھانپ رکھا ہے، ان کو ان امور کی یاددہانی کرائی جاتی ہے، ان کے سامنے ان باتوں کو مکرر بیان کیا جاتا ہے تاکہ یہ باتیں ان کے ذہن میں راسخ ہو جائیں، ان کو تنبیہ ہوتی رہے اور جن باتوں کی انھیں یاددہانی ہوئی ہے ان پر عمل پیرا ہوں، نیز یہ کہ ان میں نشاط اور ہمت پیدا ہو جو ان کے لیے فائدے اور بلندی کی موجب ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ نصیحت اور تذکیر مومنوں کو فائدہ دیتی ہے کیونکہ ان کے پاس جو سرمایہ ایمان، خشیت الٰہی، انابت الی اللہ اور اتباع رسول ہے، یہ تمام اوصاف اس بات کے موجب ہیں کہ تذکیر ان کو فائدہ دے اور نصیحت ان کے دل میں اتر جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى (٩) سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى (١٠) وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى (١١)﴾ ”چنانچہ آپ نصیحت کرو بلاشبہ نصیحت فائدہ دیتی ہے۔ وہ شخص جلد ہی نصیحت قبول کرے گا جو ڈرتا ہے۔ اور بدبخت اس سے گریز کرے گا۔ (الاعلیٰ:11-9) جس میں ایمان کی رمق ہے نہ نصیحت قبول کرنے کی استعداد، اس کو تذکیر اور نصیحت کوئی فائدہ نہیں دیتی، وہ اس شور زدہ زمین کے مانند ہے جس کو بارش سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، اس قسم کے لوگوں کے پاس اگر تمام نشانیاں بھی آجائیں تو وہ پھر بھی اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔ (تفسیر سعدی:2625,2626/3) (4) ﴿ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ”یقیناً نصیحت ایمان والوں کو فائدہ دیتی ہے“ یعنی آپ ﷺ کا کام نصیحت کرنا ہے اور نصیحت مومنوں کو فائدہ دیتی ہے۔ جس میں نصیحت قبول کرنے کی استطاعت نہ ہو اس کو نصیحت فائدہ نہیں دیتی۔ ایسے لوگوں کے پاس اگر ساری نشانیاں بھی آجائیں تو بھی وہ ایمان نہیں لاتے۔

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (56) ﴾

”اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا ہے تاکہ وہ میری عبادت کریں۔“ (56)

سوال1: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴾ ”اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا ہے تاکہ وہ میری عبادت کریں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا ہے تاکہ وہ میری عبادت کریں“ یعنی اللہ تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں کو اپنی کسی ضرورت کے لیے پیدا نہیں کیا۔ ان کی زندگی کا مقصد عبادت ہے۔ اسی مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو مبعوث کیا۔ (2) رسول ایک

اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف ہی دعوت دیتے رہے۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''ہر ایک بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں، جیسے چار پاؤں والا جانور ہمیشہ سالم جانور جنتا ہے، کیا تمہیں ان میں کوئی کان کٹا ہوا جانور ملتا ہے۔'' (مسلم:2658) (3) عبادت کا تعلق اللہ تعالیٰ کی معرفت، محبت اور انابت سے ہے۔(4) عبادت میں کمال اسی کو نصیب ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتا ہے۔(5) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ عبادت کی تعریف یوں کرتے ہیں: عبادت ان تمام کاموں کے لیے جامع اسم ہے جنہیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور ان سے محبت کرتا ہے۔ خواہ وہ اقوال ہوں یا ظاہری یا باطنی اعمال ہوں۔ (رسالۃ العبودیۃ:149/10) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم کے بیٹے! میری عبادت کے لیے فارغ ہو جا میں تیرا دل غنا سے بھر دوں گا اور تیرا افلاس مٹا دوں گا اور اگر تو ایسا نہیں کرے گا تو میں تیرا دل پریشانیوں سے بھر دوں گا اور تیری ضرورت رفع نہ کروں گا۔ (ترمذی:2466، ابن ماجہ:4107)

سوال2: جنوں اور انسانوں کے وجود کا مقصد کیا ہے؟

جواب: جنوں اور انسانوں کے وجود کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی بندگی ہے۔

سوال3: وجود کا مقصد پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کیا انتظام کیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے فرائض مقرر کر دیئے۔ اب جو فرائض ادا کرتا ہے وہ وجود کے مقصد کو پورا کر دیتا ہے اور جو ان سے منہ موڑ لیتا ہے وہ زندگی کے مقصد کو گم کر دیتا ہے اور بے کار ہو جاتا ہے۔

سوال4: اللہ تعالیٰ کی عبادت یا بندگی سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اس سے مراد شعوری اقرار ہے کہ ایک اللہ تعالیٰ میرا خالق اور مالک ہے اور میں اُس کے حکم کا پابند ہوں۔(2) اس سے مراد دل، جسم اور زندگی کا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر دینا ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کی بڑائی کو اپنے دل سے نکال دینا۔ ایک اللہ تعالیٰ کی خاطر جینا اور اُسی کی خاطر مرنے کے لئے کوششیں کرنا بندگی ہے۔(3) اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے جو طریقے محمد رسول اللہ ﷺ نے سکھائے اُن کی پیروی کر کے ہی اللہ تعالیٰ کی بندگی کی جا سکتی ہے۔

سوال5: اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے سے انسان کے شعور میں کیا تبدیلی آتی ہے؟

جواب: انسان اپنے ہر کام میں نیت اور ارادے کو دیکھتا ہے لیکن نتائج سے بے پرواہ ہو جاتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کا کام بندگی ہے اور انجام تک پہنچانا رب کا کام ہے۔ نتائج سے بے پرواہ ہونا انسان کے لیے انتہائی مشکل ہے لیکن جو انسان ہر کام میں رب کی رضا کو دیکھتا ہے اس کے لیے نتائج سے بے پرواہ ہو کر کام کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

﴿ مَآ اُرِيۡدُ مِنۡهُمۡ مِّنۡ رِّزۡقٍ وَّمَآ اُرِيۡدُ اَنۡ يُّطۡعِمُوۡنِ (57) ﴾

''نہیں میں ارادہ رکھتا ان سے رزق کا اور نہ ہی میں ارادہ رکھتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔'' (57)

سوال 1: ﴿ مَآ اُرِيۡدُ مِنۡهُمۡ مِّنۡ رِّزۡقٍ وَّمَآ اُرِيۡدُ اَنۡ يُّطۡعِمُوۡنِ ﴾ ''نہیں میں ارادہ رکھتا ان سے رزق کا اور نہ ہی میں ارادہ رکھتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ مَآ اُرِيۡدُ مِنۡهُمۡ مِّنۡ رِّزۡقٍ وَّمَآ اُرِيۡدُ اَنۡ يُّطۡعِمُوۡنِ ﴾ ''نہیں میں ارادہ رکھتا ان سے رزق کا اور نہ ہی میں ارادہ رکھتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں''، یعنی اللہ تعالیٰ بندوں کا محتاج نہیں۔ وہ بے نیاز ہے۔ بندے اپنی ضروریات کے لیے اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اور اسی کے در کے فقیر ہیں۔ (2) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ابن آدم اپنے رزق سے اس طرح بھاگے جیسے موت سے بھاگتا ہے تو اس کا رزق اسے اسی طرح پالے گا جیسے موت اسے پالیتی ہے۔ (البانی صحیح الجامع: 5240)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے عبادت کے مطالبے کے ساتھ یہ کیوں کہا ہے کہ میں ان سے رزق نہیں چاہتا؟

جواب: دنیا میں جتنے معبود پوجے جاتے ہیں اُن کی پوجا کا مقصد ہی رزق کا حصول ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے واضح کیا کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ یہ مجھے کما کر کھلائیں۔ عبادت سے فائدہ اُن کو ہوگا اُن کی اپنی آخرت سنورے گی، رب کو کوئی فائدہ نہیں ہے۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الۡقُوَّةِ الۡمَتِيۡنُ (58) ﴾

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی بے حد رزق دینے والا، طاقت والا، نہایت مضبوط ہے۔'' (58)

سوال 1: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الۡقُوَّةِ الۡمَتِيۡنُ ﴾ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی بے حد رزق دینے والا، طاقت والا، نہایت مضبوط ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاق ﴾ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی بے حد رزق دینے والا ہے'' الرزاق وہ ہے جو اپنے رزق میں کامل ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَهُوَ خَيۡرُ الرّٰزِقِيۡن ﴾ ''اور وہی بہترین رزق دینے والا ہے۔'' (سبا: 39) (2) وہ ایسے خزانوں سے رزق دیتا ہے جو ختم نہیں ہوتے۔ (3) اللہ تعالیٰ کا رزق کثیر ہے اور یہ رزق پانے والوں کے اعتبار سے ہے۔ وہ کثیر بھی ہیں اور مختلف ضروریات رکھتے ہیں۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِى الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزۡقُهَا وَيَعۡلَمُ مُسۡتَقَرَّهَا وَمُسۡتَوۡدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ ﴾ ''زمین میں چلنے والا کوئی جان دار نہیں مگر اس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اور وہ اس کے ٹھہرنے کی جگہ کو بھی جانتا ہے اور اس کے سونپے جانے کی جگہ کو بھی سب کچھ ایک واضح کتاب میں ہے۔'' (ہود: 6) (4) رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ دَآبَّةٍ لَّا تَحۡمِلُ

رِزْقَهَا ۗ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ ”کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں رکھتے، اللہ تعالیٰ ہی انہیں بھی رزق دیتا ہے اور تمہیں بھی اور وہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔(العنکبوت:60) (5) ﴿ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنِ﴾ ”طاقت والا، نہایت مضبوط ہے“ وہ تمام قوت اور قدرت کا مالک ہے۔ جس نے اس قدرت کے ذریعے سے عالم علوی اور عالم سفلی کے بڑے بڑے اجسام کو وجود بخشا، اس قدرت کے ذریعے سے وہ ظاہر و باطن میں تصرف کرتا ہے اور اس کی مشیت تمام مخلوق پر نافذ ہے۔ اللہ تعالیٰ جو کچھ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا، کوئی بھاگنے والا اسے بے بس کر سکتا ہے نہ کوئی اس کے تسلط سے باہر نکل سکتا ہے۔ یہ اس کی قوت کا کرشمہ ہے کہ اس نے تمام کائنات کو بہم رزق پہنچایا۔ یہ اس کی قدرت وقوت ہے کہ وہ مردوں کو دوبارہ زندگی بخشے گا جب کہ بوسیدگی نے ان کو ریزہ ریزہ کر دیا ہوگا، ہوائیں ان (کے ذرات) کو اڑا کر بکھیر چکی ہوں گی، پرندے اور درندے انھیں نگل چکے ہوں گے اور وہ چٹیل بیابانوں اور سمندر میں بکھر چکے ہوں گے۔ ان میں کوئی ایک بھی اس سے بچ نہیں سکے گا۔ ان کے اجساد کو جو زمین کم کر رہی ہے، وہ اسے خوب جانتا ہے، پاک ہے وہ ذات جو قوت والی اور طاقت ور ہے۔ (تفسیر سعدی:2626,2627/3) (6) سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اذیت کی بات سن کر صبر کرنے والا اللہ تعالیٰ سے زیادہ اور کوئی نہیں ہے۔ لوگ اس کے لیے بیٹا بناتے ہیں اور وہ پھر بھی ان کو عافیت سے رکھتا ہے اور رزق دیتا ہے۔ (بخاری:7378)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے کن صفات کا شعور دلایا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت الرزاق کا شعور دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ رازق ہے ہر ایک چیز کے خزانے اُس کے پاس ہیں وہ دیتا ہے لیتا نہیں۔ سب اُس کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ لہٰذا ہر ایک اپنی احتیاج کے لئے اُسی کو پکارے، اُسی سے مدد مانگے، اُسی سے اُمیدیں باندھے، اُسی کے آگے جھک جائے۔ (2) اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ذوالقوۃ کا شعور دلا کر عبادت کا مطالبہ کیا ہے۔ قوت والا اختیار رکھتا ہے اور با اختیار کی طرف لوگ رجوع کرتے ہیں۔ کمزور سے لوگ مدد نہیں مانگتے، طاقت ور سے طلب کرتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی قوت کا شعور دلا کر مطالبہ کیا ہے کہ وہی عبادت کے لائق ہے۔ (3) اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت المتین کا شعور دلا کر عبادت کا مطالبہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ زور آور ہے اس کا زور دوسروں پر چلتا ہے اور اس پر کسی کا زور نہیں چلتا۔ مدد کے لئے اُسی کو پکارا جا سکتا ہے، جھکا اُسی کے آگے جا سکتا ہے جو خود زور رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے زور آور ہونے سے اپنی عبادت کا مطالبہ کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہی عبادت کے لائق ہے۔

﴿فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ (59)﴾

”چنانچہ یقیناً ان لوگوں کے لیے بھی جنہوں نے ظلم کیا، بلاشبہ ان کے دوستوں کے حصے جیسا حصہ ہے، چنانچہ وہ مجھ سے جلدی طلب نہ کریں۔

(59)''

سوال:﴿ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴾''چنانچہ یقیناًان لوگوں کے لیے بھی جنہوں نےظلم کیا، بلاشبہ ان کے دوستوں کے حصے کے جیسا حصہ ہے، چنانچہ وہ مجھ سے جلدی طلب نہ کریں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ ''چنانچہ یقیناًان لوگوں کے لیے جنہوں نےظلم کیا'' جن لوگوں نے نبی ﷺ کو جھٹلا کرظلم کیا۔ (2)﴿ذَنُوْبًا﴾''حصہ'' عذاب کا حصہ ہے یعنی اس عذاب کے لیے جلدی نہ مچائیں۔ان کے حصے کا عذاب انہیں مل کر رہے گا۔(3) ﴿مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ﴾''ان کے دوستوں کے حصے کے جیسا حصہ'' یعنی پہلی قوموں کو جو عذاب ملا۔قوم عاد، قوم ثمود وغیرہ۔(4)﴿فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴾''چنانچہ وہ مجھ سے جلدی طلب نہ کریں'' یعنی عذاب کے لیے جلدی نہ مچائیں، ہر جھٹلانے والے کے لیے عذاب ہے جو توبہ نہیں کرتا اور اپنے کفر، شرک اور تکذیب پر اصرار کرتا ہے۔ایسے تمام لوگوں پر عذاب ضرور واقع ہوگا۔عذاب تو چارو نا چار انہیں ملنے ہی والا ہے۔

﴿ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِىْ يُوْعَدُوْنَ (60)﴾

''پھر بلاشبہ ان لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا تباہی ہے، ان کے اس دن سے جس کا وہ وعدہ دیے جاتے ہیں۔''(60)

سوال:﴿ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِىْ يُوْعَدُوْنَ ﴾''پھر بلاشبہ ان لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا تباہی ہے، ان کے اس دن سے جس کا وہ وعدہ دیے جاتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾''پھر بلاشبہ ان لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا تباہی ہے'' یعنی قیامت کے دن کافروں کے لیے بڑی ہلاکت ہے، بربادی ہے، تباہی ہے۔(2) ویل جہنم کی وادی ہے جہاں اہل دوزخ کا پسینہ، کچ لہو اور زخموں کا دھوون بہتا ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔(ایسر التفاسیر:1530)(3)﴿مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِىْ يُوْعَدُوْنَ﴾''ان کے اس دن سے جس کا وہ وعدہ دیے جاتے ہیں'' وہ دن جس کا وعدہ دیا گیا قیامت کا دن ہے۔یہ وہ دن ہے جس کے عذابوں کی وعیدیں سنائی گئیں۔اور جس دن کوئی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والا نہیں ہوگا۔

سورہ الطّور

سوال1: سورہ الطّور کب اور کہاں نازل ہوئی؟

جواب:(1) سورہ الطّور مکہ میں اور سورہ السجدہ کے بعد نازل ہوئی۔

سوال2: اس سورت میں کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: اس سورت میں دو رکوع اور 49 آیات ہیں۔

سوال3: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا کیا نمبر ہے؟

جواب: نزولی ترتیب کے اعتبار سے یہ 76 نمبر پر ہے اور مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے 52 ویں سورت ہے۔

سوال4: سورہ الطّور کا نام الطّور کیوں ہے؟

جواب: سورۃ الطّور کا آغاز اللہ تعالیٰ کی جبل طور کی قسم سے ہوا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا۔ یہ اس پہاڑ کا عظیم شرف ہے۔ (تفسیر منیر: 55/14)

سوال5: اس سورت کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: (1) سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بیماری کی شکایت کی۔ فرمایا: لوگوں کے پیچھے پیچھے سوار ہو کر طواف کر لو۔ چنانچہ میں نے طواف کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کی ایک طرف نماز پڑھ رہے تھے اور سورۃ الطّور کی تلاوت کر رہے تھے۔ (بخاری)

(2) سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب میں سورۃ الطّور پڑھتے ہوئے سنا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت سے زیادہ پیاری کسی کی آواز یا قرأت نہیں سنی۔ (بخاری ومسلم)

رکوع نمبر: 3

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَالطُّوْرِ (1)﴾

''قسم ہے طور کی!'' (1)

سوال: ﴿وَالطُّوْرِ﴾ ''قسم ہے طور کی!'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) طور کے معنی عبرانی زبان میں پہاڑ کے ہیں جس پر درخت اگتے ہوں۔ (قرطبی) (2) طور وہ پہاڑ ہے جہاں اللہ تعالیٰ سیدنا موسیٰ بن عمران علیہ السلام سے ہم کلام ہوا اور اس نے ان کی طرف وحی بھیجی اور ان پر احکام شریعت نازل فرمائے۔ یہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی امت پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے جو اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانیاں اور اس کی نعمتیں ہیں، بندے جن کو شمار کر سکتے ہیں نہ ان کی قیمت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 2628/3) (3) اللہ رب العزت نے موت کے بعد کی زندگی اور جزا سزا پر کوہ طور کی قسم اٹھائی ہے۔

﴿وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ (2)﴾

''اور لکھی ہوئی ایک کتاب کی!''(2)

سوال: ﴿ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ﴾ ''اور لکھی ہوئی ایک کتاب کی!'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) لکھی ہوئی کتاب سے مراد لوح محفوظ اور ساری الہامی کتابیں ہیں۔(2) لکھی ہوئی کتاب سے مراد قرآن کریم ہے جو سب سے فضیلت والی کتاب ہے۔ جو پہلے لوگوں اور بعد میں آنے والوں کی خبر دیتا ہے۔

﴿فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ﴿3﴾﴾

''ایسے کاغذ میں جو کھلا ہوا ہے۔''(3)

سوال: ﴿فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ﴾ ''ایسے کاغذ میں جو کھلا ہوا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فِيْ رَقٍّ﴾ ''ایسے کاغذ میں'' مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: رق سے مراد صحیفہ ہے۔ (جامع البیان: 18/27) (2) نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یا جلد جس پر لکھا جاتا ہے۔ (3) ﴿مَّنْشُوْرٍ﴾ ''جو کھلا ہوا ہے'' اس سے مراد کھلی ہوئی ہے کہ جس پر کوئی مہر نہیں یا واضح جس میں کچھ بھی چھپا نہیں ہوتا کیونکہ اس میں کچھ باطل نہیں کہ اس میں سے باطل ظاہر نہ ہو جائے یہاں تک کہ اسے چھپا لیا جائے اور اسے ظاہر نہ کیا جائے۔ (الاساس فی التفسیر: 5541/10)

﴿ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ﴿4﴾ ﴾

''اور آباد گھر کی!''(4)

سوال: ﴿ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ﴾ ''اور آباد گھر کی!'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بیت المعمور عرش کے محاذ میں ایک گھر ہے جسے فرشتے آباد رکھتے ہیں، روزانہ اس میں ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں۔ پھر کبھی ان کی باری نہیں آتی۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا: جانتے ہو بیت المعمور کیا ہے؟ بولے: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: کعبہ کے مقابلے میں آسمان کی مسجد ہے۔ اگر گرے تو کعبہ پر ہی گرے۔ اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں پھر جب اس سے نکل آتے ہیں تو پھر قیامت تک ان کی باری نہیں آتی۔ (مختصر ابن کثیر: 1940/2)
(2) کہا جاتا ہے کہ ''بیت المعمور'' سے مراد بیت اللہ ہے جو ہر وقت طواف کرنے والوں، نماز پڑھنے والوں، ذکر کرنے والوں اور حج وعمرہ کے لیے آنے والوں سے آباد رہتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں قسم کھائی ہے: ﴿وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ﴿٣﴾﴾ ''اور اس پرامن شہر کی قسم!'' (التین: 3) بیت معمور وہ گھر ہے جو روئے زمین کے تمام گھروں سے افضل ہے، لوگ حج اور عمرہ کے لیے اس کا قصد کرتے

ہیں جو اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن اور اس کی ان عظیم بنیادوں میں سے ہے جن کے بغیر اسلام مکمل نہیں ہوتا، یہ وہ گھر ہے جس کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے تعمیر کیا، جس کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے جمع ہونے اور امن کی جگہ مقرر فرمایا، یہ اس بات کا مستحق ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی قسم کھائے اور اس کی عظمت کو بیان فرمائے جو اس گھر کے اور اس کی حرمت کے لائق ہے۔ (تفسیر سعدی:2628/3) (3) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''پھر جبریل علیہ السلام ہمارے ساتھ ساتویں آسمان پر چڑھے اور دروازہ کھلوایا۔ فرشتوں نے پوچھا، کون ہے؟ جواب دیا: جبریل۔ پوچھا، تمھارے ساتھ کون ہے؟ کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ فرشتوں نے کہا، کیا انھیں بلایا گیا ہے؟ انھوں نے کہا، ہاں! انھیں بلایا گیا ہے۔ پھر (جب) ہمارے لیے دروازہ کھلا تو میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا، وہ بیت المعمور سے تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ بیت المعمور وہ مکان ہے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں (جب وہ اس میں سے نکل آتے ہیں تو) پھر دوبارہ اس میں داخل نہیں ہوتے۔'' (مسلم:411)

﴿وَالسَّقۡفِ الۡمَرۡفُوۡعِ ۙ﴿5﴾﴾

''اور اونچی اٹھائی ہوئی چھت کی!'' (5)

سوال: ﴿وَالسَّقۡفِ الۡمَرۡفُوۡعِ﴾ ''اور اونچی اٹھائی ہوئی چھت کی!'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) بلند چھت سے مراد آسمان ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَجَعَلۡنَا السَّمَآءَ سَقۡفًا مَّحۡفُوۡظًا ۚ وَّهُمۡ عَنۡ اٰيٰتِهَا مُعۡرِضُوۡنَ﴾ ''اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنایا اور وہ اس کی نشانیوں سے منہ موڑنے والے ہیں۔ (الانبیاء:32) (2) آسمان کو رب العزت نے زمین کے رہنے والوں کے لیے بنیاد بنایا۔ زمین کی کتنی ہی سرگرمیاں آسمان سے متعلق ہیں۔ آسمان سے بارش برستی ہے۔ آسمان کے سورج سے روشنی اور حرارت آتی ہے۔

﴿وَالۡبَحۡرِ الۡمَسۡجُوۡرِ ۙ﴿6﴾﴾

''اور لبالب بھرے ہوئے سمندر کی!'' (6)

سوال: ﴿وَالۡبَحۡرِ الۡمَسۡجُوۡرِ﴾ ''اور لبالب بھرے ہوئے سمندر کی!'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور لبالب بھرے ہوئے سمندر کی'' پانی سے لبریز سمندر جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے زمین پر پھیل جانے کی اجازت نہیں دی تاکہ مخلوقات زندہ رہ سکیں۔ (2) مسجور سے مراد بھڑکتے ہوئے سمندر بھی ہیں جیسے قرآن حکیم میں ہے: ﴿وَاِذَا الۡبِحَارُ سُجِّرَتۡ﴾ ''اور جب سمندر بھڑکا دیے جائیں گے۔ (التکویر:6) (3) یعنی وہ سمندر جس میں قیامت کے دن آگ بھڑکائی جائے گی اور اس میں شعلے

بھڑک رہے ہوں گے۔

﴿ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ (7)﴾

''بلاشبہ آپ کے رب کا عذاب ضرور واقع ہونے والا ہے'' (7)

سوال: 1 ﴿اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ ﴾ ''بلاشبہ آپ کے رب کا عذاب ضرور واقع ہونے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے طور، آسمان، بیت معمور، بحر مسجور اور کتاب کی جو قسمیں کھائی ہیں وہ اس بات پر دلیل ہیں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حیات بعد الموت کے دلائل ہیں۔ اسی لیے فرمایا: ﴿اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ ﴾ ''بلاشبہ آپ کے رب کا عذاب ضرور واقع ہونے والا ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب لازماً واقع ہو کر رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی بات اور اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

سوال: 2 ربّ کے عذاب یقینی طور پر واقع ہونے پر اللہ تعالیٰ نے کیا دلائل دیے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم قدرت کے دلائل دیئے ہیں (i) طور، (ii) لکھی ہوئی کتاب جو باریک جھلی میں ہے (iii) ، آباد گھر، اونچی چھت اور بھڑکائے ہوئے سمندر کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کیا ہے کہ تیرے ربّ کا عذاب یقیناً واقع ہونے والا ہے۔ اس کا اس نے وعدہ کیا ہے۔

﴿ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ (8)﴾

''اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے۔'' (8)

سوال: ﴿مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ﴾ ''اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب کو ہٹانے والا کوئی نہ ہوگا۔ کوئی ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ سے بھاگ سکے یا اس کی قدرت کا مقابلہ کر سکے۔ (2) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک روز سورہ طور پڑھی۔ ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا رب کعبہ کی قسم سچی ہے۔ سواری سے اترے اور ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھے رہے جب اس آیت پر پہنچے تو ایک آہ سرد بھری جس کے بعد بیس روز تک بیمار رہے، لوگ عیادت کو آتے مگر یہ کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ بیماری کیا ہے۔ (ابن کثیر) (3) سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسلمان ہونے سے پہلے ایک مرتبہ مدینہ طیبہ اس لئے آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدر کے قیدیوں کے متعلق گفتگو کروں، میں پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھ رہے تھے اور آواز مسجد سے باہر تک پہنچ رہی تھی، جب یہ آیت پڑھی ﴿ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ، مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ﴾ اچانک میری یہ حالت ہوئی کہ گویا میرا دل خوف سے پھٹ جائے گا، میں نے فوراً اسلام قبول کیا مجھے اس وقت

یہ محسوس ہورہا تھا کہ میں اس جگہ سے ہٹ نہیں سکوں گا کہ مجھ پر عذاب آجائے گا۔(قرطبی)

﴿ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا (۹)﴾

''جس دن آسمان لرزے گا،سخت لرزنا۔''(9)

سوال:﴿ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ﴾''جس دن آسمان لرزے گا،سخت لرزنا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ﴾قیامت کا روز مراد ہے۔اس کا تھرتھر کانپنا معنی متبادر کے اعتبار سے ہے یا اس کا پھٹنا مراد ہے جیسا کہ﴿ اذاالسماء انشقت ﴾میں فرمایا گیا ہے۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ان دونوں تفسیروں میں کوئی تعارض نہیں ہے بطور تعاقب دونوں کا تحقق ہوسکتا ہے۔(تفسیر کمالین جلالین:810/6)(2)یعنی جس دن آسمان زور زور سے کانپے اور گھومے گا اور مسلسل حرکت میں رہے گا حتیٰ کہ پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے یا گھومے گا۔

﴿ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا (10)﴾

''اور پہاڑ چلیں گے،بہت چلنا۔''(10)

سوال:﴿وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا﴾''اور پہاڑ چلیں گے،بہت چلنا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)'اور پہاڑ چلیں گے،بہت چلنا'یعنی پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے یعنی بکھری ہوئی ریت اور اڑتے ذروں کی طرح ہوجائیں گے۔(2)رب العزت نے فرمایا:﴿وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا (۴۷)﴾''اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور آپ زمین کو بالکل صاف میدان دیکھیں گے اور ہم ان سب کو جمع کریں گے،چنانچہ ہم ان میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے۔(الکھف:47)(3)پہاڑ بادلوں کی طرح چلنے لگیں گے اور دھنکی ہوئی اون کی طرح غبار بن جائیں گے۔(4) پہاڑوں کی یہ حالت قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے ہوگی۔استغفراللہ۔

﴿فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (۱۱)﴾

''چنانچہ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے بڑی تباہی ہے۔''(11)

سوال:﴿فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴾''چنانچہ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے بڑی تباہی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)الویل ہر قسم کی عقوبت،حزن وغم،عذاب اور خوف کے لیے ایک جامع کلمہ ہے۔پھر اللہ تعالیٰ نے ان جھٹلانے والوں کا وصف

بیان فرمایا جو اس ویل کے مستحق ہیں۔(تفسیر سعدی:2629/3)(2) قیامت کے دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی و بربادی ہے۔

﴿ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ (12) ﴾

''جو فضول بحث میں اچھل کود رہے ہیں۔''(12)

سوال: ﴿الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ﴾ ''جو فضول بحث میں اچھل کود رہے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)''جو فضول بحث میں اچھل کود رہے ہیں''یعنی جو لوگ اپنے کفر میں مشغول ہیں اور باطل میں کھیل رہے ہیں۔(ایسر التفاسیر:1530)(2) یعنی وہ باطل میں گھس کر اس سے کھیل رہے ہیں، پس ان کے تمام علوم اور ان کی تمام ضرر رساں علمی تحقیقات تکذیب حق اور تصدیق باطل کو متضمن ہیں، ان کے تمام اعمال، جہلاء، سفہا اور لہو و لعب میں مشغول لوگوں کے اعمال ہیں، بخلاف ان اعمال کے جن پر اہل تصدیق اور اہل ایمان کار بند ہیں، یعنی علوم نافعہ اور اعمال صالحہ۔(تفسیر سعدی:2629,2630/3)(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ﴾ چنانچہ آپ انہیں چھوڑ دو، وہ فضول بحث کریں اور کھیلتے رہیں یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن سے جا ملیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔(الزخرف:83)

﴿ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا (13) ﴾

''جس دن انہیں دھکیلا جائے گا جہنم کی آگ کی طرف، سخت دھکیلا جانا۔''(13)

سوال: ﴿ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ﴾ ''جس دن انہیں دھکیلا جائے گا جہنم کی آگ کی طرف، سخت دھکیلا جانا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)''جس دن انہیں دھکیلا جائے گا جہنم کی آگ کی طرف، سخت دھکیلا جانا''یعنی جس دن انہیں دھکے دے کر جہنم کی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔انہیں چہروں کے بل گھسیٹا جائے گا اور نہایت سختی سے آگ کی طرف ہانکا جائے گا۔(2) دع بمعنی دھکے مار کر نکال دینا۔سختی سے رفع کرنا۔(فقہ اللغۃ)(3) یعنی کافر جہنم کی طرف جانے کو تیار نہ ہوں گے تو انہیں دھکے مار کر جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔(تیسیر القرآن:307)

﴿ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ (14) ﴾

''یہ ہے وہ آگ جسے تم جھٹلاتے تھے۔''(14)

سوال: ﴿هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ﴾ ''یہ ہے وہ آگ جسے تم جھٹلاتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''یہ ہے وہ آگ جسے تم جھٹلاتے تھے'' اہل جہنم کو ملامت کی جائے گی اور کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی تمہیں اس آگ سے ڈراتے تھے۔ یہ وہ جہنم ہے جس کو تم نہیں مانتے تھے۔ یہ وہ آگ ہے جس کا عذاب دائمی ہے۔

﴿ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴾(15)

''تو کیا یہ جادو ہے یا تم دیکھتے ہی نہیں؟'' (15)

سوال1: ﴿ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴾ ''تو کیا یہ جادو ہے یا تم دیکھتے ہی نہیں؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَفَسِحْرٌ هٰذَآ﴾ ''تو کیا یہ جادو ہے'' یعنی یہ عذاب جس کو تم دیکھتے ہو جس کے بارے میں تمہیں قرآن میں بتایا گیا، یہ بتاؤ کیا یہ جادو ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں؟ (2) ﴿اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴾ ''یا تم دیکھتے ہی نہیں؟'' یعنی اب تم نے آگ کو دیکھ لیا ہے یہ بتاؤ کیا دنیا میں اس کا علم نہیں رکھتے تھے یا تمہارے اندر کوئی بصیرت نہیں تھی؟ کیا انبیاء نے تمہیں اس کے بارے میں علم نہیں دیا؟ کیا دلائل سے اس کا حق ہونا ثابت نہیں کیا؟

سوال2: یہ بات کیوں کہی جائے گی کہ کیا یہ جادو ہے یا تمہیں نظر نہیں آتا؟

جواب: یہ بات انہیں ڈانٹنے اور حسرت میں مبتلا کرنے کے لیے کہی جائے گی ورنہ آنکھوں سے تو وہ دیکھ رہے ہوں گے اور حقیقت کو پہچان رہے ہوں گے۔

سوال3: ''تم دیکھتے ہی نہیں'' کے الفاظ سے کیا احساس دلایا گیا ہے؟

جواب: اس سے یہ احساس دلایا گیا ہے کہ دنیا میں تو تمہیں حق نظر نہیں آتا تھا کیا اب عذاب دیکھنے سے بھی اندھے ہو گئے ہو؟ تم اس آگ کو اُسی طرح نہیں دیکھ رہے ہو جیسے تم قرآن کو نہیں دیکھتے تھے۔ کیا یہ آگ بھی محض جادو ہے جیسے تم قرآن کو جادو کہا کرتے تھے؟

﴿ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾(16)

''اس جہنم میں داخل ہو جاؤ، پھر تم صبر کرو یا نہ کرو، تم پر برابر ہے۔ تمہیں انہی اعمال کا بدلہ دیا جا رہا ہے جو تم کیا کرتے تھے۔'' (16)

سوال1: ﴿اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ ''اس جہنم میں داخل ہو جاؤ، پھر تم صبر کرو یا نہ کرو، تم پر برابر ہے۔ تمہیں انہی اعمال کا بدلہ دیا جا رہا ہے جو تم کیا کرتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِصْلَوْهَا﴾ ''اس جہنم میں داخل ہو جاؤ'' یعنی جہنم میں داخل ہو جاؤ تا کہ اس کی آگ تمہیں گھیرے میں لے حتیٰ کہ دلوں تک پہنچ جائے اور تم اس میں جھلستے رہو۔ (2) ﴿ فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ﴾ ''پھر تم صبر کرو یا نہ کرو، تم پر برابر ہے'' اب

جہنم میں تمہیں صبر فائدہ نہیں دے گا، نہ تم اس آگ سے نجات پا سکو گے، نہ تمہارے عذاب میں کمی کی جائے گی۔(3) صبر کرو یا نہ کرو عذاب کی شدت برقرار رہے گی اور مشقت کم نہیں ہوگی۔(4)﴿ اِنَّمَا تُجۡزَوۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴾ ''تمہیں انہی اعمال کا بدلہ دیا جا رہا ہے جو تم کیا کرتے تھے'' یعنی آج تم جس آگ کے حق دار ہو وہ تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر ظلم نہیں کیا۔

سوال 2: جہنمیوں کو صبر کرنے یا نہ کرنے سے کیسے حسرت میں مبتلا کر دیا جائے گا؟

جواب: جہنمیوں کو احساس دلایا جائے گا: (1) دنیا میں جیسے تمہارے لیے نصیحت کرنا یا نہ کرنا برابر تھا، ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر تھا ایسے ہی آج صبر کرو گے تو وہی آگ ہے اور نہ کرو گے تو وہی آگ ہے یعنی برابر ہے۔(2) انہیں احساس دلایا جائے گا کہ چیخو یا چپ رہو جہنم میں رہنا مقدر ہے۔(3) دنیا میں تو صبر کرنے پر ثواب ہے آخرت میں کوئی جزا نہیں ہوگی حتیٰ کہ صبر کی وجہ سے انسان کے عذاب میں بھی کوئی تخفیف نہیں ہوگی۔

﴿ اِنَّ الۡمُتَّقِيۡنَ فِىۡ جَنّٰتٍ وَّنَعِيۡمٍ (17) ﴾

''متقی لوگ بلاشبہ باغوں اور بڑی نعمتوں میں ہوں گے۔'' (17)

سوال 1: ﴿ اِنَّ الۡمُتَّقِيۡنَ فِىۡ جَنّٰتٍ وَّنَعِيۡمٍ ﴾ ''متقی لوگ بلاشبہ باغوں اور بڑی نعمتوں میں ہوں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ اِنَّ الۡمُتَّقِيۡنَ ﴾ ''متقی لوگ بلاشبہ'' یعنی وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھ کر اس کی اطاعت کے کام کیے اور وہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف سے اس کی نافرمانی کے کام چھوڑ دیے۔(2) اہل تقویٰ وہ ہیں جنہوں نے ایک رب کی عبادت کی فرائض ادا کیے اور نواہی سے اجتناب کیا۔(ایسر التفاسیر:1532)(3) جنہوں نے تقویٰ کو اپنا شعار بنا لیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت اور اس کی ناراضی سے بچنے کے لیے ان کاموں سے رکتے رہے جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔(4)﴿ فِىۡ جَنّٰتٍ وَّنَعِيۡمٍ ﴾ ''باغوں اور بڑی نعمتوں میں ہوں گے'' وہ باغات میں ہوں گے، ان باغات کی روشوں کو گھنے درختوں نے ڈھانپ رکھا ہوگا، ان میں اچھلتی کودتی ندیاں ہوں گی، چار دیواری سے گھرے ہوئے محل اور آراستہ کیے ہوئے گھر ہوں گے،﴿ وَّنَعِيۡمٍ ﴾ یہ قلب کی نعمت اور روح و بدن کی نعمت کو شامل ہے۔(تفسیر سعدی:2631/3)

سوال 2: اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہنے والوں کے لیے کیا کچھ تیار کیا گیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہنے والوں کے لیے باغات اور نعمتیں ہیں ان کے گھر، ان کے لباس، کھانے، حسین و جمیل بیویاں یہ نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے بہت بڑھ کر ہوں گی جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کانوں نے سنا نہ دل نے ان کا اندازہ لگایا۔

﴿ فَاكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ (18) ﴾

''وہ ان نعمتوں سے لطف اندوز ہونے والے ہوں گے اس سے جو ان کے رب نے انہیں دیا، اور ان کے رب نے انہیں بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب سے بچالیا ہے۔''(18)

سوال 1: ﴿فَاكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ﴾ ''وہ ان نعمتوں سے لطف اندوز ہونے والے ہوں گے اس سے جو ان کے رب نے انہیں دیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاكِهِيْنَ﴾ ''وہ لطف اندوز ہونے والے ہوں گے'' اس میں اشارہ ہے کہ وہ ان کا نہ مشغلہ ہوگا نہ مشقت بلکہ وہ اس میں لذت لیں گے، خوشی اور فرحت حاصل کریں گے۔ (تفسیر مراغی: 1308/9) (2) ﴿بِمَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ﴾ ''اس سے جو ان کے رب نے انہیں دیا''، یعنی جو نعمتیں انہیں ان کا رب دے گا جن کے بارے میں کوئی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کیا آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا رکھی ہے اس کے بدلے میں جو انہوں نے اپنے رب کی پسند کے کام کیے اور اس کی ناراضگی کے کاموں کو چھوڑ دیا۔

سوال 2: ﴿وَوَقٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ﴾ ''اور ان کے رب نے انہیں بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب سے بچالیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: رب العزت انہیں آگ کے عذاب سے بچالے گا جو کہ بہت بڑی نعمت ہے۔

﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا ۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (19)﴾

''خوب مزے سے کھاؤ اور پیو اس کے بدلے میں جو تم عمل کیا کرتے تھے۔''(19)

سوال: ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا ۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ ''خوب مزے سے کھاؤ اور پیو اس کے بدلے میں جو تم عمل کیا کرتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا﴾ ''کھاؤ اور پیو''، یعنی طرح طرح کے نفیس اور لذیذ کھانے کھاؤ اور جو تمہارا دل چاہے پیو۔ (2) ﴿هَنِيْٓـًٔا﴾ ''خوب مزے سے'' مزے سے، خوشی اور سرور سے۔ (3) ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ ''اس کے بدلے میں جو تم عمل کیا کرتے تھے''، یعنی یہ تمہارے اعمال کا صلہ ہے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا ۢ بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ﴾ ''مزے سے کھاؤ پیو اپنے ان اعمال کے بدلے میں جو تم نے گزرے دنوں میں آگے بھیجے تھے۔ (الحاقۃ: 24) (4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں نہیں لے جائے گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! کیا آپ

ﷺ کے اعمال بھی؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: میرے اعمال بھی مجھ کو جنت میں نہیں لے جائیں گے الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی مہربانی مجھے ڈھانپ لے۔ (بخاری، کتاب الرضیٰ)

﴿ مُتَّكِئِيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ (20) ﴾

''وہ صف بہ صف تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے اور ہم نے ان کا نکاح کر دیا سفید رنگت اور بڑی آنکھوں والی حوروں سے۔'' (20)

سوال 1: ﴿ مُتَّكِئِيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴾ ''وہ صف بہ صف تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے اور ہم نے ان کا نکاح کر دیا سفید رنگت اور بڑی آنکھوں والی حوروں سے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مُتَّكِئِيْنَ ﴾ ''وہ تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے'' الاتکاء سے مراد ہے آرام اور سکون کے ساتھ جم کر بیٹھنا۔ (2) ﴿ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ﴾ ''صف بہ صف تختوں پر'' سُرُرٍ سے مراد وہ تخت ہیں جو خوب صورت بچھونوں سے سجائے گئے ہوں گے۔ ﴿مَّصْفُوْفَةٍ﴾ ''صف بہ صف'' یعنی جڑاؤ تختوں پر بے فکری اور آرام سے بیٹھے ہوں گے۔ (3) رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: جنتی کو جنت میں ٹیک لگائے ہوئے آرام سے بیٹھے چالیس سال گزر جائیں گے۔ انہیں ملنے جلنے کی ضرورت نہیں ہوگی اور نہ ایک وضع پر بیٹھنے سے وہ اکتائیں گے۔ جس چیز کو دل چاہے گا وہی آ موجود ہوگی۔ آنکھوں کی ٹھنڈک اور اس کی لذت آنکھوں کے سامنے ہوگی۔ (مختصر ابن کثیر: 1942/2) (4) رب العزت نے فرمایا: ﴿فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا (۱۱) وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا (۱۲) مُّتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا (۱۳)﴾ ''چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس دن کی مصیبت سے انہیں بچایا اور انہیں تازگی اور خوشی عطا فرمائی ہے۔ اور اس کی وجہ سے جو انہوں نے صبر کیا بدلے میں انہیں جنت اور ریشم دیا۔ وہاں وہ تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے، نہ اس میں وہ شدید دھوپ دیکھیں گے اور نہ ہی یخ سردی۔ (الدھر: 13-11)

سوال 2: ﴿وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴾ ''اور ہم نے ان کا نکاح کر دیا سفید رنگت اور بڑی آنکھوں والی حوروں سے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: رب العزت کی جانب سے بدن اور روح کی ساری نعمتیں اکٹھی ہو جائیں گی تو خوب صورت اور خوب سیرت گوری اور بڑی آنکھوں والی حوریں انہیں دے دی جائیں گی جو ان کا دل لبھائیں گی اور ہر وقت ان کی خاطر مدارات کریں گی۔

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِئٍ ۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ (21) ﴾

''اور جولوگ ایمان لائے اوران کی اولاد جوایمان کے ساتھ ان کے پیچھے چلی،ہم ان کی اولاد کوان کے ساتھ ملادیں گے اوران کے عمل میں سے کچھ بھی کمی نہ کریں گے۔ہر شخص اس کے بدلے جواس نے کمایا گروی رکھا ہوا ہے۔''(21)

سوال1:﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾''اور جولوگ ایمان لائے اوران کی اولاد جوایمان کے ساتھ ان کے پیچھے چلی،ہم ان کی اولاد کوان کے ساتھ ملادیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾''اور جولوگ ایمان لائے''یعنی جن لوگوں نے ایمان لانے کا حق ادا کیا جوکہ دل کا یقین،زبان کا قول اور ارکان پرعمل ہے۔(2)﴿وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ﴾''اوران کی اولاد جوایمان کے ساتھ ان کے پیچھے چلی''یعنی جن لوگوں کی اولاد نے ایمان لانے میں ان کی اتباع کی۔(3)﴿اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾''ہم ان کی اولاد کوان کے ساتھ ملادیں گے''اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اولاد کو بھی ماں باپ کے مرتبے تک پہنچا دیں گے اگرچہ اولاد کے اعمال ان جیسے نہ ہوں۔انہیں دیکھ کر ماں باپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔یہ اہل جنت کی نعمتوں کی تکمیل ہے۔

سوال2:﴿وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾''اوران کے عمل میں سے کچھ بھی کمی نہ کریں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اوران کے عمل میں سے کچھ بھی کمی نہ کریں گے''یعنی ان کے ماں باپ کے اعمال اور مرتبوں میں کمی نہیں کی جائے گی۔(2)رب العزت نے فرمایا:﴿رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآءِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾''اے ہمارے رب!اورانہیں ہمیشہ کی جنتوں میں داخل فرما جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اوران کے والدین اور بیویوں اوراولاد میں سے بھی جونیک ہیں۔یقیناً تو ہی سب پر غالب،کمال حکمت والا ہے۔''(المومن:8)(3)سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:آدمی جب جنت میں داخل ہوگا تو اپنے والدین،بیوی اوراولاد کے بارے میں دریافت کرے گا۔اس سے کہا جائے گا کہ وہ تیرے درجہ اوراور عمل کو نہیں پہنچے۔وہ عرض کرے گا کہ اے اللہ!میں نے اپنے لئے اوران کے لیے عمل کیا تھا۔اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ انہیں بلند درجہ دے کران کے ساتھ ملادیا جائے۔اس کے بعد سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی۔ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں نیک بندے کا درجہ بلند فرمائے گا۔وہ عرض کرے گا''یہ بلند درجہ مجھے کیسے مل گیا؟''اللہ تعالیٰ فرمائے گا ''تیرے لڑکے کے تیرے لئے استغفار کی وجہ سے۔''(شوکانی،اشرف الحواشی:625/1)(4)سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:جب انسان مرجاتا ہے تو تین اعمال کے علاوہ باقی تمام اعمال منقطع ہوجاتے ہیں:صدقہ جاریہ یا وہ علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے یا نیک اولاد جواس کے لیے دعا کرتی رہے۔(مسلم:4223)

سوال3:اللہ تعالیٰ اہل جنت کی اولاد کے درجات کو بلند کرکے ان پر کیسے احسان فرمائیں گے؟

جواب:اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر جوتقویٰ اوراخلاص کی وجہ سے اوراپنے اعلیٰ اعمال کی وجہ سے جنت کے اعلیٰ درجوں تک پہنچیں گے اوران کی

اولاد بھی ایمان والی ہوں گی تو اگر ان کی اولاد کم تر درجے میں ہوگی تو ان کی اولاد کو ان کے والدین سے ملادے گا۔اس طرح ایمان والوں پر دوگنا احسان ہوگا ایک تو ان کی اولاد ان سے ملادی جائے گی اور دوسرا ان کے درجات بلند کردیئے جائیں گے۔

سوال4: یہ احسان صالحین کی اولاد پر کس وجہ سے کیا جائے گا؟

جواب: صالحین پر یہ انعام ان کے والدین کے اعمال کی برکت کی وجہ سے کیا جائے گا۔

سوال5: ﴿ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴾ ''ہر شخص اس کے بدلے جو اس نے کمایا گروی رکھا ہوا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''ہر شخص اس کے بدلے جو اس نے کمایا گروی رکھا ہوا ہے'' یعنی ہر شخص اپنے عمل ہی کا رہن ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے عدل کی خبر دی ہے۔اس سے قبل اللہ تعالیٰ نے مقام فضل کی خبر دی تھی کہ ایمان والی اولاد کو ماں باپ کے بلند درجے تک پہنچائے گا۔اس رتبے کی بلندی کا سبب ان کے اعمال نہیں اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوگا۔(2) رب العزت نے خبر دی ہے کہ کوئی کسی دوسرے کے گناہ میں نہیں پکڑا جائے گا۔ہر شخص اپنے اعمال میں گرفتار ہوگا۔رب العزت نے فرمایا: ﴿ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (۳۸) اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ (۳۹) ﴾ ''ہر شخص اس کے بدلے میں گروی ہے جو اس نے کمایا۔مگر دائیں باز و والے۔(المدثر:38,39)

﴿وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ(22)﴾

''اور جو پھل اور گوشت وہ چاہیں گے ہم انہیں زیادہ دیتے رہیں گے۔''(22)

سوال: ﴿وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴾ ''اور جو پھل اور گوشت وہ چاہیں گے ہم انہیں زیادہ دیتے رہیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاَمْدَدْنٰهُمْ﴾ ''اور ہم انہیں زیادہ دیتے رہیں گے'' یعنی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جنت والوں کو اور نعمتیں عطا فرمائیں گے۔(2) آباء اور ابناء جنت کے رہائشی بن جائیں گے۔(ایسر التفاسیر)(3) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ (41) فَوَاكِهُ ج وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ (42) فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ (43) عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ (44) يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ (45) م بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ (46) لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ (47) وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ (48) كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ (49)﴾ ''ان ہی کے لیے معلوم رزق ہے۔لذیذ پھل ہیں اور وہ عزت سے رکھے جائیں گے۔نعمت بھری جنتوں میں۔تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ان پر صاف بہتی ہوئی شراب کے ساغر پھرائے جائیں گے۔سفید، پینے والوں کے لیے لذیذ ہوگی۔نہ اس میں دردِ سر ہوگا اور نہ وہ پی کر مدہوش کیے جائیں گے۔اور ان کے پاس نگاہیں بچانے والی موٹی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی۔گویا وہ چھپا کر رکھے

گئے انڈے ہیں۔(الصافات: 49-41)(4)﴿ بِفَاكِهَةٍ ﴾''پھل''یعنی قسم قسم کے مرغوب اور لذیذ پھل۔(4)﴿ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴾'' اور جو گوشت وہ چاہیں گے''پرندوں اور مختلف طرح کے گوشت وہ خود طلب کریں گے۔

﴿ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ (23) ﴾

''وہ ایک دوسرے سے جام شراب چھینیں جھپٹیں گے جس میں نہ بے ہودہ گوئی ہوگی اور نہ گناہ میں ڈالنا۔''(23)

سوال1:﴿ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴾''ایک دوسرے سے جام شراب چھینیں جھپٹیں گے جس میں نہ بے ہودہ گوئی ہوگی اور نہ گناہ میں ڈالنا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا ﴾''وہ ایک دوسرے سے جام شراب چھینیں جھپٹیں گے''جنت میں شراب کے جاموں کا دور چلے گا اور اہل جنت ایک دوسرے سے لپک لپک کر جام لے رہے ہوں گے۔ان کے خدمت گار ان کے لیے شراب کے جام لیے گھوم رہے ہوں گے۔(2)﴿ لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴾''جس میں نہ بے ہودہ گوئی ہوگی اور نہ گناہ میں ڈالنا''اہل جنت شراب پی کر لغو باتیں نہیں کریں گے یعنی بے فائدہ باتیں۔(3) قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا: نہ بے ہودہ باتیں ہوں گی، نہ گناہ کی باتیں۔دنیا میں باطل شیطان کے ساتھ ہوتا ہے۔(جامع البیان:27/31)(4)رب العزت نے جنت کی شراب کے بارے میں فرمایا:﴿بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ (46) لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ (47)﴾''سفید، پینے والوں کے لیے لذیذ ہوگی۔نہ اس میں دردسر ہوگا اور نہ وہ پی کر مدہوش کیے جائیں گے۔(الصافات:46,47)
(5) ﴿ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴾اس سے نہ وہ سر درد میں مبتلا ہوں گے اور نہ وہ بہکیں گے۔(الواقعۃ:19)

سوال2:اہل جنت ایک دوسرے سے جام شراب لپک لپک کر لیں گے اس سے ان کے تعلقات کے بارے میں کیا پتہ چلتا ہے؟

جواب:اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اہل جنت میں گہری محبت ہوگی۔

سوال3:جنت کی شراب دنیا کی شراب سے کس اعتبار سے مختلف ہے؟

جواب:جنت کی شراب میں دنیا کی شراب کی طرح بہکنے اور گناہ کے کام کرنے کی تاثیر نہ ہوگی۔جنت کی شراب پی کر نہ کوئی بہکے گا نہ فضول گفتگو کرے گا نہ اتنا مست ہوگا کہ گناہ کا ارتکاب کرے کیونکہ انسان غفلت میں گناہ کرتا ہے۔جنت کی شراب کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

﴿ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ (24) ﴾

''اور ان کے لیے نوعمر غلام پھر رہے ہوں گے گویا وہ چھپا کر رکھے موتی ہوں۔''(24)

سوال:﴿ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴾''اور ان کے لیے نوعمر غلام پھر رہے ہوں گے گویا وہ چھپا

کرر کھے موتی ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَيَطُوۡفُ عَلَيۡهِمۡ غِلۡمَانٌ لَّهُمۡ ﴾''اوران کے لیےنوعمر غلام پھررہے ہوں گے''اہل جنت کے خدمت گاروں کی خبر دی گئی ہے کہ وہ اطاعت شعار ہوں گے۔(2)﴿ كَاَنَّهُمۡ لُؤۡلُؤٌ مَّكۡنُوۡنٌ ﴾''گویاوہ چھپا کرر کھے موتی ہوں''یعنی یہ خدمت گار حسن وجمال میں سیپ سے نکلے ہوئے موتی کی طرح ہوں گے۔(4)خدمت گزاروں کا حسن،زینت،صفائی ستھرائی،رونق اورلباسوں کی خوب صورتی دیکھنے کے قابل ہوگی۔(5)رب العزت نےفرمایا:﴿ وَيَطُوۡفُ عَلَيۡهِمۡ وِلۡدَانٌ مُّخَلَّدُوۡنَ ج اِذَا رَاَيۡتَهُمۡ حَسِبۡتَهُمۡ لُؤۡلُؤًا مَّنۡثُوۡرًا (19)﴾''اوران کے آس پاس کم سن لڑکے آتے جاتے ہوں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہنے والے ہوں گے،جب آپ انہیں دیکھیں گےتو سمجھیں گے کہ بکھرے ہوئے موتی ہیں۔''(الدھر:19)

﴿ وَاَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ يَّتَسَآءَلُوۡنَ (25)﴾

''اوروہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے،وہ ایک دوسرے سے سوال کرتے ہوں گے۔''(25)

سوال1:﴿ وَاَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ يَّتَسَآءَلُوۡنَ ﴾''اوروہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے،وہ ایک دوسرے سے سوال کرتے ہوں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے،وہ ایک دوسرے سے سوال کرتے ہوں گے''اہل جنت ایک دوسرے سے دنیا کے حالات اورمعاملات کے بارے میں بات چیت کریں گےیعنی شراب کے جام پی کر گذشتہ واقعات یادکریں گے کہ کیسے دنیا میں ہروقت اللہ تعالیٰ کے عذاب کادھڑ کالگا رہتا تھا۔

سوال2:اہل جنت ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر دنیا کے حالات کے بارے میں کیا پوچھیں گے؟

جواب:اہل جنت ایک دوسرے سے پوچھیں گے کہ انہوں نے کن حالات میں زندگی گزاری ہے؟ایمان اورعمل کے تقاضے کیسے پورے کیے ہیں؟

﴿ قَالُوۡۤا اِنَّا كُنَّا قَبۡلُ فِىۡۤ اَهۡلِنَا مُشۡفِقِيۡنَ (26)﴾

وہ کہیں گے:''اس سے پہلے ہم اپنے اہل وعیال میں ڈرنے والے تھے۔''(26)

سوال1:﴿ قَالُوۡۤا اِنَّا كُنَّا قَبۡلُ فِىۡۤ اَهۡلِنَا مُشۡفِقِيۡنَ ﴾''وہ کہیں گے:''اس سے پہلے ہم اپنے اہل وعیال میں ڈرنے والے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قَالُوْٓا ﴾ ''وہ کہیں گے''، یعنی وہ ان یادوں کو دہرائیں گے یعنی وہ کام جنہوں نے ابدی خوشی کے مقام تک پہنچادیا۔ (2) ﴿ اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴾ ''اس سے پہلے ہم اپنے اہل وعیال میں ڈرنے والے تھے''، یعنی ہم دنیا میں اپنے گھر والوں کے درمیان اور اپنی اولاد کے ساتھ رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہتے تھے۔ (ایسر التفاسیر: 1533)

سوال 2: اہل جنت گھر والوں کے درمیان رہتے ہوئے ڈر کر کیوں زندگی گزارتے ہیں؟

جواب: اہل جنت اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہیں جو ہے ہی ڈرنے کے لائق۔

سوال 3: اہل جنت اپنے خوف کی وجہ سے دنیا میں کیسے عمل کرتے ہیں؟

جواب: (1) اہل جنت اپنے خوف کی وجہ سے دنیا میں عذاب سے بچنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ (2) وہ ایسے کام کرتے ہیں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات مل جائے۔

﴿ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿27﴾ ﴾

''چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں زہریلی لو کے عذاب سے بچالیا۔'' (27)

سوال 1: ﴿ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴾ ''چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں زہریلی لو کے عذاب سے بچالیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ﴾ ''چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا''، یعنی اللہ تعالیٰ نے ہماری مغفرت کر کے ہم پر احسان کیا ہے۔ (2) ﴿ وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴾ ''اور ہمیں زہریلی لو کے عذاب سے بچالیا''، یعنی دوزخ کے عذاب سے ہمیں نجات دلائی ہے جس کی حرارت جسم کے مساموں میں گھس جاتی ہے۔ (ایسر التفاسیر: 1533) (3) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر سموم کے عذاب میں سے اللہ تعالیٰ ایک پور برابر دنیا والوں پر ڈال دے تو زمین سمیت سب جل کر راکھ ہو جائیں۔ (شوکانی، اشرف الحواشی: 626/1) (4) رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿41﴾ فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ﴿42﴾ وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴿43﴾ ﴾ ''اور بائیں ہاتھ والے، کیا ہی برے ہیں بائیں ہاتھ والے! وہ انتہائی گرم ہوا اور کھولتے ہوئے پانی میں۔ اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں ہوں گے۔ (الواقعہ: 43-41)

سوال 2: اہل جنت اللہ تعالیٰ کے احسانات کا اعتراف کیسے کریں گے؟

جواب: اہل جنت کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا۔ ہمیں جھلسا دینے والی ہوا کے عذاب سے بچالیا۔

﴿ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿28﴾ ﴾

''بلاشبہ ہم پہلے ہی اس سے دعائیں کیا کرتے تھے۔یقیناًوہ بہت احسان کرنے والا،نہایت رحم والا ہے''(28)

سوال1:﴿ اِنَّا كُنَّا مِنۡ قَبۡلُ نَدۡعُوۡهُ ﴾ ''بلاشبہ ہم پہلے ہی اس سے دعائیں کیا کرتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''بلاشبہ ہم پہلے ہی اس سے دعائیں کیا کرتے تھے''یعنی دنیا میں گڑگڑاتے اور دعائیں کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب سموم سے بچائے اور نعمت بھری جنتوں میں داخل کردے۔یہ جملہ دعائے عبادت اور دعائے مسئلہ دونوں کوشامل ہے۔(تفسیر سعدی:2634/3)

(2)اللہ تعالیٰ نے ہماری دعائیں پوری کردیں اور ہمیں کامیاب کردیا۔

سوال2:﴿ اِنَّهٗ هُوَ الۡبَرُّ الرَّحِيۡمُ ﴾''یقیناًوہ بہت احسان کرنے والا،نہایت رحم والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:یعنی وہ محسن الصادق ہے۔ہم پر اس کا احسان اور رحمت ہے کہ اس نے ہمیں اپنی رضا اور جنت سے بہرہ ور کیا اور اپنی ناراضی اور جہنم کے عذاب سے بچایا۔(تفسیر سعدی:2634/3)

سوال3:اہل جنت اپنے جنت تک پہنچنے کے معاملے کو کیسے واضح کریں گے؟

جواب:اہل جنت کہیں گے کہ یقیناً ہم صرف اسی کی عبادت کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے۔

سوال4:اہل جنت اپنے ربّ کا کیسے شعور رکھتے ہیں؟

جواب:(1)اہل جنت اپنے ربّ کو البر یعنی محسن سمجھتے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے احسان سے دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کرتا ہے اور راضی ہوجاتا ہے۔(2)اہل جنت اللہ تعالیٰ کو الرحیم سمجھتے ہیں اس کی رحمتوں کا گہرا شعور رکھنے کی وجہ سے ہی دنیا میں اس کے ساتھ جڑے رہتے ہیں اور امید کا رشتہ باندھتے ہیں۔غم،خوف اور مصیبت میں بھی اسی پر بھروسہ کرتے ہیں اور جنت میں داخلے کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سمجھتے ہیں۔

رکوع نمبر:4

﴿ فَذَكِّرۡ فَمَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجۡنُوۡنٍ (29)﴾

''پس آپ نصیحت کریں کہ اپنے رب کے فضل سے آپ ہرگز نہ کاہن ہیں اور نہ ہی دیوانے ہیں۔''(29)

سوال:﴿ فَذَكِّرۡ فَمَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجۡنُوۡنٍ ﴾''پس آپ نصیحت کریں کہ اپنے رب کے فضل سے آپ ہرگز نہ کاہن ہیں اور نہ ہی دیوانے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ فَذَكِّرۡ ﴾ ''پس آپ نصیحت کریں''اللہ رب العزت نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ تمام لوگوں کو،مسلمانوں اور کافروں کو نصیحت کرتے رہیں۔قرآن سنا سنا کر انہیں سمجھاتے رہیں تاکہ لوگ آپ ﷺ کی نصیحت سے سیدھا راستہ پالیں اور ظالموں پر

حجت قائم ہوجائے۔(2)﴿ فَمَآ اَنۡتَ بِنِعۡمَتِ رَبِّکَ بِکَاهِنٍ وَّلَا مَجۡنُوۡنٍ ﴾ ''کہ اپنے رب کے فضل سے آپ ہرگز نہ کاہن ہیں اور نہ ہی دیوانے ہیں''مشرک جو آپ ﷺ پر دیوانگی اور کہانت کا الزام لگا رہے ہیں سراسر جھوٹ ہے۔آپ ﷺ ان جھٹلانے والوں کی باتوں کی پرواہ نہ کریں۔ان باتوں سے وہ لوگوں کو آپ ﷺ کی بات ماننے سے روکتے ہیں۔آپ ﷺ اپنے رب کے فضل سے دیوانے اور کاہن نہیں ہیں۔(3) کاہن تو وہ ہوتا ہے جس کے پاس شیطان یا جنوں کا سردار آتا ہو۔اور اسے کوئی آسمانی خبر سناتا ہو اور وہ اس میں سو جھوٹ ملا کر بیان کرتا ہو۔آپ ﷺ تو صادق ہیں اور آپ ﷺ پر شیاطین نہیں اترتے۔آپ ﷺ تو شیاطین سے سب سے زیادہ دور ہیں۔(4)﴿ وَّلَا مَجۡنُوۡنٍ ﴾''اور نہ ہی دیوانے ہیں''اور نہ آپ ﷺ دیوانے، فاترالعقل ہیں۔آپ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ عقل اور حکمت والے ہیں۔آپ ﷺ سے بڑھ کر کون ہے جو صداقت اور امانت میں کامل ہو!

﴿ اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَیۡبَ الۡمَنُوۡنِ (30)﴾

''کیا وہ کہتے ہیں کہ یہ ایک شاعر ہے جس پر ہم گردش زمانہ کا انتظار کرتے ہیں۔''(30)

سوال1:﴿ اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ شَاعِرٌ ﴾ ''کیا وہ کہتے ہیں کہ یہ ایک شاعر ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ ﴾''کیا وہ کہتے ہیں'' کیا جاہل لوگ آپ ﷺ کے بارے میں کہتے ہیں۔(2)﴿ شَاعِرٌ ﴾ کہ آپ ﷺ شعر کہتے ہیں یعنی آپ ﷺ کے پاس جو کلام آتا ہے وہ شاعری ہے۔رب العزت نے فرمایا:﴿وَمَا عَلَّمۡنٰهُ الشِّعۡرَ وَمَا یَنۡۢبَغِیۡ لَهٗ ؕ اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِکۡرٌ وَّقُرۡاٰنٌ مُّبِیۡنٌ ﴾''اور ہم نے اس کو شعر نہیں سکھایا اور نہ وہ اس کے لائق ہے۔(یسین:69)

سوال2:اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ پر شاعری کا الزام کیوں لگایا تھا؟

جواب:رسول اللہ ﷺ جو کلام پیش کر رہے تھے وہ کلام نادر تھا، دلوں کو چھو رہا تھا اور آپ ﷺ کا دور شاعری کا دور تھا، اس لیے اہل مکہ نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو شاعری اور آپ ﷺ کو شاعر قرار دیا۔

سوال3:﴿ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَیۡبَ الۡمَنُوۡنِ ﴾''ایک شاعر جس پر ہم گردش زمانہ کا انتظار کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''جس پر ہم گردش زمانہ کا انتظار کرتے ہیں'' یعنی جس کے بارے میں تم انتظار کر رہے ہو کہ اسے موت آجائے اور معاملہ ختم ہوجائے۔(2)﴿الۡمَنُوۡنِ﴾ موت کے ناموں میں سے ہے اور یہی ابن عباس نے اس کی تفسیر کی ہے۔(3)المنون زمانے کے ناموں میں سے ہے۔مجاہد رحمہ اللہ نے اس کی یہی تفسیر کی ہے۔(المحرر الوجیز:191/5)(4)ابن جریر رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قریش جب رسول اکرم ﷺ کی ذات اقدس کے بارے میں دارالندوہ میں مشورہ کے لیے جمع ہوئے تو ان میں سے کسی نے کہا کہ ان کو نعوذباللہ مضبوط زنجیروں میں باندھ دو پھر ان کی موت کا انتظار کرو تاکہ یہ بھی اسی طرح ہلاک ہوجائیں جیسا کہ پہلے شعراء میں سے

زہیراورنابغہ ہلاک ہوگئے کیوں کہ یہ بھی ان ہی کی طرح ہیں اس پراللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔(تفسیر منیر:80,79/14)(تفسیرابن عباس:297/3)

﴿قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِیْنَ (31)﴾

’’آپ کہہ دیں کہ تم بھی انتظار کرو، پس بلاشبہ میں بھی تمہارے ساتھ ہی انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔‘‘(31)

سوال:﴿قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِیْنَ ﴾’’آپ کہہ دیں کہ تم بھی انتظار کرو، پس بلاشبہ میں بھی تمہارے ساتھ ہی انتظارکرنے والوں میں سے ہوں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قُلْ﴾’’آپ کہہ دیں‘‘ آپ ﷺ ان کے الزامات کے جواب میں کہہ دیں۔(2)﴿تَرَبَّصُوْا ﴾’’تم بھی انتظار کرو‘‘یعنی آپ لوگ میری موت کا یا گردش دوراں کا انتظار کرو۔ یہ وعید ہے۔(3)﴿فَاِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِیْنَ ﴾’’پس بلاشبہ میں بھی تمہارے ساتھ ہی انتظار کرنے والوں میں سے ہوں‘‘،ہم بھی تمہارے بارے میں انتظار کررہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دیتا ہے یا ہمارے ہاتھوں تمہیں عذاب دیتا ہے۔

﴿اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ (32)﴾

’’یاان کی عقل انہیں یہی حکم دیتی ہے یا وہ لوگ ہی حد سے گزرنے والے ہیں؟‘‘(32)

سوال:﴿اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴾’’یاان کی عقل انہیں یہی حکم دیتی ہے یا وہ لوگ ہی حد سے گزرنے والے ہیں؟‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ ﴾’’یاان کی عقل انہیں یہی حکم دیتی ہے‘‘یعنی اتنی بے بنیاد باتیں کیاان کی عقلیں انہیں سکھاتی ہیں۔ یہ تو وہ باتیں ہیں جن کو وہ خود بھی غلط سمجھ رہے ہیں۔(2)﴿اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴾’’یا وہ لوگ ہی حد سے گزرنے والے ہیں؟‘‘یعنی یہ ان کی سرکشی ہے جو انہیں حکم دیتی ہے اور وہ باطل، شر اور فساد کہتے اور کرتے ہیں۔(ایسرالتفاسیر:1535)(3)یعنی کیاان کا آپ کو یہ جھٹلانا اوران کی یہ باتیں جو وہ (آپ کے بارے میں) کرتے ہیں،ان کی عقل وخرد سے صادر ہوئی ہیں؟ کتنی بری ہے ان کی عقل وخرد جس کے نتائج اور یہ ثمرات ہیں کیونکہ ان کی عقلوں ہی نے تو مخلوق میں سے زیادہ کامل العقل کو مجنون اور سب سے بڑی صداقت اور سب سے بڑے حق کو جھوٹ اور باطل قرار دیا، ایسی (فاسد) عقلوں سے تو مجانین بھی منزہ ہیں۔ یا اس پر جس چیز نے ان کو آمادہ کیا ہے وہ ان کا ظلم اور سرکشی ہے؟ اور فی الواقع ظلم اور سرکشی ہی اس کا سبب ہے۔ پس سرکشی ایک ایسی چیز ہے جس کی کوئی حد نہیں جہاں آ کر وہ رک جائے۔ ایک سرکش

اور حدود سے تجاوز کرنے والے شخص سے کسی بھی قول وفعل کا صدور ہونا کوئی انوکھی بات نہیں۔(تفسیر سعدی:2636,2635/3)

سوال2: رسول اللہ ﷺ کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے پر اللہ تعالیٰ نے ان کے کردار کو کیسے واضح کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے دو سوال کیے ہیں: (1) کیا ان کی عقلیں انہیں جھوٹ کہنے اور غلط باتیں کرنے کا حکم دیتی ہیں؟ (2) یا انہیں سرکشی اور گمراہی جھوٹے پروپیگنڈے پر امادہ کرتی ہے اس طرح ان کے کردار کے بارے میں یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ بے عقل ہیں، سرکش ہیں اور گمراہ ہیں۔

﴿ اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ تَقَوَّلَهٗ ج بَلۡ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿33﴾﴾

''یا وہ کہتے ہیں کہ اس نے خود ہی اسے گھڑ لیا ہے؟ بلکہ وہ ایمان ہی نہیں لاتے۔''(33)

سوال1: ﴿اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ تَقَوَّلَهٗ ج بَلۡ لَّا یُؤۡمِنُوۡن﴾ ''یا وہ کہتے ہیں کہ اس نے خود ہی اسے گھڑ لیا ہے؟ بلکہ وہ ایمان ہی نہیں لاتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ تَقَوَّلَهٗ﴾ ''یا وہ کہتے ہیں کہ اس نے خود ہی اسے گھڑ لیا ہے؟'' اور جواب یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اس نے خود اسے گھڑ لیا ہے تو یہ وہ بات ہے جو ان کی عقلوں نے انہیں سکھائی اور نہ ان کی عقلوں سے صادر ہوئی ہے بلکہ یہ ان کا کفر اور تکذیب ہے۔(ایسر التفاسیر:1535) (2) یعنی کیا ان نادانوں کا یہ خیال ہے کہ آپ ﷺ نے قرآن خود بنا لیا ہے در اصل ان کے سینوں میں ایمان نہیں اور کفر کی وجہ سے اس قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔(مختصر ابن کثیر:1945/2) (3) ﴿بَلۡ لَّا یُؤۡمِنُوۡن﴾ ''بلکہ وہ ایمان ہی نہیں لاتے'' یعنی اگر وہ ایمان لاتے تو ایسی باتیں نہ کرتے۔

سوال2: مشرکین مکہ نے قرآن گھڑ لانے کا الزام کیوں لگایا؟

جواب: ربّ العزت نے اس کے بارے میں وضاحت کی ہے کہ دراصل یہ نہ ایمان لاتے ہیں نہ لانا چاہتے ہیں۔ ان کا کفر انہیں اس الزام تراشی پر آمادہ کرتا ہے۔

﴿ فَلۡیَاۡتُوۡا بِحَدِیۡثٍ مِّثۡلِهٖۤ اِنۡ کَانُوۡا صٰدِقِیۡنَ ﴿34﴾﴾

''چنانچہ اگر وہ سچے ہیں تو اس جیسی ایک بات ہی بنا کر لے آئیں۔''(34)

سوال1: ﴿فَلۡیَاۡتُوۡا بِحَدِیۡثٍ مِّثۡلِهٖۤ اِنۡ کَانُوۡا صٰدِقِیۡنَ﴾ ''چنانچہ اگر وہ سچے ہیں تو اس جیسی ایک بات ہی بنا کر لے آئیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ ﴾ ''تو اس جیسی ایک بات ہی بنا کر لے آئیں''،یعنی اس قرآن کی مانند کلام لے آئیں۔(2)﴿ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴾''اگر وہ سچے ہیں''،یعنی اگر وہ اپنی بات میں سچے ہیں کہ محمد ﷺ نے (نعوذ باللہ) خود قرآن گھڑ لیا ہے تو قرآن جیسا کلام لے آئیں۔(3) قرآن کی مثل یعنی اس کے نظم اور بلاغت کے اوصاف اور معانی اور پچھلی قوموں کے حالات اور غیبی معاملات کی خبروں کی صحت کی مثل کلام لے آئیں۔(البحر المحیط:574/9)(4) یعنی تم نہایت فصیح عرب اور بڑے بلیغ لوگ ہو اور اللہ تعالیٰ نے تمھیں مقابلے کی دعوت بھی دی ہوئی ہے کہ تم اس جیسا کلام بنالاؤ تاکہ تمھاری مخالفت کی صداقت ثابت ہو ورنہ تم قرآن کی صداقت کو تسلیم کرلو اور اگر تم تمام انسان اور جنات اکٹھے ہو جاؤ، تب بھی تم اس کا معارضہ کر سکتے ہو نہ اس جیسا کلام بنا کر لا سکتے ہو۔ تب اس وقت تمہارا معاملہ دو امور میں سے ایک ہے یا تو اس کو تسلیم کرتے ہو اور اس کی ہدایت کی پیروی کرتے ہو یا تم عناد رکھتے ہوئے باطل کی اتباع کرتے ہو۔(تفسیر سعدی:2636/3)(5) رب العزت نے فرمایا:﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٣﴾ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٤﴾﴾''یا وہ کہتے ہیں کہ اس نے خود یہ (قرآن) گھڑ رکھا ہے؟ آپ کہہ دیں کہ تم بھی اس جیسی دس گھڑی ہوئی سورتیں لے آؤ اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ جسے بھی تم بلا سکتے ہو بلا لاؤ اگر واقعی تم سچے ہو؟ چنانچہ اگر وہ آپ کی بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کے علم سے اتارا گیا ہے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر کیا تم فرماں بردار ہو؟ (ہود:13,14)

سوال2: اللہ تعالیٰ نے قرآن گھڑنے کا الزام لگانے والوں کو کیسے بے بس کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ان کو ابھارا ہے کہ سچے ہو تو ایسا کلام لا کر دکھاؤ، جس کے مضامین انسانی زندگی کی اصلاح کرنے والے ہوں؟ جس کے بیان کی بلاغت بے مثال ہو، جس کا اسلوب نادر ہو، جس میں کائناتی حقائق اور زندگی کے مسائل کا حل ہو۔

﴿ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿35﴾ ﴾

''کیا وہ کسی (خالق) کے بغیر ہی پیدا کیے گئے ہیں یا وہ خود ہی پیدا کرنے والے ہیں؟''(35)

سوال1:﴿ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴾''کیا وہ کسی (خالق) کے بغیر ہی پیدا کیے گئے ہیں یا وہ خود ہی پیدا کرنے والے ہیں؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ ﴾ ''کیا وہ کسی (خالق) کے بغیر ہی پیدا کیے گئے ہیں''(1) یعنی کیا یہ خالق کے بغیر خود ہی تخلیق ہو گئے ہیں؟ کیا یہ موجد کے بغیر خود ہی موجود ہو گئے ہیں؟(2)﴿ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴾''یا وہ خود ہی پیدا کرنے والے ہیں؟''،یعنی کیا انہوں نے خود اپنے آپ کو ایجاد کیا۔ کیا انہوں نے خود اپنے آپ کو تخلیق کیا ہے؟(3) حقیقت یہ ہے کہ نہ وہ خود بخود وجود میں آئے نہ اپنے آپ کے موجد

ہیں، نہ اپنے خالق ہیں بلکہ ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ان کا تو کوئی وجود نہیں تھا، اللہ تعالیٰ انہیں عدم سے وجود میں لے کر آیا ہے۔(4) سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ مغرب کی نماز میں سورہ الطّور پڑھ رہے تھے۔ جب آپ اس آیت پر پہنچے: کیا یہ لوگ بغیر کسی کے پیدا کئے پیدا ہو گئے یا یہ خود (اپنے) خالق ہیں؟ یا انہوں نے آسمان اور زمین کو پیدا کر لیا ہے۔اصل یہ ہے کہ ان میں یقین ہی نہیں۔کیا ان لوگوں کے پاس آپ کے پروردگار کے خزانے ہیں یا یہ لوگ حاکم ہیں۔'' تو میرا دل اڑنے لگا۔سیدنا سفیان نے بیان کیا لیکن میں نے زہری سے سنا ہے وہ محمد بن جبیر بن معطم سے روایت کرتے تھے' ان سے ان کے والد (سیدنا جبیر بن معطم رضی اللہ عنہ) نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو مغرب میں سورہ والطّور پڑھتے سنا (سفیان نے کہا کہ) میرے ساتھیوں نے اس کے بعد جو اضافہ کیا ہے وہ میں نے زہری سے نہیں سنا۔(بخاری:4854)(5) یہ ان کے سامنے ایک ایسی چیز کے ذریعے سے استدلال ہے جس میں حق کو تسلیم کیے بغیر ان کے لیے کوئی چارہ نہیں یا اس سے ان کا عقل و دین کی موجبات سے نکلنا ثابت ہو جائے گا۔اس کی توضیح یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کرتے ہیں اور انبیاء و رسل کو جھٹلاتے ہیں اور یہ اس حقیقت کے انکار کو مستلزم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے۔شریعت کے ساتھ ساتھ عقل میں بھی یہ چیز متحقق ہے کہ ان کی تخلیق تین امور میں سے کسی ایک سے خالی نہیں:(الف) ان کو کسی چیز کے بغیر پیدا کیا گیا ہے، یعنی ان کا کوئی خالق نہیں جس نے ان کو تخلیق کیا ہو بلکہ وہ کسی ایجاد اور موجد کے بغیر وجود میں آئے ہیں اور یہ عین محال ہے۔(ب) انھوں نے خود اپنے آپ کو تخلیق کیا ہے اور یہ بھی محال ہے کیونکہ اس بات کا تصور نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی اپنے آپ کو بذات خود وجود بخشے۔(ج) جب مذکورہ بالا دونوں امور باطل ہو گئے اور ان کا محال ہونا ثابت ہو گیا تو تیسری بات متعین ہو گئی کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے ان کو تخلیق کیا۔جب یہ بات متعین ہو گئی تو معلوم ہوا کہ اکیلا اللہ تعالیٰ ہی معبود ہے جس کے سوا کسی اور ہستی کی عبادت مناسب ہے نہ درست۔(تفسیر سعدی:2636/3)

سوال 2: یہ سوال کیوں کیا گیا کہ کیا وہ بغیر کسی خالق کے بغیر پیدا ہوئے ہیں؟

جواب: یہ سوال اس لیے کیا گیا کہ خالق کی ہدایت کے مطابق تو چلنا پڑتا ہے اب جب یہ اپنے خالق کی ہدایت پر نہیں چل پاتے تو یہ بتائیں کہ کسی خالق کے بغیر پیدا ہو گئے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو پھر کسی کا بھی حق نہیں کہ انہیں کسی چیز کا حکم دے یا کسی چیز سے روکے لیکن اگر انہیں ایک خالق نے پیدا کیا ہے تو ان کے پیدا کرنے کا ایک مقصد ہے خالق پیدا کر کے یونہی کیسے چھوڑ سکتا ہے؟

سوال 3: یہ سوال کیوں کیا گیا کہ کیا یہ اپنے خود خالق ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے شعور کو بیدار کیا ہے کہ کیا یہ خود خالق ہیں؟ اس طرح یہ احساس دلایا ہے کہ وہ خود نہیں اللہ تعالیٰ خالق ہیں۔

﴿ اَمۡ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ۚ بَلۡ لَّا يُوۡقِنُوۡنَ (36) ﴾

''یا آسمانوں اورزمین کوانہوں نے پیدا کیا ہے؟ بلکہ وہ یقین ہی نہیں رکھتے۔''(36)

سوال1:﴿ اَمۡ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ۚ بَلۡ لَّا یُوۡقِنُوۡنَ ﴾''یا آسمانوں اورزمین کوانہوں نے پیدا کیا ہے؟ بلکہ وہ یقین ہی نہیں رکھتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اَمۡ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ﴾''یا آسمانوں اورزمین کوانہوں نے پیدا کیا ہے؟''اوراس کا جواب''نہیں'' ہے۔جب وہ ایک مکھی پیدا کرنے سے بھی عاجز ہیں تو آسمان اورزمین کو پیدا کرنے سے اس سے کہیں زیادہ عاجز ہیں۔(ایسرالتفاسیر:1536)(2)یعنی انہوں نے آسمان اورزمین کو پیدانہیں کیا۔اورجب وہ پیدا کرنے والے نہیں تو کیسے اللہ تعالیٰ کے شریک بن گئے؟(3)﴿ بَلۡ لَّا یُوۡقِنُوۡنَ ﴾''بلکہ وہ یقین ہی نہیں رکھتے''یعنی یہ حق کوجھٹلانے والے،حقیقی علم سے محروم لوگ ہیں جس کی وجہ سے انہیں عقلی اورشرعی دلیلوں کوسمجھنا نصیب نہیں ہوتا۔(4)یعنی جب آسمان اورزمین اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں تو پھراس کے ساتھ کیوں شریک کرتے ہو؟تمہارے یقین نہ لانے نے تمہیں شرک پرمجبور کررکھا ہے۔(5)حق یہی ہے کہ صرف آسمان اورزمین کا خالق ہی عبادت کا حق رکھتا ہے۔

سوال2:اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اورزمین کی تخلیق کے سوال سے کیا شعوردلایا ہے؟

جواب:اللہ تعالیٰ نے یہ سوال کیا ہے کہ کیا آسمانوں اورزمین کوانہوں نے پیدا کیا ہے؟اس طرح ان کے دل سے اعتراف کروایا ہے کہ آسمانوں اورزمین کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔یوں ان کے نہ ماننے کا سبب خودہی سامنے آجاتا ہے کہ وہ یقین نہیں رکھتے۔

﴿اَمۡ عِنۡدَهُمۡ خَزَآئِنُ رَبِّکَ اَمۡ هُمُ الۡمُصَیۡطِرُوۡنَ(37)﴾

''یاان کے پاس آپ کے رب کے خزانے ہیں یاوہی حکم چلانے والے ہیں؟''(37)

سوال1:﴿ اَمۡ عِنۡدَهُمۡ خَزَآئِنُ رَبِّکَ اَمۡ هُمُ الۡمُصَیۡطِرُوۡنَ ﴾''یاان کے پاس آپ کے رب کے خزانے ہیں یاوہی حکم چلانے والے ہیں؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اَمۡ عِنۡدَهُمۡ خَزَآئِنُ رَبِّکَ﴾ ''یاان کے پاس آپ کے رب کے خزانے ہیں''یعنی کیا دنیامیں رب کی رحمت کے اختیارات ان کے پاس ہیں یعنی رزق،بھلائیاں،فضیلتیں ان کے اختیار میں ہیں جس کو چاہے دے دیں اور جسے چاہے محروم کردیں۔جیسا کہ رب العزت نےفرمایا:﴿اَهُمۡ یَقۡسِمُوۡنَ رَحۡمَتَ رَبِّکَ ؕ نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَیۡنَهُمۡ مَّعِیۡشَتَهُمۡ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا سُخۡرِیًّا ؕ وَرَحۡمَتُ رَبِّکَ خَیۡرٌ مِّمَّا یَجۡمَعُوۡنَ ﴾"کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں؟دنیا کی زندگی میں ان کی معیشت کوہم نے ان کے درمیان تقسیم کیا ہے اورہم نے ایک دوسرے پران کے درجے بلند کیے تاکہ ان کا بعض،بعض کوتابع بنالے اورآپ کے رب کی رحمت اس سے بھی بہتر ہے جو وہ لوگ جمع کرتے ہیں۔(الزخرف:32)(2)﴿ اَمۡ هُمۡ

الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴾ ''یا وہی حکم چلانے والے ہیں؟''یعنی کیا وہ غالب اور زور آور ہیں اس لیے جیسے چاہیں ملک میں تصرف کرلیں؟ کیا ان کے پاس غیب کے خزانوں کی چابیاں ہیں جس کی وجہ سے یہ مخلوق کا حساب کرنے والے ہیں تو اس کا جواب نہیں ہے۔تو پھر ان کا یہ فیصلہ غلط ہے۔(3) یعنی وہ غالب ارباب ہیں حتیٰ کہ وہ ربوبیت کے امور کی تدبیر کرتے ہیں اور امور ان کے ارادے پر مبنی ہیں؟ ابن عطیہ نے کہا: کیا ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے سارے امور کی دولت ہے، کیونکہ مال، صحت، قوت وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں۔(البحر المحیط: 575/9)

سوال2: یہ سوال کیا شعور دلانے کے لیے کیا گیا کہ کیا تیرے رب کے خزانے ان کے پاس ہیں؟

جواب: یہ سوال اس لیے کیا گیا کہ جس کے پاس جو چیز ہوتی ہے وہ اختیار رکھتا ہے تو کیا ربّ کی رحمت پر ان کا اختیار ہے جس کو چاہیں نبوت دیں جس کو چاہیں نہ دیں یا جس کو چاہیں رزق دے دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں؟

﴿ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ (38) ﴾

''یا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر (چڑھ کر) وہ غور سے سنتے ہیں؟ تو ان کے سننے والے کو چاہیے کہ واضح دلیل لائے۔''(38)

سوال1: ﴿ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ﴾ ''یا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر (چڑھ کر) وہ غور سے سنتے ہیں؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''یا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر (چڑھ کر) وہ غور سے سنتے ہیں؟ یعنی کیا انہیں غیب کا علم ہے اور وہ ملاء اعلیٰ کی باتیں سنتے ہیں اور ایسے امور کے بارے میں خبریں دیتے ہیں جنہیں ان کے سوا کوئی نہیں جانتا۔(تفسیر سعدی: 2637/3)

سوال2: ﴿ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴾ ''تو ان کے سننے والے کو چاہیے کہ واضح دلیل لائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ ﴾ ''تو ان کے سننے والے کو چاہیے کہ لائے'' یعنی اگر کوئی سیڑھی لگا کر آسمانوں تک جاتا ہے اور فرشتوں کی باتیں سنتا ہے تو اس پر وہ کوئی آسمانی دلیل پیش کرے۔(2) ﴿ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴾ ''واضح دلیل''، اور یہ دلیل کہاں سے آسکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی غیب اور موجود کا علم رکھتا ہے، وہ کسی پر غیب کو ظاہر نہیں کرتا سوائے کسی رسول کے جس پر وہ غیب کو ظاہر کرنے پر راضی ہو، وہ اپنے علم میں سے جو چاہتا ہے اس کے بارے میں اس رسول کو آگاہ کرتا ہے۔ جب کہ محمد مصطفیٰ ﷺ رسولوں میں سب سے افضل، سب سے زیادہ علم رکھنے والے اور ان کے امام ہیں، آپ اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کے وعدے اور وعید کے بارے میں سچی خبریں دینے والے ہیں اور آپ کی تکذیب کرنے والے جہالت، ضلالت، گمراہی اور عناد میں مبتلا ہیں، تب دونوں خبر دینے والوں میں سے کون زیادہ مستحق ہے کہ اس کی خبر قبول کی جائے، خاص طور پر جب کہ رسول اللہ ﷺ نے جن امور کی خبر دی ہے، ان پر دلائل و براہین قائم ہیں جو اس بات کے

موجب ہیں کہ یہ عین الیقین ،حقیقت اور کامل ترین صداقت ہے۔ان کا اپنے دعوے (انبیاء کے جھوٹے ہونے) پر دلیل قائم کرنا تو کجا،وہ اس میں کوئی شبہ تک پیدا نہیں کر سکتے ۔(تفسیر سعدی:2637/3)

سوال3: یہاں سیڑھی لگانے کی بات کیوں کی گئی ہے؟

جواب: یہاں سیڑھی لگانے کی بات اس لیے کی گئی ہے کہ وحی آسمان سے آتی ہے۔محمد ﷺ پر تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے اور اگر ان کے پاس کوئی زور ہے تو آسمانوں پر جائیں فرشتوں کی باتیں سن کر آئیں اور وحی کے بارے میں معلومات لے کر آئیں۔

﴿ اَمۡ لَهُ الۡبَنٰتُ وَلَـكُمُ الۡبَنُوۡنَ (39)﴾

''کیا اس کے لیے بیٹیاں ہیں اور تمہارے لیے بیٹے؟''(39)

سوال1: ﴿ اَمۡ لَهُ الۡبَنٰتُ وَلَـكُمُ الۡبَنُوۡنَ ﴾''کیا اس کے لیے بیٹیاں ہیں اور تمہارے لیے بیٹے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَمۡ لَهُ الۡبَنٰتُ ﴾''کیا اس کے لیے بیٹیاں ہیں'' یعنی کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں ہیں۔(2) ﴿ وَلَـكُمُ الۡبَنُوۡنَ ﴾''اور تمہارے لیے بیٹے؟'' پس تم قابل احتراز امور کو جمع کر رہے ہو یعنی تمہارا اللہ تعالیٰ کی اولاد قرار دینا اور ناقص ترین صفت کو اس کی طرف منسوب کرنا، رب کائنات کی تنقیص کے بعد بھی کوئی غایت و انتہا ہے۔(تفسیر سعدی:2638/3) (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَيَجۡعَلُوۡنَ لِلّٰهِ الۡبَنٰتِ سُبۡحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمۡ مَّا يَشۡتَهُوۡنَ ‏(۵۷) وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمۡ بِالۡاُنۡثٰى ظَلَّ وَجۡهُهٗ مُسۡوَدًّا وَّهُوَ كَظِيۡمٌ ‏(۵۸) يَتَوَارٰى مِنَ الۡقَوۡمِ مِنۡ سُوۡٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمۡسِكُهٗ عَلٰى هُوۡنٍ اَمۡ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحۡكُمُوۡنَ ‏(۵۹)﴾''اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں قرار دیتے ہیں، پاک ہے اس کی ذات! اور ان کے لیے وہی ہیں جو وہ چاہتے ہیں۔اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غم سے بھرا ہوتا ہے۔اس خوش خبری کی برائی کی وجہ سے جو اسے دی گئی ہے وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کیا ذلت کے باوجود ہی اسے رکھ چھوڑے یا اسے مٹی میں دبا دے؟ سن لو ! بہت ہی برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔(النحل:59-57)

سوال2: اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کی فکری خرابی کو کیسے واضح کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے بارے میں ان کے غلط موقف کو سامنے رکھا ہے کہ تم بے زور ہو اور اپنے لیے بیٹے پسند کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ کو نہ اولاد کی ضرورت ہے نہ اس کی اولاد ہے اس کے لیے تم خود بیٹھ کر بیٹوں کی بجائے بیٹیاں تصنیف کرتے ہو۔ذرا غور تو کرو ربّ کے بارے میں تمہارا تصور کتنا گھٹیا ہے!

﴿ اَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ اَجۡرًا فَهُمۡ مِّنۡ مَّغۡرَمٍ مُّثۡقَلُوۡنَ(40)﴾

''یا آپ ان سے کوئی اجرت مانگتے ہیں؟ کہ وہ تاوان سے بوجھل کیے جانے والے ہیں۔''(40)

سوال1:﴿ اَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ اَجۡرًا فَهُمۡ مِّنۡ مَّغۡرَمٍ مُّثۡقَلُوۡنَ ﴾''یا آپ ان سے کوئی اجرت مانگتے ہیں؟ کہ وہ تاوان سے بوجھل کیے جانے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ اَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ اَجۡرًا ﴾''یا آپ ان سے کوئی اجرت مانگتے ہیں؟''یعنی کیا آپ ﷺ دعوت وتبلیغ اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کے لیے اجر طلب کرتے ہیں؟(2)﴿فَهُمۡ مِّنۡ مَّغۡرَمٍ مُّثۡقَلُوۡنَ﴾ ''کہ وہ تاوان سے بوجھل کیے جانے والے ہیں''جس کے بوجھ تلے یہ لوگ دبے جارہے ہیں۔آپ ﷺ تو بغیر کسی معاوضے کے علم سکھانا چاہتے ہیں۔آپ ﷺ تو پیغام پہنچانے کے لیے مال لگاتے ہیں اور آپ ﷺ تو زکوٰۃ میں سے بھی ان کافروں کے لیے خرچ کرتے ہیں جن کے دلوں کو نرم کرنا مطلوب ہوتا ہے کہ ان کے دلوں میں ایمان راسخ ہوجائے۔

سوال2:اللہ تعالیٰ نے ایمان نہ لانے پر تاوان کا سوال کیوں کیا ہے؟

جواب:تاوان کا سوال اس لیے کیا ہے کہ مالی بوجھ عام طور پر نا قابل برداشت ہوجاتا ہے تو کیا تم رسول کی بات اس لیے قبول نہیں کررہے کہ تاوان پڑ گیا ہے اور اس کی ادائیگی ان کے لیے مشکل ہے اگر ایسی بات نہیں تو غور کرو یہ انکار اور تکذیب آخر کس لیے ہے؟

﴿ اَمۡ عِنۡدَهُمُ الۡغَيۡبُ فَهُمۡ يَكۡتُبُوۡنَ(41)﴾

''یا ان کے پاس کوئی غیب ہے کہ وہ لکھتے ہیں؟''(41)

سوال1:﴿ اَمۡ عِنۡدَهُمُ الۡغَيۡبُ فَهُمۡ يَكۡتُبُوۡنَ ﴾''یا ان کے پاس کوئی غیب ہے کہ وہ لکھتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ اَمۡ عِنۡدَهُمُ الۡغَيۡبُ فَهُمۡ يَكۡتُبُوۡنَ ﴾''یا ان کے پاس کوئی غیب ہے کہ وہ لکھتے ہیں'' کیا یہ غیب کا علم رکھتے ہیں؟ تو آسمان اور زمین میں غیب کا علم تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں رکھتا۔(2)یعنی کیا انہیں ایسے امور کا علم ہوتا ہے جن کا رسول اللہ کو علم نہیں ہوتا تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے جتنا نبی ﷺ کو غیب سے آگاہ فرمایا اتنا مخلوق میں سے کسی ہستی کو نہیں دیا۔

سوال2:غیب کے علم کے بارے میں سوال کیوں کیا گیا ہے؟

جواب:یہ سوال اس لیے کیا گیا کہ جو غیب کا علم رکھتا ہے تقدیر کے فیصلے وہ کرتا ہے۔جب تم غیب نہیں جانتے تو تقدیر کے فیصلے نہیں کرسکتے لہٰذا نہ تم محمد ﷺ کے خلاف اب کچھ کرسکتے ہو نہ ان کے مستقبل کے خلاف کوئی سازش کرسکتے ہو۔

﴿ اَمۡ یُرِیۡدُوۡنَ کَیۡدًا ؕ فَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ہُمُ الۡمَکِیۡدُوۡنَ (42) ﴾

''یا وہ کسی چال کا ارادہ رکھتے ہیں؟ تو جن لوگوں نے کفر کیا وہی چال میں آنے والے ہیں۔'' (42)

سوال: ﴿ اَمۡ یُرِیۡدُوۡنَ کَیۡدًا ؕ فَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ہُمُ الۡمَکِیۡدُوۡن ﴾ ''یا وہ کسی چال کا ارادہ رکھتے ہیں؟ تو جن لوگوں نے کفر کیا وہی چال میں آنے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اَمۡ یُرِیۡدُوۡنَ کَیۡدًا ﴾ ''یا وہ کسی چال کا ارادہ رکھتے ہیں؟'' کیا وہ آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے دین اور جو کتاب آپ ﷺ لائے ہیں اس کے ساتھ کوئی چال چلنا چاہتے ہیں، یعنی یہ کہ وہ آپ ﷺ کو قتل کر دیں یا آپ ﷺ کے دین کو باطل قرار دے دیں۔ (2) ﴿ فَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ہُمُ الۡمَکِیۡدُوۡن ﴾ ''تو جن لوگوں نے کفر کیا وہی چال میں آنے والے ہیں'' یعنی سازشیں کافروں کے سینوں میں ہی رہیں گی۔ کافروں نے نبی ﷺ کو اور ان کے لائے ہوئے دین کو نقصان پہنچانے کے لیے ہر چال چلی مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو فتح و نصرت عطا کی۔ (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَمَکَرُوۡا وَمَکَرَ اللّٰہُ ؕ وَاللّٰہُ خَیۡرُ الۡمٰکِرِیۡنَ ﴾ اور انہوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں میں سے بہتر ہے۔ (آل عمران: 54) (4) ﴿ وَقَدۡ مَکَرُوۡا مَکۡرَہُمۡ وَعِنۡدَ اللّٰہِ مَکۡرُہُمۡ ؕ وَاِنۡ کَانَ مَکۡرُہُمۡ لِتَزُوۡلَ مِنۡہُ الۡجِبَالُ (۴۶) فَلَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰہَ مُخۡلِفَ وَعۡدِہٖ رُسُلَہٗ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ ذُو انۡتِقَامٍ (۴۷) ﴾ ''اور بلاشبہ انہوں نے تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ کے پاس اپنی تدبیر ہے ان کی تدبیر ہرگز ایسی نہ تھی کہ پہاڑ اس سے ٹل جائیں۔ چنانچہ آپ اللہ تعالیٰ کو ہرگز ایسا نہ سمجھیں کہ وہ اپنے رسولوں سے وعدے کے خلاف کرنے والا ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب، انتقام لینے والا ہے۔ (ابراہیم: 47,46)

﴿ اَمۡ لَہُمۡ اِلٰہٌ غَیۡرُ اللّٰہِ ؕ سُبۡحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ (43) ﴾

''یا ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود ہے؟ پاک ہے اللہ تعالیٰ اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔'' (43)

سوال 1: ﴿ اَمۡ لَہُمۡ اِلٰہٌ غَیۡرُ اللّٰہِ ؕ سُبۡحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴾ ''یا ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود ہے؟ پاک ہے اللہ تعالیٰ اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اَمۡ لَہُمۡ اِلٰہٌ غَیۡرُ اللّٰہِ ﴾ ''یا ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود ہے؟'' یعنی کیا ان کے اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (ایسر التفاسیر: 1537) (2) ﴿ سُبۡحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴾ ''پاک ہے اللہ تعالیٰ اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں'' اللہ رب العزت ان کے شرک سے پاک ہے جن کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں جو نہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں۔ (3) اقتدار میں کوئی

اس کا شریک ہے نہ وحدانیت اور عبودیت میں۔ یہی وہ مقصد ہے جس کی خاطر یہ کلام لایا گیا اور وہ ہے قطعی دلائل کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے سوا ہر ہستی کی عبادت کا بطلان اور اس کے فاسد ہونے کا بیان۔ جس موقف پر مشرکین قائم ہیں وہ باطل ہے۔ وہ ہستی جس کی عبادت کی جانی چاہیے، جس کے لیے نماز پڑھنی چاہیے، جس کے سامنے سجدہ ریز ہونا چاہیے، دعا، یعنی دعائے عبادت اور دعائے مسئلہ کو اسی کے لیے خالص کرنا چاہیے، وہ اللہ تعالیٰ معبود حقیقی کی ہستی ہے جو اسماء وصفات میں کامل، بے شمار نعوت حسنہ اور افعال جمیلہ کا مالک، صاحب جلال واکرام، قوت وغلبے کا مالک جس کو مغلوب کرنے کا ارادہ بھی نہیں کیا جا سکتا جو اکیلا، یکتا، متفرد، بے نیاز، بہت بڑا، قابل حمد وثنا اور مالک مجد وجلال ہے۔ (تفسیر سعدی: 2639,2638/3) (4) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص سے فرمائے گا جسے جہنم میں سب سے ہلکا عذاب ہوگا کہ اگر تیرے پاس دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، وہ سب ہوتا تو کیا تو اسے (اپنے آپ کو عذاب سے بچانے کے لیے) فدیہ میں دے دیتا؟ وہ کہے گا، ہاں! تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے تو تجھ سے اس سے بہت آسان بات چاہی تھی (جس میں کچھ خرچ نہ تھا) جب تو ابھی آدم علیہ السلام کی پشت میں تھا کہ تم شرک نہ کرنا۔ میں تجھے جہنم میں داخل نہیں کروں گا مگر تو نہ مانا اور شرک پر بضد رہا۔ (مسلم: 7083)

سوال 2: اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبودوں کی بات کیوں کی گئی؟

جواب: معبود نقصان بچاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے سوال کیا ہے کہ کوئی اور معبود ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا لے گا؟

﴿ وَاِنۡ يَّرَوۡا كِسۡفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوۡلُوۡا سَحَابٌ مَّرۡكُوۡمٌ (44) ﴾

''اور اگر وہ آسمان سے ایک ٹکڑا گرتا بھی دیکھیں تو کہیں گے: ''تہ بہ تہ بادل ہیں۔'' (44)

سوال 1: ﴿وَاِنۡ يَّرَوۡا كِسۡفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوۡلُوۡا سَحَابٌ مَّرۡكُوۡمٌ ﴾ ''اور اگر وہ آسمان سے ایک ٹکڑا گرتا بھی دیکھیں تو کہیں گے: ''تہ بہ تہ بادل ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ رب العزت نے ان مشرکوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے سرکشی کی کہ اگر حق کو ثابت کرنے کے لیے ہر قسم کے دلائل قائم کر دیے جائیں پھر بھی وہ اس کی مخالفت کریں گے۔ (2) ﴿وَاِنۡ يَّرَوۡا كِسۡفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا﴾ ''اور اگر وہ آسمان سے ایک ٹکڑا گرتا بھی دیکھیں''، یعنی اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے آسمان کا کوئی ٹکڑا اپنے اوپر گرتا ہوا دیکھ لیں۔ (3) ﴿ يَّقُوۡلُوۡا سَحَابٌ مَّرۡكُوۡمٌ﴾ ''تو کہیں گے: ''تہ بہ تہ بادل ہیں''، تو وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو دیکھ کر سبق حاصل کرنے کی بجائے کہیں گے یہ تو گہرا بادل ہے۔ (4) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَوۡ فَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوۡا فِيۡهِ يَعۡرُجُوۡنَ (14) لَقَالُوۡۤا اِنَّمَا سُكِّرَتۡ اَبۡصَارُنَا بَلۡ نَحۡنُ قَوۡمٌ مَّسۡحُوۡرُوۡنَ (15) ﴾ ''اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں پس وہ اس میں چڑھنے والے ہو جائیں۔ تو بھی وہ

کہیں گے بلاشبہ ہماری آنکھیں باندھ دی گئی ہیں بلکہ ہم لوگوں پر جادو کیا گیا ہے۔'' (الحجر:14,15)

سوال2: اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کے تصور کی خرابی کو ان پر کیسے واضح کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے مثال کو واضح کیا ہے کہ اگر آسمان سے ٹکڑے گرتے دیکھ لیں تب بھی یہ کہیں گے کہ یہ بادل ہے جو امنڈتا چلا آرہا ہے جیسے قوم عاد کا تصور خراب تھا ایسے ہی ان کا حال ہے۔

﴿ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ(45)﴾

''چنانچہ آپ انہیں چھوڑ دیں حتیٰ کہ اس دن کو جا ملیں جس میں وہ بے ہوش کیے جائیں گے۔'' (45)

سوال: ﴿فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴾ ''چنانچہ آپ انہیں چھوڑ دیں حتیٰ کہ اس دن کو جا ملیں جس میں وہ بے ہوش کیے جائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَذَرْهُمْ ﴾ ''چنانچہ آپ انہیں چھوڑ دیں'' یعنی وہ بحثیں کریں اور جھوٹی امیدیں انہیں دھوکے میں ڈالے رکھیں۔ (2) اللہ رب العزت نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ انہیں چھوڑ دیں۔ (3) ﴿حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴾ ''حتیٰ کہ اس دن کو جا ملیں جس میں وہ بے ہوش کیے جائیں گے'' یہاں تک کہ وہ دن آ جائے جس دن ان پر عذاب نازل ہوگا یعنی قیامت کا دن یا موت کا وقت۔

﴿يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ(46)﴾

''جس دن ان کی اپنی تدبیر ہی ان کے کچھ کام نہیں آئے گی اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔'' (46)

سوال1: ﴿يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴾ ''جس دن ان کی اپنی تدبیر ہی ان کے کچھ کام نہیں آئے گی اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُم ﴾ ''جس دن ان کی اپنی تدبیر ہی ان کے کچھ کام نہیں آئے گی'' جس دن ان کی کوئی چال ان کے کام نہیں آئے گی۔ دنیا کی قلیل زندگی میں انہوں نے سازشیں کیں۔ قیامت کے دن ان کی بھاگ دوڑ کام نہیں آئے گی۔ (2) ﴿ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ﴾ ''اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی'' یعنی جن کی حمایت کے لیے آج یہ شرک کر رہے ہیں کل وہ ان کے لیے کھڑے نہ ہوں گے۔

سوال2: اللہ تعالیٰ نے ان کی چالوں کی ناکامی اور ان کے بے یار و مددگار ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے قیامت کے منظر میں حاضر کر کے انہیں دکھایا ہے کہ دیکھو آج نہ کوئی چال کام آ رہی ہے اور نہ کوئی اور مدد کرنے والا ہے آج بے یار و مددگار رہ گئے ہونا! یوں اللہ تعالیٰ نے انہیں پلٹ آنے پر آمادہ کیا۔

﴿ وَاِنَّ لِلَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا عَذَابًا دُوۡنَ ذٰلِکَ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَہُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿47﴾ ﴾

''اور جن لوگوں نے ظلم کیا ہے، بلاشبہ ان کے لیے اس (آخرت) کے علاوہ بھی ایک عذاب ہے لیکن ان کی اکثریت نہیں جانتی۔''(47)

سوال1: ﴿ وَاِنَّ لِلَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا عَذَابًا دُوۡنَ ذٰلِکَ ﴾ ''اور جن لوگوں نے ظلم کیا ہے، بلاشبہ ان کے لیے اس (آخرت) کے علاوہ بھی ایک عذاب ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَاِنَّ لِلَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا عَذَابًا دُوۡنَ ذٰلِکَ ﴾ ''اور جن لوگوں نے ظلم کیا ہے، بلاشبہ ان کے لیے اس (آخرت) کے علاوہ بھی ایک عذاب ہے'' اللہ رب العزت نے قیامت کے دن کے عذاب کا ذکر فرمایا تو آگاہ کیا کہ ظالموں کے لیے اس عذاب سے پہلے اور عذاب ہیں۔ مثلاً اپنے گھروں سے نکالے جانے، قتل کیے جانے، قیدی بنائے جانے کا، قبر اور برزخ کا عذاب وغیرہ۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَلَنُذِیۡقَنَّہُمۡ مِّنَ الۡعَذَابِ الۡاَدۡنٰی دُوۡنَ الۡعَذَابِ الۡاَکۡبَرِ لَعَلَّہُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ﴾ ''اور ہم انہیں بڑے عذاب سے پہلے ہی چھوٹے عذاب کا مزہ ضرور چکھائیں گے تاکہ وہ پلٹ آئیں۔(السجدہ:21) (2) آخرت کے عذاب سے پہلے اللہ تعالیٰ دنیا میں اس لیے عذاب دیتے ہیں تاکہ وہ لوٹ آئیں۔

سوال2: ﴿ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَہُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴾ ''لیکن ان کی اکثریت نہیں جانتی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''لیکن ان کی اکثریت نہیں جانتی'' یعنی اکثر لوگ ان کاموں سے بے خبر رہتے ہیں جو عذاب کا باعث بنتے ہیں اسی وجہ سے وہ عذاب ہٹ جانے پر پہلے سے بھی زیادہ برے کام کرنے لگتے ہیں۔ (2) یعنی وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے اس کا عذاب واجب ہو جاتا ہے اور اس کی پکڑ آ جاتی ہے۔ (مختصر ابن کثیر:1948/2) (3) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: منافق جب بیمار ہو کر صحت مند ہو جاتا ہے تو اس کی مثال اونٹ کی سی ہے وہ یہ نہیں جانتا اسے رسیوں سے باندھا کیوں گیا ہے اور کھولا کیوں گیا ہے۔ (سنن ابی داؤد:3089)

سوال3: عذاب اور مصائب کیوں آتے ہیں؟

جواب: عذاب اور مصائب اس لیے آتے ہیں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں لیکن اس بات کو کم علمی اور کم فہمی کی وجہ سے گناہوں سے توبہ نہیں کرتے مزید گناہ کرنے لگ جاتے ہیں۔

﴿ وَاصۡبِرۡ لِحُکۡمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعۡیُنِنَا وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ حِیۡنَ تَقُوۡمُ ﴿48﴾ ﴾

''اور اپنے رب کا حکم آنے تک آپ صبر کریں، بے شک آپ ہماری نگاہوں میں ہیں، اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ آپ تسبیح کیا کریں، جب آپ اٹھیں۔''(48)

سوال1:﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾''اور اپنے رب کا حکم آنے تک آپ صبر کریں، بے شک آپ ہماری نگاہوں میں ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ﴾''اور اپنے رب کا حکم آنے تک آپ صبر کریں''اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ ان کی ایذاؤں پر صبر کریں، ان مشرکوں کی پرواہ نہ کریں۔(2) آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے پر یقین رکھتے ہوئے کہ وہ آپ ﷺ کے لیے کافی ہے، صبر کریں۔(3)﴿فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾''بے شک آپ ہماری نگاہوں میں ہیں'' آپ ﷺ ہر وقت ہماری حفاظت میں، ہماری نظروں کے سامنے ہیں۔

سوال2:﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ﴾''اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ آپ تسبیح کیا کریں، جب آپ اٹھیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ﴾''اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ آپ تسبیح کیا کریں، جب آپ اٹھیں'' یعنی آپ ﷺ سبحان اللہ وبحمدہ کہا کریں جب آپ ﷺ نیند سے اٹھیں، اپنی مجلس سے اٹھیں اور رات کو اٹھیں۔(ایسر التفاسیر:1538)(2) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب نماز شروع کرتے تو آپ ﷺ کہتے:﴿سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ﴾''میں تیری پاکیزگی بیان کرتا ہوں اے اللہ! تیری حمد کے ساتھ، بہت بابرکت ہے نام تیرا اور بہت بلند ہے شان تیری۔ اور نہیں ہے کوئی معبود تیرے سوا۔(ابوداؤد:776)(3) سیدنا ابو برزہ الاسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے آخری ایام میں جب کسی مجلس سے اٹھتے تو یہ کلمات پڑھتے تھے:﴿سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ﴾ اے اللہ! تو پاک ہے اپنی حمد کے ساتھ، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں تجھ سے بخشش مانگتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں۔ ایک آدمی نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! آپ یہ کلمات کہتے ہیں جو پہلے نہیں کہا کرتے تھے (اس کی کیا وجہ ہے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ دعا اس چیز کے کفارے کے لیے ہے جو مجلس میں ہوجاتی ہے۔(ابوداؤد:4859)(4) آیت کریمہ میں رات کے قیام کا ذکر ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ جب آپ ﷺ نماز پنجگانہ کے لیے کھڑے ہوں اور اس کی دلیل اگلی آیت ہے۔

سوال3: رسول اللہ ﷺ کو مخالف ماحول میں اپنا دعوتی مشن جاری رکھنے کے لیے کیا ہدایات دی گئیں؟

جواب: رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دیا گیا:(1) صبر کرو۔(2) تسبیح کرو۔

سوال4: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اس آیت میں کس اعزاز سے نوازا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم ہماری نگاہوں میں ہو یعنی تمہارا صبر اللہ تعالیٰ کو بے حد محبوب ہے۔

﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ (49)﴾

''اور رات کو بھی اس کی تسبیح کریں اور ستاروں کے جانے کے بعد بھی۔'' (49)

سوال: ﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ﴾ ''اور رات کو بھی اس کی تسبیح کریں اور ستاروں کے جانے کے بعد بھی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور رات کو بھی اس کی تسبیح کریں اور ستاروں کے جانے کے بعد بھی'' یعنی رات کے وقت اس کی پاکی بیان کرو یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، قرآن مجید کی تلاوت کرو، اس کا ذکر کرو اور نماز پڑھو جیسا کہ فرمایا: ﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّکَ ق صلے عَسٰٓی اَنْ يَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ ''اور رات کے کچھ حصے میں پھر اس کے ساتھ بے دار رہیں یہ آپ کے لیے زائد عبادت ہے، قریب ہے آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کر دے۔ (بنی اسرائیل:79) (2) سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَعَلٰى کُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ، اَلْحَمْدُلِلّٰهِ، وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَلَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ ''جو شخص رات کو بیدار ہو کر یہ دعا کرے ''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، ملک اسی کے لیے ہے اور تمام تعریفیں بھی اسی کے لیے ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر نہ کسی کو گناہ سے بچنے کی طاقت ہے نہ نیکی کرنے کی ہمت'' پھر یہ پڑھے ﴿اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ﴾ ''اے اللہ میری مغفرت فرما'' (یا یہ کہا کہ) کوئی دعا کرے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔ پھر اگر اس نے وضو کیا اور نماز پڑھی تو نماز بھی مقبول ہوگی۔'' (بخاری:1154) (3) یعنی رات کے آخری حصے میں اور اس میں فجر کی نماز داخل ہے۔

سورۃ النجم

سوال: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ مکی سورت ہے۔ اس کے تین رکوع اور 62 آیات ہیں۔

سوال: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے یہ 53 ویں سورت ہے اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے 23 ویں سورت ہے۔

سوال:اس سورت کی کیا فضیلت ہے؟

جواب:سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ سب سے پہلے نازل ہونے والی ،سجدہ والی سورت ''سورۂ النجم'' ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے (اس کی تلاوت کے بعد) سجدہ کیا اور جتنے لوگ آپ کے پیچھے تھے سب ہی نے آپ کے ساتھ سجدہ کیا،سوائے ایک شخص کے، میں نے دیکھا کہ اس نے اپنی ہتھیلی میں مٹی اٹھائی اور اسی پر سجدہ کر لیا۔ بعد میں (بدر کی لڑائی میں) میں نے اسے دیکھا کہ کفر کی حالت میں وہ قتل کیا ہوا پڑا ہے۔ وہ شخص امیہ بن خلف تھا۔(بخاری:4863)

رکوع نمبر 5

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿وَالنَّجۡمِ اِذَا هَوٰى(1)﴾

''قسم ہے تارے کی جب وہ گرے''!(1)

سوال1:﴿وَالنَّجۡمِ اِذَا هَوٰى﴾ ''قسم ہے تارے کی جب وہ گرے!'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَالنَّجۡمِ اِذَا هَوٰى﴾ ''قسم ہے تارے کی جب وہ گرے!'' رب العزت نے ستارے کے ٹوٹنے کی یعنی اس وقت کی قسم کھائی ہے جب رات کے جانے اور دن کی روشنی پھیلنے کا وقت ہوتا ہے کیونکہ اس میں بڑی نشانیاں ہیں۔(2) نجم سے مراد ستاروں کی جنس ہے۔(3) رب العزت نے فرمایا:﴿ فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ (75) وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عَظِيۡمٌ (76) اِنَّهٗ لَقُرۡاٰنٌ كَرِيۡمٌ (77) فِىۡ كِتٰبٍ مَّكۡنُوۡنٍ (78) لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الۡمُطَهَّرُوۡنَ (79) تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ (80)﴾ ''پس نہیں! میں قسم کھاتا ہوں تاروں کے گرنے کی جگہوں کی۔ اور یقیناً وہ اگر تم جانتے ہو تو واقعتاً ایک بہت بڑی قسم ہے۔ یقیناً وہ بلاشبہ قرآن ہے، بڑی عزت والا ہے۔ ایک ایسی کتاب میں جو چھپا کر رکھی گئی ہے۔ جسے پاک کیے گئے فرشتوں کے سوا کوئی نہیں چھوسکتا۔ تمام جہانوں کے رب کی طرف سے نازل کردہ ہے۔(الواقعہ:75,80)

سوال2: رب العزت نے کس چیز پر اور کس وجہ سے ستاروں کی قسم کھائی ہے؟

جواب:(1) رب العزت نے اس وحی کی صحت پر قسم کھائی ہے جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں۔(2) وحی الٰہی اور ستاروں کے درمیان ایک عجیب مناسبت ہے۔ رب العزت نے ستاروں کو آسمان کی زینت کا سلسلہ بنایا اور وحی اور اس کے اثرات کو زمین کے لیے زینت کا سبب بنایا۔(3) اگر انبیاء کی جانب وحی نہ آتی تو لوگ جہالت کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہوتے اور جہالت کی تاریکی رات کی تاریکی سے زیادہ گہری ہوتی ہے۔

﴿ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ﴿2﴾ ﴾

''تمہارا ساتھی نہ ہی بھٹکا ہے اور نہ ہی بہکا ہے''۔(2)

سوال1:﴿ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ﴾''تمہارا ساتھی نہ ہی بھٹکا ہے اور نہ ہی بہکا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ ﴾'' تمہارا ساتھی نہ ہی بھٹکا ہے''،جس امر پر قسم کھائی گئی ہے،وہ ہے رسول اللہ ﷺ کا اپنے علم میں ضلالت اور اپنے قصد میں گمراہی سے منزہ اور پاک ہونا اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ آپ اپنے علم میں راست رو، راست کی طرف رہنمائی کرنے والے، حسن قصد رکھنے والے اور مخلوق کی خیر خواہی کرنے والے ہیں۔اس کے برعکس فسادِ علم اور سوءِ قصد کا راستہ وہ ہے جس پر گمراہ لوگ گامزن ہیں۔(تفسیر سعدی:2641/3)(2)یعنی آپ ﷺ عیسائیوں کی طرح گمراہ نہیں ہیں۔(3)﴿صَاحِبُكُمْ ﴾ یہ کہہ کر اس تعلق کو یاد دلایا گیا ہے کہ نبوت سے پہلے کے چالیس برس اُس نے تمہارے درمیان گزارے ہیں۔اپنے ساتھی کے بارے میں تم بخوبی جانتے ہو۔اُن کے اَخلاق و کردار کے تم خود گواہ ہو۔تمہارا اُنہیں ''صادق'' اور ''امین'' کہنا یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ بے داغ کردار کے مالک ہیں۔اس طرح رسول اللہ ﷺ کی صداقت اور امانت کو واضح کیا گیا ہے کہ جس نے سچائی پر مبنی زندگی گزاری ہے اُس سے کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ اب وہ جھوٹ بولے گا۔نہ وہ بہکا ہے نہ گمراہ ہوا ہے۔(4)﴿وَمَا غَوٰى﴾ اور نہ ہی بہکا ہے''یعنی آپ ٹھیک صراط مستقیم پر چل رہے ہیں، نہ راستہ بھولے ہیں اور نہ راستے سے بہکے ہوئے ہیں۔(5)یعنی آپ ﷺ یہودیوں کی طرح جان بوجھ کر حق کے خلاف چلنے والے نہیں ہیں آپ ﷺ کی شریعت معتدل اور سیدھی ہے۔(مختصر ابن کثیر:1949/2)

سوال2: ضَلَّ کی وضاحت کریں؟

جواب: ضلالت حق سے ہٹ جانے کو کہتے ہیں یعنی راستہ گم کر دینا جو جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

سوال3: غَوٰى کی وضاحت کریں؟

جواب: غوایت جانتے بوجھتے حق کو چھوڑ کر ٹیڑھا راستہ اختیار کرنے کو کہتے ہیں۔

سوال4: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے حق پر ہونے کے لئے کون سی گمراہیوں سے آپ ﷺ کے پاک ہونے کی گواہی دی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ضلالت یعنی جہالت، اور غوایت یعنی جانتے بوجھتے حق کو چھوڑنے سے نبی ﷺ کے پاک ہونے کی گواہی دی ہے۔

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿3﴾ ﴾

''اور وہ اپنی خواہش سے بات نہیں کہتا''(3)

سوال:﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى﴾''اوروہ اپنی خواہش سے بات نہیں کہتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اوروہ اپنی خواہش سے بات نہیں کہتا''یعنی آپ ﷺ اپنی خواہش نفس سے کلام نہیں کرتے۔(2) یعنی آپ ﷺ کی بات کسی غرض یا خواہش پر مبنی نہیں ہوتی بلکہ آپ ﷺ بلا کم وکاست وحی کے مطابق بات کرتے ہیں۔جوفرض آپ کے سپرد ہے۔اس کی تبلیغ فرماتے ہیں۔(مختصرابن کثیر:1949/2)(3)جوشخص خواہش نفس سے بات کرتا ہے وہ گمراہ ہو جاتا ہے پھر نبی ﷺ کیسے بات کر سکتے تھے ؟جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾''اورخواہشاتِ نفس کی پیروی نہ کروکہ وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی راہ سے بھٹکا دے گی''(ص:26)

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (4)﴾

''وہ صرف ایک وحی ہے جونازل کی جاتی ہے''(4)

سوال1:﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾''وہ صرف ایک وحی ہے جونازل کی جاتی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''وہ صرف ایک وحی ہے جونازل کی جاتی ہے''یعنی آپ اسی ہدایت اورلوگوں کے بارے میں تقویٰ کی پیروی کرتے ہیں جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے۔(2) یہ آیت دلیل ہے کہ سنت رسول اللہ ﷺ بھی اللہ رب العزت کی جانب سے بھیجی گئی وحی ہے۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ ''اوراللہ تعالیٰ نے آپ پرکتاب وحکمت کونازل کیا''۔(النساء:113)
(4)سیدناعبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے جوکچھ سنتا تھااسے حفظ کرنے کی غرض سے لکھ لیا کرتا تھاتو(بعض قریشیوں نے مجھے اس سے روکااورکہا کہ)تم جوکچھ بھی سنتے ہواسے لکھ لیتے ہو،حالانکہ رسول اللہ ﷺ بھی ایک انسان ہیں ،وہ غصے اورخوشی (دونوں حالتوں)میں گفتگوکرتے ہیں۔چنانچہ اس پرمیں لکھنے سے رک گیا،پھربعدازاں میں نے اس کاذکررسول اللہ ﷺ سے کیاتو آپ نے اپنے منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:لکھا کرو،اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے!میری زبان سے سوائے حق کے اورکوئی کلمہ نہیں نکلتا۔(ابوداؤد:3646)(4)سیدناابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشادفرماتے ہوئے سنا:ایک شخص کی شفاعت کے ساتھ،جونبی نہیں ہوگا،ربیعہ ومضرجیسے دوقبیلوں یاان میں سےایک قبیلے کے برابرلوگ جنت میں ضروراخل ہوں گے۔ایک شخص نے عرض کی،اے اللہ کے رسول!کیاربیعہ کاتعلق بھی قبیلۂ مضرہی سے نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا:میں جوکچھ کہتا ہوں وہ (وحی الٰہی کی روشنی میں) کہتا ہوں۔(مسنداحمد:22278)(5)سیدناابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یوں روایت کیا کہ ایک آدمی نے پوچھا:یارسول اللہ!بتایئے اگرمیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں ماراجاؤں۔اورمیں صبرکرنے والا،ثواب کی نیت رکھنے والا،آگے بڑھنے والا، پیٹھ نہ پھیرنے والاہوں۔توکیااللہ تعالیٰ میرے سب گناہ معاف کردے گا؟آپ ﷺ نے فرمایا''ہاں'' وہ شخص چلا

گیا تو آپ ﷺ نے اسے پھر آواز دے کر بلایا اور فرمایا ''مگر قرضہ معاف نہ ہوگا۔ جبریل نے ابھی مجھے اس طرح بتایا ہے۔(مسلم کتاب الامارۃ) (6) نیز یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ اور اس کی شریعت کے بارے میں خبر دینے میں معصوم ہیں کیونکہ آپ کا کلام کسی خواہش نفس سے صادر نہیں ہوتا یہ تو وحی الٰہی ہے جو آپ کی طرف بھیجی جاتی ہے۔(تفسیر سعدی:2642/3.)

سوال2: رسول اللہ ﷺ کے گمراہ نہ ہونے کے لئے ربّ العزت نے دو دلائل دیئے۔ان کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) آپ ﷺ اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔(2) آپ ﷺ وہی کہتے ہیں جو وحی کی جاتی ہے۔

سوال3: خواہش سے بولنے کا گمراہی سے کیا تعلق ہے؟

جواب: (1) خواہش سے بولنا دراصل ناحق پر بولنا ہے۔(2) جو شخص خواہش سے بولتا ہے وہ حق سے ہٹ جاتا ہے اس طرح انسان گمراہ ہوجاتا ہے۔

سوال4: کیا رسول اللہ ﷺ مزاح اور خوش طبعی کے موقعوں پر بھی خواہش سے نہیں بولتے تھے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے مزاح اور خوش طبعی کے موقعوں پر بھی حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا تھا۔(ترمذی، ابواب البر)

سوال5: کیا رسول اللہ ﷺ حالت غضب میں بھی حق کے سوا کچھ نہیں کہتے تھے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ کو اپنے جذبات پر اتنا کنٹرول تھا کہ آپ ﷺ کی زبان سے کوئی خلافِ واقعہ بات نہیں نکلتی تھی۔(سنن ابی داؤد، کتاب العلم)

﴿عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ﴿5﴾﴾

''اُس کو نہایت مضبوط قوتوں والے (فرشتے) نے تعلیم دی ہے'' (5)

سوال: ﴿عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى﴾ ''اُس کو نہایت مضبوط قوتوں والے (فرشتے) نے تعلیم دی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اُس کو نہایت مضبوط قوتوں والے (فرشتے) نے تعلیم دی ہے'' یعنی جبرائیل جو روح الامین ہیں انہوں نے نبی ﷺ پر وحی نازل کی۔رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾ ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿۲۱﴾﴾ ''بلاشبہ یقیناً یہ ایک معزز پیغام پہنچانے والے کا قول ہے۔ جو قوت والا ہے، عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ہے۔ وہاں اُس کی بات مانی جاتی ہے، امانت دار ہے۔(التکویر:21,19) (2) ﴿شَدِيْدُ الْقُوٰى﴾ ''مضبوط قوتوں والے'' یعنی جبرائیل علیہ السلام ظاہری اور باطنی قوت والے ہیں۔ وہ اس حکم کو نافذ کرنے میں طاقت ور ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا ہے۔ انہوں نے وحی کو شیاطین کے اچک لینے اور ان کی دخل اندازی سے محفوظ رکھا۔(3) اللہ رب العزت نے وحی کی حفاظت کے لیے ایسے فرشتے کو بھیجا جو نہایت قوت والا اور امانت دار ہے۔

﴿ ذُوۡ مِرَّةٍ ؕ فَاسۡتَوٰى ۙ﴾(6)

''جو بڑی طاقت والا ہے، چنانچہ وہ بلند ہوا'' (6)

سوال: ﴿ذُوۡ مِرَّةٍ ؕ فَاسۡتَوٰى ۙ﴾ ''جو بڑی طاقت والا ہے، چنانچہ وہ بلند ہوا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ذُوۡ مِرَّةٍ﴾ ''جو بڑی طاقت والا ہے'' مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: وہ قوت والے ہیں یعنی جبرائیل علیہ السلام۔ (2) قتادہ نے کہا وہ خلق حسن والے ہیں۔ (جامع البیان: 45/27) (3) یعنی وہ ظاہری اور باطنی حسن والے ہیں۔ (4) ﴿فَاسۡتَوٰى﴾ چنانچہ وہ بلند ہوا'' یعنی جبرائیل علیہ السلام اپنی اس صورت میں جس میں اللہ تعالیٰ نے انہیں تخلیق کیا سیدھے کھڑے ہوئے۔ (5) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا تھا، ان کے چھ سو پر تھے۔ (بخاری: 4856) (6) سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ وحی بند رہنے کا تذکرہ کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک بار میں نے راستے میں چلتے چلتے آسمان سے ایک آواز سنی۔ نگاہ اٹھائی تو آسمان کی طرف اسی فرشتے کو دیکھا جو حرا میں میرے پاس آیا تھا۔ وہ زمین وآسمان کے درمیان ایک کرسی پر (معلق) تھا۔ میں اتنا ڈر گیا کہ ڈر کے مارے زمین پر گر گیا پھر میں اپنے گھر آیا اور گھر والوں سے کہا: ''مجھے کمبل اوڑھا دو، کمبل اوڑھا دو'' چنانچہ انہوں نے مجھے کمبل اوڑھا دیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ **یایھا المدثر** '' سے '' **فاھجر** '' تک۔ اس کے بعد وحی گرم ہوگئی، برابر لگاتار آنے لگی۔ (بخاری: کتاب التفسیر)

﴿وَهُوَ بِالۡاُفُقِ الۡاَعۡلٰى ؕ﴾(7)

''اس حال میں کہ وہ آسمان کے بلند کنارے پر تھا'' (7)

سوال: ﴿وَهُوَ بِالۡاُفُقِ الۡاَعۡلٰى﴾ ''اس حال میں کہ وہ آسمان کے بلند کنارے پر تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اس حال میں کہ وہ آسمان کے بلند کنارے پر تھا'' افق اعلیٰ سے مراد آسمان کا وہ کنارہ ہے جہاں سے صبح صادق نمودار ہوتی ہے اور سورج نکلتا ہے۔ (2) سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا جبرائیل علیہ السلام کو اصلی صورت میں دو ہی دفعہ دیکھا ہے۔ ایک دفعہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق روح الامین آپ کو اپنی اصلی صورت میں دکھائی دیئے۔ آپ علیہ السلام سے تمام مشرقی افق بھرا ہوا تھا اور دوسری دفعہ معراج کے موقع پر جب علیہ السلام آپ کو لے کر آسمان پر چڑھے تھے۔

﴿ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ﴾(8)

''پھر وہ قریب آیا پس وہ اُتر آیا'' (8)

سوال:﴿ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ﴾''پھر وہ قریب آیا پس وہ اُتر آیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ ثُمَّ دَنَا ﴾''پھر وہ قریب آیا''یعنی جبرائیل افق اعلیٰ سے آپ کے قریب آئے اور وحی پہنچائی۔(2)﴿ فَتَدَلّٰی ﴾''پس وہ اُتر آیا''یعنی وہ آپ ﷺ سے قریب ہوئے اور زیادہ قریب ہوئے۔(ایسر التفاسیر:1537)

﴿ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی (9) ﴾

''چنانچہ وہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے زیادہ قریب ہو گیا''(9)

سوال1:﴿ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی ﴾''چنانچہ وہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے زیادہ قریب ہو گیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ فَكَانَ ﴾''چنانچہ وہ ہو گیا''یعنی جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کے قریب ہو گئے۔(2)﴿ قَابَ قَوْسَيْنِ ﴾''دو کمانوں کے برابر قریب ہو گیا''یعنی جبرائیل علیہ السلام اور آپ ﷺ کے درمیان دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا۔(3)﴿ اَوْ اَدْنٰی ﴾''یا اس سے زیادہ قریب''یا اتنے قریب کہ یہ فاصلہ دو کمانوں سے بھی کم رہ گیا۔(4)یہ دلیل ہے کہ نبی ﷺ سے سیدنا جبرائیل علیہ السلام کی ایسی ملاقات ہوئی جس میں آپ ﷺ کے اور جبرائیل علیہ السلام کے درمیان کوئی واسطہ نہیں تھا۔(5)سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے جبرئیل کو(ان کی اصلی شکل میں)دیکھا ان کے چھ سو بازو(پر)تھے۔(بخاری کتاب التفسیر)(6)مسروق سے روایت ہے کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا:اے ایمان والوں کی ماں!کیا محمد ﷺ نے معراج کی رات میں اپنے رب کو دیکھا تھا؟سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا تم نے ایسی بات کہی کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے کیا تم ان باتوں سے بھی ناواقف ہو؟جو شخص بھی تم میں سے یہ تین باتیں بیان کرے وہ جھوٹا ہے☆جو شخص یہ کہتا ہو کہ محمد ﷺ نے شب معراج میں اپنے رب کو دیکھا تھا وہ جھوٹا ہے۔پھر انہوں نے آیت﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ج وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (١٠٣) ﴾''نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں اور وہ سب نگاہوں کو پالیتا ہے اور وہ نہایت باریک بین،پوری خبر رکھنے والا ہے''(الانعام:103)سے لے کر﴿ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ ﴾''اور کسی انسان کی یہ طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُس سے کلام کرے مگر وحی سے یا پردے کے پیچھے سے''(الشوریٰ:51)تک کی تلاوت کی اور کہا کہ کسی انسان کے لئے ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے بات کرے سوا اس کے کہ وحی کے ذریعہ ہو یا پھر پردے کے پیچھے سے ہو۔اور جو شخص تم سے کہے کہ نبی ﷺ آنے والے کل کی بات جانتے تھے وہ بھی جھوٹا ہے۔اس کے لئے انہوں نے آیت﴿ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ط ﴾''اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کرے گا''(لقمان:34)یعنی اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا'' کی تلاوت فرمائی۔اور جو شخص تم سے کہے کہ نبی ﷺ نے تبلیغ دین میں کوئی بات چھپائی تھی وہ بھی جھوٹا ہے۔پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی۔﴿ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ط وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط اِنَّ اللّٰهَ

لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ (۶۷) ﴾''اے رسول! جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اُسے پہنچا دو اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچا لے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا'' (المائدہ:67) یعنی اے رسول! پہنچا دیجئے وہ سب کچھ جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر اتارا گیا ہے''۔ ہاں نبی ﷺ نے سیدنا جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں دو مرتبہ دیکھا تھا۔ (صحیح بخاری:4855) (7) سیدنا زر بن حبیش نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے آیت ﴿ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ﴾'' چنانچہ وہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے زیادہ قریب ہو گیا'' یعنی ''صرف دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا تھا بلکہ اور بھی کم۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ پر وحی نازل کی جو کچھ بھی نازل کیا'' کے متعلق بیان کیا کہ ہم سے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں دیکھا تھا ان کے چھ سو پر تھے۔ (صحیح بخاری:4856)

سوال2: یہ کیسے پتہ چلتا ہے کہ قَابَ قَوْسَیْنِ سے مراد نبی ﷺ کی سیدنا جبریل علیہ السلام سے قربت ہے؟

جواب: یہ آیت کے سیاق سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں صرف سیدنا جبریل علیہ السلام کی نبی ﷺ سے قربت کو بیان کیا گیا ہے۔

سوال3: قَابَ قَوْسَیْنِ کا واقعہ کس دور کا ہے؟

جواب: یہ واقعہ نبوت کے ابتدائی دور کا ہے جب نبی ﷺ نے سیدنا جبریل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل میں دیکھا تھا۔

سوال4: رسول اللہ ﷺ نے اس کے علاوہ کس موقع پر سیدنا جبریل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل میں دیکھا تھا؟

جواب: رسول اللہ ﷺ نے سیدنا جبریل علیہ السلام کو معراج کے موقع پر ان کی اصل شکل میں دیکھا تھا۔

﴿ فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی (10) ﴾

''سو اُس نے اللہ تعالیٰ کے بندے کی طرف وحی کی جو کچھ بھی اُس نے وحی کی'' (10)

سوال: ﴿ فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی ﴾''سو اُس نے اللہ تعالیٰ کے بندے کی طرف وحی کی جو کچھ بھی اُس نے وحی کی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ ﴾'' سو اُس نے اللہ تعالیٰ کے بندے کی طرف وحی کی'' یعنی رب العزت نے اپنے بندے محمد ﷺ پر جبرائیل علیہ السلام کے توسط سے اور بلا واسطہ جو وحی کی وہ حق ہے۔ (2) ﴿ مَآ اَوْحٰی ﴾'' جو کچھ بھی اُس نے وحی کی'' یعنی اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کی طرف جو احکامات بھیجے۔ پچھلی اقوام کی جو خبریں دیں، مستقبل کے بارے میں جو کچھ بتایا، جو شریعت دی، وہ سب حق ہے۔

﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى (11)﴾

''دل نے جھوٹ نہیں بولا جواُس نے دیکھا'' (11)

سوال1: ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى﴾ ''دل نے جھوٹ نہیں بولا جواُس نے دیکھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)''دل نے جھوٹ نہیں بولا جواُس نے دیکھا''یعنی آپ نے جبرائیل علیہ السلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، آپ کے مبارک دل نے حق کوقبول کیا اوراسے ہی بیان کیا۔(2) یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف جووحی بھیجی، اس پرآپ کا قلب مبارک، آپ کی رؤیت، آپ کی سماعت اورآپ کی بصارت متفق تھے۔ یہ اس وحی کے کامل ہونے کی دلیل ہے جواللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف بھیجی، نیزیہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے وحی کواس طرح حاصل کیا کہ اس میں کوئی شک وشبہ نہ تھا۔ آپ کی آنکھ مبارک نے جوکچھ دیکھا، آپ کے قلب مقدس نے اس کونہیں جھٹلایااورنہ اس میں کوئی شک ہی کیا۔ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مرادوہ بڑی بڑی آیات الٰہی ہوں جواس رات آپ کودکھائی گئیں جس رات آپ کوآسمانوں پرلے جایا گیا، آپ کواپنے قلب مبارک اوررؤیت کے ساتھ، اس کے حق ہونے کا یقین تھا، آیت کریمہ کی یہی تفسیر صحیح ہے۔(تفسیرسعدی:3/2642,2643)(3)اس سے یہ ثابت نہیں کہ آپ نے ظاہری آنکھوں سے اپنے رب کودیکھا ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قلب مبارک سے اپنے رب کودیکھا جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آیت: ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى'' (11)﴾ اور ﴿'وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى'' (13)﴾ ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ آپ نے رب تعالیٰ کا اپنے دل کے ساتھ دومرتبہ دیدارکیا۔(مسلم)

سوال2: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا دیکھا تھا جس میں دل نے جھوٹ نہیں ملایا؟

جواب: (1)رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا جبریل علیہ السلام کوان کی اصلی شکل میں دیکھا تھا۔اُن کے چھ سو پر تھے اورایک پرمشرق اورمغرب کے درمیان فاصلے جتنا تھا۔(2)رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کوتسلیم کرلیا تھا۔(3)رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل نے اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کونہیں جھٹلایا تھا۔

سوال3: یہ بات کیوں کہی گئی کہ''جوکچھ اُس نے دیکھا دل نے اُس میں جھوٹ نہیں ملایا''؟

جواب: جوچیز نظر سے دیکھی جاتی ہے اُس میں فریب ہوسکتا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دل سے بھی دیکھا تھا اوردل کی بات میں فریب نہیں ہوسکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل نے یقین کرلیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فرشتہ ہے، وحی لے کرآیا ہے۔

﴿اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى (12)﴾

''کیا پھر تم اس سے جھگڑتے ہو اس پر جسے وہ آنکھوں سے دیکھتا ہے''؟(12)

سوال:﴿ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى﴾ ''کیا پھر تم اس سے جھگڑتے ہو اس پر جسے وہ آنکھوں سے دیکھتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''کیا پھر تم اس سے جھگڑتے ہو اس پر جسے وہ آنکھوں سے دیکھتا ہے؟''یعنی نبی ﷺ نے جو کچھ شب معراج میں دیکھا وہ حق ہے۔ اس بنیاد پر بہت سے علماء رسول اللہ ﷺ کے لیے دنیا میں دیدار الٰہی کو ثابت کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اس سے مراد سیدنا جبرائیل ﷺ ہیں۔آپ ﷺ نے دو مرتبہ انہیں دیکھا۔سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، کیا آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:''وہ تو سراپا نور ہے، میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں؟(مسلم:443)

﴿ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى (13)﴾

''حالانکہ بلاشبہ یقیناً اُس (رسول) نے ایک مرتبہ اور بھی اُسے (جبریل) اُترتے ہوئے دیکھا تھا۔''(13)

سوال1:﴿ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى﴾''حالانکہ بلاشبہ یقیناً اُس (رسول) نے ایک مرتبہ اور بھی اُسے (جبریل) اُترتے ہوئے دیکھا تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''حالانکہ بلاشبہ یقیناً اُس (رسول) نے ایک مرتبہ اور بھی اُسے (جبریل) اُترتے ہوئے دیکھا تھا''یعنی نبی ﷺ نے جبرائیل کو دوسری بار بھی اپنی طرف اترتے دیکھا تھا۔(2) دوسری بار شب معراج میں دیکھا تھا پہلی بار غار حرا میں ابتدائے نبوت میں۔(تفسیر مراغی: 320/9)(3) مسروق سے روایت ہے کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا اے ایمان والوں کی ماں! کہ محمد ﷺ نے معراج کی رات میں اپنے رب کو دیکھا تھا؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا تم نے ایسی بات کہی کہ میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے کیا تم ان باتوں سے بھی ناواقف ہو؟ جو شخص بھی تم میں سے یہ تین باتیں بیان کرے وہ جھوٹا ہے جو شخص یہ کہتا ہو کہ محمد ﷺ نے شب معراج میں اپنے رب کو دیکھا تھا وہ جھوٹا ہے۔ پھر انہوں نے آیت ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ز وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ج وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (١٠٣)﴾''نگاہیں اس کو نہیں پاسکتیں اور وہ سب نگاہوں کو پالیتا ہے اور وہ نہایت باریک بین، پوری خبر رکھنے والا ہے''(الانعام:103) سے لے کر ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ﴾''اور کسی انسان کی یہ طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُس سے کلام کرے مگر وحی سے یا پردے کے پیچھے سے''(الشوریٰ:51) تک کی تلاوت کی اور کہا کہ کسی انسان کے لئے ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے بات کرے سوا اس کے کہ وحی کے ذریعہ ہو یا پھر پردے کے پیچھے سے ہو اور جو شخص تم سے کہے کہ نبی ﷺ آنے والے کل کی بات جانتے تھے وہ بھی جھوٹا ہے۔ اس کے لئے انہوں نے ﴿وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا﴾ یعنی''اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا'' کی تلاوت فرمائی۔☆ اور جو شخص تم میں سے کہے کہ نبی ﷺ نے تبلیغ دین میں کوئی بات چھپائی تھی وہ بھی جھوٹا ہے۔ پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی

﴿ یٰـاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ط وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَہٗ ط وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ﴿٦٧﴾ ﴾''اے رسول! جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اُسے پہنچا دو اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچالے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا'' (المائدہ:67) ہاں نبی ﷺ نے سیدنا جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں دو مرتبہ دیکھا تھا۔ (ترمذی:3278، صحیح بخاری:4855)

﴿عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَھٰی ﴿13﴾﴾

''انتہائی حد کی بیری کے پاس'' (13)

سوال: ﴿عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَھٰی﴾ ''انتہائی حد کی بیری کے پاس'' کی وضاحت کریں؟

جواب (1) ''انتہائی حد کی بیری کے پاس'' سدرہ المنتہیٰ عرش کے دائیں طرف ہے۔ کوئی فرشتہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ (ایسر التفاسیر:1539) (2) سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان پر بیری کا بہت بڑا درخت ہے اور اسے سدرۃ المنتہیٰ اس لیے کہا جاتا ہے کہ زمین سے جو چیز اوپر کی طرف عروج کرتی ہے، اس کے پاس آ کر رک جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وحی وغیرہ نازل ہوتی ہے یہاں آ کر ٹھہر جاتی ہے۔ یا اس بنا پر اسے سدرۃ المنتہیٰ کہا جاتا ہے کہ یہ مخلوقات کے علم کی انتہائی حد ہے، نیز اس نام سے موسوم کیے جانے کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہ آسمانوں اور زمین کے اوپر واقع ہے اور سدرۃ المنتہیٰ اس کی بلندی کی انتہا ہے، اس کے علاوہ بھی کوئی سبب ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم (تفسیر سعدی:2643/3)

﴿عِنْدَھَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی ﴿15﴾﴾

''اسی کے پاس ہمیشہ رہنے کی جنت ہے'' (15)

سوال: ﴿عِنْدَھَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی﴾ ''اسی کے پاس ہمیشہ رہنے کی جنت ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اسی کے پاس ہمیشہ رہنے کی جنت ہے'' جنت الماویٰ کے پاس نبی ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا۔ (2) وہ بلند روحوں شہدا، متقین اور اولیاء کا مقام ہے جو پاک ہے جہاں شیاطین اور خبیث روحیں نہیں جا سکتیں۔

﴿اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی ﴿16﴾﴾

''جب کہ سدرہ (بیری) کو ڈھانپ رہا تھا وہ جو ڈھانپ رہا تھا'' (16)

سوال:﴿ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴾ ”جب کہ سدرہ (بیری) کوڈھانپ رہاتھاوہ جوڈھانپ رہاتھا“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)”جب کہ سدرہ (بیری) کوڈھانپ رہاتھاوہ جوڈھانپ رہاتھا“یعنی اللہ تعالیٰ کے نور میں سے تھا جو چھا رہا تھا۔(ایسر التفاسیر:1539)(2)اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک عظیم چیز نے اسے ڈھانپ رکھا تھا جس کی صفت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو(معراج کے لئے) سیر کرائی گئی تو آپ ﷺ کوسدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیاجو کہ چھٹے آسمان میں واقع ہے۔زمین سے اوپر چڑھنے والی چیزاوراوپر سے نیچے آنے والی چیز یہاں آکررک جاتی ہے۔پھراسے لے جایاجاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿اِذْيَغْشَى السِّدْ رَةَ مَايَغْشٰى ﴾”جب کہ سدرہ(بیری) کوڈھانپ رہاتھاوہ جوڈھانپ رہاتھا“سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:یعنی سونے کے پتنگے۔راوی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کوتین چیزیں عطا کی گئیں:(ا)پانچ نمازیں۔(2)سورۃ البقرہ کی آخری آیتیں۔(3)اورآپ ﷺ کی امت میں ہرایک ایسے آدمی کوبخش دیا گیاجواللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کوشریک نہ کرے اور کبیرہ گناہوں سے بچارہے۔(صحیح مسلم:431)

﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى (17)﴾

”نگاہ نہ ہی اِدھراُدھرہوئی اورنہ ہی وہ حد سے بڑھی“۔(17)

سوال1:﴿ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴾” نگاہ نہ ہی اِدھراُدھرہوئی اورنہ ہی وہ حد سے بڑھی“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ مَا زَاغَ الْبَصَرُ ﴾” نگاہ نہ ہی اِدھراُدھرہوئی“یعنی نگاہ اپنے مقصد سے نہیں ہٹی۔(2)﴿وَمَا طَغٰى﴾” اورنہ ہی وہ حد سے بڑھی“اورنہ اپنے مقصودومطلوب سے آگے بڑھی۔(3)اورنہ نگاہ نے اپنے مقصود سے تجاوز ہی کیا۔یہ رسول اللہ ﷺ کا کمال ادب ہے کہ آپ اس مقام پرکھڑے رہے،جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کوکھڑاکیا،آپ اس مقام سے پیچھے ہٹے نہ اس سے تجاوز کیااورنہ ادھرادھرانحراف ہی کیا۔یہ کامل ترین ادب ہے جس میں آپ اولین وآخرین پرفوقیت لے گئے۔مندرجہ ذیل امور میں سے کسی ایک پرعمل کرنے سے کمال ادب میں خلل واقع ہوتا ہے۔(i)بندہ ان امور پرقائم نہ رہے جس کا اسے حکم دیا گیا ہے۔(ii)اس میں کوتاہی کرے۔(iii)اس میں افراط سے کام لے۔(iv)اس پرقائم رہتے ہوئے دائیں بائیں التفات کرے۔مذکورہ تمام امور میں سے ایک بھی نبی ﷺ کے اندرموجودنہ تھا۔(تفسیر سعدی:2643,2644/3)

سوال2:ربّ العزت نے رسول اللہ ﷺ کی نگاہوں کی کیاتعریف کی؟

جواب:ربّ العزت نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی نگاہیں نہ حد سے بڑھیں،نہ دائیں بائیں ہوئیں،نہ بلند ہوئیں۔جوحد آپ ﷺ کے لئے مقرر کی گئی تھی اسی کے اندر رہیں۔

﴿ لَقَدۡ رَاٰی مِنۡ اٰیٰتِ رَبِّہِ الۡکُبۡرٰی (18) ﴾

''بلاشبہ یقیناً اُس نے اپنے رب کی کچھ بہت بڑی نشانیاں دیکھیں'' (18)

سوال1: ﴿ لَقَدۡ رَاٰی مِنۡ اٰیٰتِ رَبِّہِ الۡکُبۡرٰی ﴾ ''بلاشبہ یقیناً اُس نے اپنے رب کی کچھ بہت بڑی نشانیاں دیکھیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''بلاشبہ یقیناً اُس نے اپنے رب کی کچھ بہت بڑی نشانیاں دیکھیں'' یعنی نبی ﷺ نے معراج کی رات بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کیا جن میں آیات الٰہی جنت، جہنم وغیرہ شامل ہیں۔ سفر معراج کے لیے رب العزت نے فرمایا: ﴿ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ﴾ ''پاک ہے وہ (اللہ) جو اپنے بندے کو ایک رات مسجدِ حرام سے دور کی اس مسجد تک لے گیا جس کے ماحول کو ہم نے برکت دی ہے تا کہ ہم اُسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں، بلاشبہ وہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ (بنی اسرائیل:1) (2) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے لیے براق لایا گیا۔ براق ایک سفید لمبا گدھے سے اونچا اور خچر سے چھوٹا جانور ہے۔ منتہائے نگاہ تک اپنے پاؤں رکھتا ہے۔ میں اس پر سوار ہو کر بیت المقدس آیا اور اسے اس حلقہ سے باندھا جس سے دوسرے انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے جانور باندھا کرتے تھے۔ پھر میں مسجد میں داخل ہوا۔ میں نے اس میں دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر میں نکلا تو سیدنا جبریل علیہ السلام دو برتن لائے ایک برتن میں شراب اور دوسرے برتن میں دودھ تھا۔ میں نے دودھ کو پسند کیا۔ سیدنا جبریل علیہ السلام کہنے لگے کہ آپ ﷺ نے فطرت کو پسند کیا۔ پھر سیدنا جبریل علیہ السلام ہمارے ساتھ آسمان کی طرف چڑھے۔ فرشتوں سے دروازہ کھولنے کے لیے کہا گیا تو فرشتوں نے پوچھا: آپ کون؟ کہا: جبریل علیہ السلام۔ کہا گیا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ کہا محمد ﷺ۔ فرشتوں نے پوچھا کہ کیا وہ بلائے گئے ہیں؟ کہا: ہاں بلائے گئے ہیں۔ پھر ہمارے لیے دروازہ کھولا گیا تو ہم نے سیدنا آدم علیہ السلام سے ملاقات کی۔ آدم علیہ السلام نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لیے دعائے خیر کی۔ پھر ہمیں دوسرے آسمان کی طرف چڑھایا گیا تو فرشتوں سے دروازہ کھولنے کے لیے کہا گیا تو پھر پوچھا آپ کون؟ کہا: جبریل علیہ السلام اور آپ کے ساتھ کون ہے؟ کہا محمد ﷺ۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا وہ بلائے گئے ہیں؟ ہاں بلائے گئے ہیں۔ پھر ہمارے لیے دروازہ کھولا گیا تو میں نے دونوں خالہ زاد بھائیوں سیدنا عیسیٰ ابن مریم اور سیدنا یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کو دیکھا۔ دونوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لیے دعائے خیر کی۔ پھر جبریل علیہ السلام ہمارے ساتھ تیسرے آسمان پر گئے تو دروازہ کھولنے کے لیے کہا گیا تو پوچھا گیا آپ کون ہیں؟ کہا جبریل۔ پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ کہا محمد ﷺ۔ فرشتوں نے پوچھا کیا بلائے گئے ہیں؟ کہا: ہاں بلائے گئے ہیں۔ پھر ہمارے لیے دروازہ کھولا گیا تو میں نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں حسن

کا آدھا حصہ عطا فرمایا تھا۔انہوں نے مجھے خوش آمدید کہااور میرے لیے دعائے خیر کی۔پھرہمیں چوتھے آسمان کی طرف چڑھایا گیا دروازہ کھولنے کے لیے کہا گیا تو پوچھا گیا آپ کون ہیں؟ کہا: جبریل علیہ السلام۔پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ کہا محمد ﷺ۔فرشتوں نے پوچھا: کیا بلائے گئے ہیں؟ کہا: ہاں بلائے گئے ہیں۔پھر ہمارے لیے دروازہ کھلا تو میں نے سیدنا ادریس علیہ السلام کو دیکھا۔انہوں نے مجھے خوش آمدید کہااور میرے لیے دعائے خیر کی۔سیدنا ادریس علیہ السلام کے بارے میں اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا (۵۷)﴾ ''اور ہم نے اُسے بہت عالی مقام تک بلند کیا'' (مریم:57) پھرہمیں پانچویں آسمان کی طرف چڑھایا گیا۔جب جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا تو پوچھا گیا آپ کون ہیں؟ کہا جبریل۔پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ کہا محمد ﷺ۔پوچھا گیا کیا بلائے گئے ہیں؟ کہاہاں بلائے گئے ہیں۔پھرہمارے لیے دروازہ کھولا تو میں نے سیدنا ہارون علیہ السلام کو دیکھا انہوں نے مجھے خوش آمدید کہااور میرے لیے دعائے خیر کی۔پھرہمیں چھٹے آسمان کی طرف چڑھایا گیا جب جبریل نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا تو پوچھا گیا کون؟ کہا جبریل۔پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ کہا محمد ﷺ۔پھر پوچھا کیا ان کو بلایا گیا ہے؟ کہاہاں بلائے گئے ہیں۔ہمارے لیے دروازہ کھولا تو میں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔انہوں نے مجھے خوش آمدید کہااور میرے لیے دعائے خیر کی۔پھرہمیں ساتویں آسمان کی طرف چڑھایا گیا۔جب جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھولنے کا کہا تو فرشتوں نے پوچھا کون؟ کہا جبریل۔پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ کہا محمد ﷺ۔پوچھا گیا کہ کیا ان کو بلایا گیا ہے؟ کہاہاں ان کو بلانے کا حکم ہوا ہے پھر ہمارے لیے دروازہ کھولا گیا تو میں نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بیت المعمور کی طرف پشت کیے اور ٹیک لگائے بیٹھے دیکھا اور بیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور انہیں دوبارہ آنے کا موقع نہیں ملتا (فرشتوں کی کثرت کی وجہ سے) پھر سیدنا جبریل علیہ السلام مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے گئے۔اس کے پتے ہاتھی کے کان کی طرح بڑے بڑے تھے اور اس کے پھل بیر جیسے اور بڑے گھڑے کے برابر تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب اس درخت کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ڈھانکا گیا تو اس کا حال ایسا پوشیدہ ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی کے لیے یہ ممکن نہیں کہ اس کے حسن (خوبصورتی) کو بیان کرسکے پھر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل فرمائی۔ہر دن رات میں پچاس نمازیں فرض فرمائیں۔پھر وہاں سے واپس موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا تو انہوں نے پوچھا کہ آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے کہا: پچاس نمازیں دن رات میں۔موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنے رب کے پاس واپس جا کر ان سے کم کا سوال کریں۔اس لیے کہ آپ ﷺ کی امت میں اتنی طاقت نہ ہوگی کیونکہ میں بنی اسرائیل کا تجربہ کرچکا اور آزماچکا ہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے پھر واپس جا کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ میری امت پر تخفیف فرمادیں تو اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں کم کردیں۔میں پھر واپس آکر موسیٰ علیہ السلام کے پاس گیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں کم کردیں۔موسیٰ علیہ السلام نے کہا آپ ﷺ کی امت میں اس کی بھی طاقت نہیں۔اپنے رب کے پاس جا کر ان میں تخفیف کا سوال کریں۔آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اس طرح اپنے اللہ تعالیٰ کے پاس سے موسیٰ علیہ السلام کے پاس اور موسیٰ کے پاس

سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آتا جاتا رہا اور پانچ پانچ نمازیں کم ہوتی رہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد! ہر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی گئی ہیں اور ہر نماز کا ثواب اب دس نمازوں کے برابر ہے۔اس طرح (ثواب کے اعتبار سے) پچاس نمازیں ہوگئیں اور جو آدمی کسی نیک کام کا ارادہ کرے مگر اس پر عمل نہ کر سکے تو میں اسے ایک نیکی کا ثواب عطا کروں گا اور جو آدمی برائی کا ارادہ کرے لیکن اس کا ارتکاب نہ کرے تو اس کے نامہ اعمال میں یہ برائی نہیں لکھی جاتی اور اگر برائی اس سے سرزد ہو جائے تو میں اس کے نامہء اعمال میں ایک ہی برائی لکھوں گا۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں پھر واپس سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور ان کو بتایا تو انہوں نے کہا کہ آپ اپنے رب کے پاس جا کر تخفیف کا سوال کریں تو رسول اللہ ﷺ فرمایا: میں اپنے پروردگار کے پاس (اس سلسلہ میں) بار بار آ جا چکا ہوں۔ یہاں تک کہ اب مجھے اس کے متعلق اپنے اللہ (عزوجل) کی بارگاہ میں عرض کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔(مسلم:411) (3) سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں جنت کی سیر کر رہا تھا کہ ایک نہر میرے سامنے لائی گئی، اس کے دونوں طرف موتیوں کے خیمے تھے۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا، یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا، یہ کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی ہے۔ پھر انھوں نے ہاتھ ڈالا اور اس کی مٹی نکالی تو وہ مشک تھی۔ پھر میرے لیے سدرۃ المنتہیٰ کو بلند کیا گیا اور میں نے اس پر ایک بڑا نور دیکھا۔'' (ترمذی:3360)

سوال 2: رسول اللہ ﷺ نے ربّ العزت کی نشانیوں میں سے کون سی بعض نشانیاں دیکھ لیں؟

جواب: رسول اللہ ﷺ نے: (1) سیدنا جبریل علیہ السلام کو دیکھا۔(2) سِدۡرَۃُ الۡمُنۡتَهٰی کو دیکھا۔(3) آپ ﷺ نے بعض واقعات دیکھے جیسے فرعون اور آلِ فرعون کو جہنم پر پیش ہوتے دیکھا، جیسے سود خور کا انجام، زنا کاروں کا انجام وغیرہ دیکھے جن کا تذکرہ صحیح احادیث میں ملتا ہے۔

﴿اَفَرَءَيۡتُمُ اللّٰتَ وَالۡعُزّٰى (19)﴾

''کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا؟'' (19)

سوال 1: ﴿اَفَرَءَيۡتُمُ اللّٰتَ وَالۡعُزّٰى﴾ ''کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا'' رب العزت نے نبی ﷺ پر نازل ہونے والی وحی یعنی ہدایت اور دین حق کا ذکر فرمانے کے بعد مشرکوں کے غلط عقائد کے باطل ہونے کو واضح فرمایا: یعنی وہ ہستیاں جو محض نام ہیں جن کی تم عبادت کرتے ہو جن کے اندر اور کوئی کمال نہیں جو نہ نفع دے سکتی ہیں اور نہ نقصان، جن کو مشرکوں کے آبا وَ اجداد نے اپنی طرف سے خدا بنا لیا ہے۔ان کے لیے نام بھی انہوں نے خود تجویز کیے اور لوگوں کو گمراہ کیا۔(2) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے لات اور عزیٰ کے حال میں کہا کہ ''لات'' ایک شخص کو کہتے تھے جو حاجیوں کے لیے ستو گھولتا تھا۔(بخاری:4859) (3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص قسم کھائے اور کہے کہ قسم ہے

لات اورعزیٰ کی تو اسے تجدید ایمان کے لئے کہنا چاہئے (لاالہ الااللہ) اور جو شخص اپنے ساتھی سے یہ کہے کہ آؤ جوا کھیلیں تو اسے صدقہ دینا چاہئے۔(صحیح بخاری:4860)(4) غزوہ احد کے موقع پر ابوسفیان نے کہا، ہمارے پاس عزیٰ (بت) ہے اور تمہارے پاس کوئی عزی نہیں۔آپ نے فرمایا اس کا جواب دو۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، کیا جواب دیں؟ آپ نے فرمایا کہ کہو، اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و مددگار ہے اور تمہارا کوئی حامی نہیں۔(بخاری:4043)(5) سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے لات اورعزیٰ کی قسم کھائی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کہو﴿لَااِلٰـهَ اِلّاَاللهُ وَحدَهُ لَاشَرِيكَ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِير ﴾ اپنی بائیں جانب تین بار تھوک دو اور (شیطان سے) اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو اور آئندہ ایسا نہ کرنا۔'' (نسائی:3803)

سوال2: یہاں مشرکین کے معبودوں کا تذکرہ کیوں کیا گیا ہے؟

جواب: یہ مشرکین کو ان کے عقیدے کے ناقص ہونے کا احساس دلانے کے لئے کہا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تو یہ شان ہے جس نے اپنے پیغمبر کو آسمانوں پر بُلا کر اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں۔وہی ربّ اُن پر وحی بھی نازل کرتا ہے اور دوسری طرف جن کی تم عبادت کرتے ہو، کیا ان کے اندر بھی ایسی خوبیاں پائی جاتی ہیں؟

سوال3: لات سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) لات سے مراد اہلِ عرب کا بت ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ سَتُّو گھولنے والا ایک نیک آدمی تھا جو حاجیوں کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا۔ جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اس کی قبر کو عبادت گاہ بنالیا۔پھر اس کے مجسمے اور بت بنالیے گئے۔(2) بعض کے نزدیک لات کا لفظ اللہ سے ماخوذ ہے۔(3) بعض کے نزدیک یہ لات یلیت سے ماخوذ ہے جس کے معنی ''موڑنے'' کے ہیں۔پجاری اس کی طرف گردنیں موڑتے ہیں۔

سوال4: لات کس قبیلے کا بُت تھا؟

جواب: لات بنوثقیف کا سب سے بڑا بُت تھا۔

سوال5: عُزّیٰ سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) عُزّیٰ اللہ تعالیٰ کے نام العزیز سے ماخوذ ہے۔اس کے معنی ہیں: عزیزہ۔(2) غطفان میں ایک درخت تھا جس کی عبادت کی جاتی تھی۔(3) کچھ لوگوں کے خیال میں یہ سفید پتھر تھا۔(4) کچھ کے خیال میں یہ بھوتنی تھی جو درختوں میں ظاہر ہوتی تھی۔

سوال6: عُزّیٰ کس قبیلے کا بُت تھا؟

جواب: عُزّیٰ قریش اور بنوکنانہ کا خاص معبود تھا۔

﴿ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی(20)﴾

''اور ایک تیسری منات کو؟'' (20)

سوال1:﴿ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی ﴾''اور ایک تیسری منات کو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)''اور ایک تیسری منات کو'' منات ایک بت تھا جو قدید کے پاس مکہ اور مدینہ کے درمیان متصل تھا۔ جاہلیت میں اوس اور خزرج اس کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور یہیں سے بیت اللہ کے حج کے لیے احرام باندھا کرتے تھے یہ ان کا میقات تھا۔ (مختصر ابن کثیر:1953/2)(2) عروہ نے بیان کیا کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ کچھ لوگ منات بت کے نام پر احرام باندھتے جو مقام مشلل میں تھا، وہ صفا اور مروہ کے درمیان (حج وعمرہ میں) سعی نہیں کرتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل کی۔ ''بے شک صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں'' چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے ان کے درمیان طواف کیا اور مسلمانوں نے بھی طواف کیا۔ سفیان نے کہا کہ ''مناۃ'' مقام قدید پر مشلل میں تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ اسلام سے پہلے انصار اور قبیلہ غسان کے لوگ منات کے نام پر احرام باندھتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ قبیلہ انصار کے کچھ لوگ منات کے نام کا احرام باندھتے تھے۔ منات ایک بت تھا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان رکھا ہوا تھا۔ اسلام کے بعد ان لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم منات کی تعظیم کے لیے صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہیں کیا کرتے تھے۔ (بخاری:4861)

سوال2: رسول اللہ ﷺ نے بُت پرستی کا خاتمہ کیسے کیا؟

جواب: (1) رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد تمام بتوں کا خاتمہ کیا۔ (2) بُتوں کے لئے جو عمارتیں اور قبے بنے ہوئے تھے انہیں مسمار کروادیا۔ (3) جن درختوں کی تعظیم کی جاتی تھی انہیں کٹوادیا۔ (4) جہاں جہاں بُت تھے وہاں وہاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، سیدنا جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ وغیرہ کو بھیجا تا کہ وہ بُتوں کے آثار اور مظاہر مٹادیں۔ لہٰذا انہوں نے جا کر بتوں سے متعلقہ سب کچھ ڈھادیا اور عرب سے شرک کا نام ونشان مٹادیا۔

﴿اَلَـكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰی(21)﴾

''کیا تمہارے لیے لڑکے ہوں اور اُس کے لیے لڑکیاں''؟ (21)

سوال1:﴿اَلَـكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰی﴾''کیا تمہارے لیے لڑکے ہوں اور اُس کے لیے لڑکیاں؟ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) کیا تمہارے لیے لڑکے ہوں اور اُس کے لیے لڑکیاں'' یعنی تم اپنے لیے تو بیٹے پسند کرتے ہو اور جس کی پیدائش پر تمہارے

اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔ وہ بیٹیاں رب کے نام منسوب کرتے ہو۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمۡ بِالۡاُنۡثٰى ظَلَّ وَجۡهُهٗ مُسۡوَدًّا وَّهُوَ كَظِيۡمٌ ‏(٥٨) يَتَوَارٰى مِنَ الۡقَوۡمِ مِنۡ سُوۡٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ط اَيُمۡسِكُهٗ عَلٰى هُوۡنٍ اَمۡ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ط اَلَا سَآءَ مَا يَحۡكُمُوۡنَ ‏(٥٩)﴾ ''اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں قرار دیتے ہیں، پاک ہے اس کی ذات! اور ان کے لیے وہی ہیں جو وہ چاہتے ہیں۔ اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری سُنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غم سے بھرا ہوتا ہے۔ اس خوش خبری کی برائی کی وجہ سے جو اسے دی گئی ہے وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کیا ذلت کے باوجود ہی اُسے رکھ چھوڑے یا اُسے مٹی میں دبا دے؟ سن لو ! بہت ہی بُرا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں''(النحل:57,59) ﴿اَفَاَصۡفٰكُمۡ رَبُّكُمۡ بِالۡبَنِيۡنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ط اِنَّكُمۡ لَتَقُوۡلُوۡنَ قَوۡلًا عَظِيۡمًا ‏(٤٠)﴾ ''کیا پھر تمہارے رب نے تمہیں بیٹوں کے لیے منتخب کیا ہے؟ اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنایا؟ بلاشبہ تم یقیناً بہت بڑی بات کہتے ہو۔(بنی اسرائیل:40)

﴿تِلۡكَ اِذًا قِسۡمَةٌ ضِيۡزٰى ‏(22)﴾

''تب تو یہ بڑی ناانصافی کی تقسیم ہے''(22)

سوال:﴿ تِلۡكَ اِذًا قِسۡمَةٌ ضِيۡزٰى ﴾ ''تب تو یہ بڑی ناانصافی کی تقسیم ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''تب تو یہ بڑی ناانصافی کی تقسیم ہے''یعنی اگر تم آپس میں بھی ایسی تقسیم کرو تو یہ ظالمانہ تقسیم ہے اس سے بڑھ کر کیا ظلم ہو سکتا ہے کہ خالق کے مقابلے میں مخلوق کو افضل سمجھتے ہو؟ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور بلند ہے ان باتوں سے جو لوگ ظالم ہیں۔

﴿اِنۡ هِىَ اِلَّاۤ اَسۡمَآءٌ سَمَّيۡتُمُوۡهَاۤ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ ط اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهۡوَى الۡاَنۡفُسُ ج وَلَقَدۡ جَآءَهُمۡ مِّنۡ رَّبِّهِمُ الۡهُدٰى ‏(23)﴾

''یہ(بت) کچھ نہیں سوائے چند ناموں کے جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، ان کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی نہیں وہ پیچھے چلتے مگر وہم و گمان کے اور جو ان کے دل چاہتے ہیں۔ حالانکہ بلاشبہ یقیناً اُن کے رب کی جناب سے اُن کے پاس ہدایت آ چکی ہے۔''(23)

سوال1:﴿ اِنۡ هِىَ اِلَّاۤ اَسۡمَآءٌ سَمَّيۡتُمُوۡهَاۤ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ ط ﴾ ''یہ(بت) کچھ نہیں سوائے چند ناموں کے جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، ان کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ اِنۡ هِىَ اِلَّاۤ اَسۡمَآءٌ سَمَّيۡتُمُوۡهَاۤ ﴾ ''یہ(بت) کچھ نہیں سوائے چند ناموں کے''یعنی یہ تو چند نام ہیں لات، منات، عزیٰ، جن کی کوئی حقیقت نہیں۔(2)﴿ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ ﴾ '' جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں''یعنی تم نے اور تمہارے

باپ دادا نے اپنی طرف سے نام گھڑے ہیں ورنہ وہ دیویاں معبود نہیں ہیں۔(3)﴿ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ﴾ ''ان کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی''، یعنی تمہارے مذہب کے اور تمہارے معبودوں کے صحیح ہونے کی کوئی دلیل تمہارے پاس نہیں ہے اور ہر وہ امر جس پر کوئی دلیل اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہ ہو وہ فاسد اور باطل ہوتا ہے اسے دین نہیں بنایا جا سکتا۔

سوال2: اللہ تعالیٰ نے بتوں کی حقیقت کیسے واضح کی ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ یہ صرف نام ہیں جو تم لوگوں نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں۔(2) اللہ تعالیٰ نے ان بتوں کے لئے کوئی دلیل نہیں اُتاری۔(3) بُت پرستی تو گمان کی پیروی ہے۔(4) بُت پرستی دراصل خواہش پرستی ہے۔

سوال3: ﴿ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ﴾ ''نہیں وہ پیچھے چلتے مگر وہم وگمان کے اور جو ان کے دل چاہتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ﴾ ''نہیں وہ پیچھے چلتے مگر وہم وگمان کے''، یعنی مشرک محض وہم وگمان خیال آرائیوں جہالت اور جھوٹ کی بنیاد پر بتوں کی بندگی کرتے ہیں۔(2)﴿ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ﴾ ''اور جو ان کے دل چاہتے ہیں''، یعنی ان کی دلیل ان کی خواہش نفس ہے۔(3) ان کے مشرکانہ عقائد، بدعات اور نظریات کی دلیل خواہش نفس ہے جو علم اور ہدایت کی کمی کی دلیل ہے۔ محض وہم وگمان سے جو خواہش نفس کی پیروی کو دین بنوا رہا ہے۔(4) ان کے مذہب کی غرض وغایت محض گمان کی پیروی ہے جو سفاہت اور ظلم ہے۔

سوال4: بت پرستی کی حقیقت واضح کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے بتوں کی بندگی سے روکنے کے لئے کیا دلیل دی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ دیکھو ان کے ربّ کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آ چکی ہے۔

سوال5: ﴿ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴾ ''حالانکہ بلاشبہ یقیناً اُن کے رب کی جناب سے اُن کے پاس ہدایت آ چکی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''حالانکہ بلاشبہ یقیناً اُن کے رب کی جناب سے اُن کے پاس ہدایت آ چکی ہے''، یعنی محمد ﷺ نے تمہیں سیدھا راستہ بتا دیا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے، وہ ایک ہے، اس نے تمہیں اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔(2) وہ ہدایت جو محمد ﷺ تمہیں دیتے ہیں وہ تمہارے رب کی جانب سے ہے۔ اس لیے اپنے مقصد زندگی کو پورا کرو۔ تم نے لوٹ کر رب کے پاس ہی جانا ہے۔

﴿اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى (24)﴾

''یا انسان کے لیے وہی ہے جس کی وہ خواہش کرتا ہے؟'' (24)

سوال1: ﴿ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴾ ''یا انسان کے لیے وہی ہے جس کی وہ خواہش کرتا ہے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)''یا انسان کے لیے وہی ہے جس کی وہ خواہش کرتا ہے''یعنی تم جھوٹی آرزوؤں میں گم ہو، خودفریبی میں مبتلا ہو ،نیکی کے دعوے سے نیکی پر ثواب نہیں ملتا۔(2) اللہ تعالیٰ نے اس بات کورد کیا ہے جو سمجھتا ہے کہ اس کی آرزوئیں پوری کرنے والا ہے۔رب العزت نے فرمایا:﴿ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴾ ''نہ تمہاری تمناؤں پر(مدار) ہے اور نہ اہلِ کتاب کی تمناؤں پر، جوکوئی بھی بُرا عمل کرے گا اُسے اُس کی سزادی جائے گی اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوانہ کوئی دوست پائے گا اور نہ کوئی مددگار''۔(النساء:123)

سوال2:''کیا انسان کے لئے وہی ہے جس کی وہ خواہش کرے؟''اس سے کیا مراد ہے؟

جواب:اس سے مراد ہے کہ اگران کی خواہش ہے کہ دنیا میں معبود انہیں فائدہ پہنچائیں تو بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟اس سے مراد یہ بھی ہے کہ اگران کی تمنا ہے کہ آخرت میں ان کی شفاعت کی جائے تو ایسا ممکن نہیں کہ ان کی چاہت پر شفاعت ہو جائے۔

﴿فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى (25)﴾

''سو آخرت اور دنیا تو بس اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں''(25)

سوال1:﴿فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ﴾''سو آخرت اور دنیا تو بس اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)''سو آخرت اور دنیا تو بس اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں''یعنی دنیا اور آخرت کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے جسے چاہتا ہے محروم کر دیتا ہے۔(2) اللہ تعالیٰ کا حکم ان کی آرزوؤں اور خواہشات کے تابع نہیں ہے۔(3)تمہاری آرزو یہ ہے کہ تمہارے معبود ایسے ہوں جو تم پر کوئی پابندی نہ لگائیں تو کیا یہ تمہاری تمنا پوری ہو سکتی ہے؟(4) کیا تمہیں یہ حق حاصل ہے کہ جسے چاہو معبود بنالو؟ کیا معبود کے لیے بھی انتخاب ہوگا؟۔(5) دنیا اور آخرت میں کلی اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

سوال2: یہ بات کیوں کہی گئی ہے کہ''اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے آخرت اور دنیا''؟

جواب: یہ بات اس لئے کہی گئی کہ جس کے ہاتھ میں دنیا وآخرت کے اختیارات ہیں، اس کی چاہت کے مطابق ہی سب کچھ ہوگا۔تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک وہ نہ چاہے۔

رکوع نمبر 6

﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْ م بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى(26)﴾

''اورآسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی کام نہیں آسکتی مگراُس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اجازت دے جس کے لیے چاہےاور پسند کرے''۔(26)

سوال:﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْ م بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى﴾ ''اورآسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی کام نہیں آسکتی مگراُس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اجازت دے جس کے لیے چاہےاور پسند کرے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا﴾ ''اورآسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی کام نہیں آسکتی'' جولوگ فرشتوں اور بتوں کی عبادت کرتے اور گمان کرتے ہیں کہ وہ قیامت کے روز ان کی سفارش کریں گے تو وہ جان لیں آسمان میں بےشمار فرشتے ہیں جو شفاعت کر ہی نہیں سکتے اگر اللہ تعالیٰ انہیں اجازت نہ دے۔(2)﴿اِلَّا مِنْ م بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى﴾ ''مگراُس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اجازت دے جس کے لیے چاہےاور پسند کرے'' شفاعت کی اجازت اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔رب العزت نے فرمایا:﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ط﴾''کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اُس کی جناب میں سفارش کرے۔(البقرہ:251)(3)﴿وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ﴾''اوراُس کے پاس کوئی شفاعت کام نہیں آئے گی مگر جس کے لیے وہ اجازت دے۔(سبا:23)(4)جب بڑے فرشتوں کا یہ حال ہے تو بتوں پر کیوں فخر کرتے ہو؟(5)شفاعت کے لیے دوشرائط کا مجتمع ہونا ضروری ہے:(i)شفاعت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی اجازت کا ہونا۔(ii)جس کی شفاعت کی جارہی ہو،اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا ہونا۔یہ امر متحقق ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف وہی عمل قبول کرتا ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اور صاحب شریعت ﷺ کے طریقے کے موافق ہو۔چنانچہ مشرکین شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سے بہرہ مند نہیں ہوسکیں گے کیونکہ انھوں نے خود ہی اپنے اوپر، سب سے رحیم ہستی کی رحمت کے دروازے بند کر لیے ہیں۔(تفسیر سعدی:2646)(5)﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ لا اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ (۲۸)﴾ ''وہ جانتا ہے جو اُن کے سامنے ہے اور جو اُن کے پیچھے ہے اور وہ سفارش نہیں کرتے مگر اس کے لیے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرے اور وہ اس کے خوف سے ڈرنے والے ہیں۔''(انبیاء:28)

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَیُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِیَةَ الْاُنْثٰی (27) ﴾

''یقیناً جولوگ آخرت پرایمان نہیں لاتے ، بلاشبہ وہ فرشتوں کے عورتوں کے سے نام رکھتے ہیں'' (27)

سوال:﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَیُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِیَةَ الْاُنْثٰی ﴾ ''یقیناً جولوگ آخرت پرایمان نہیں لاتے ، بلاشبہ وہ فرشتوں کے عورتوں کے سے نام رکھتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ﴾ ''یقیناً جولوگ آخرت پرایمان نہیں لاتے'' شرک کرنے والے آخرت پرایمان نہیں رکھتے کیونکہ وہ رسولوں کو جھٹلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان نہیں رکھتے۔ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھتے ہیں۔(2)﴿ لَیُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِیَةَ الْاُنْثٰی ﴾ ''بلاشبہ وہ فرشتوں کے عورتوں کے سے نام رکھتے ہیں'' وہ کہتے ہیں فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔انہوں نے فرشتوں کو خدائی اختیارات دے کران کی پرستش شروع کردی اور یہ نتیجہ نکالا کہ وہ حاجت روائی اور مشکل کشائی کر سکتی ہیں اور اگر قیامت آئی تو وہ سفارش کر کے ہمیں بچالیں گے۔انہوں نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی اولاد بنایا تو ان کی عزت نہیں کی۔(3)وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی وحی کا،رسولوں کی دی ہوئی تعلیم کا علم نہیں رکھتے۔وہ عقل اور فطرت سے بھی راہ نمائی نہیں لیتے۔(4)اللہ تعالیٰ بیوی اور اولاد سے پاک ہے۔اللہ تعالیٰ ایک ہے،وہ بے نیاز ہے نہ اس نے کسی کو جنم دیا اور نہ اسے کسی نے جنم دیا اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔(5)فرشتے اللہ تعالیٰ کے معزز اور مقرب بندے ہیں جو اس کی اطاعت پر مامور ہیں۔رب العزت نے فرمایا: ﴿لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (۶)﴾ ''جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے ،اور اُنہیں جو حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں۔(التحریم:6)

﴿وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ط اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ج وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا (28)﴾

''حالانکہ اُنہیں اُس کا کوئی علم نہیں، وہ محض اپنے ہی گمان کے پیچھے چلتے ہیں اور بلاشبہ گمان حق کی جگہ کچھ بھی کام نہیں دے سکتا''۔(28)

سوال:﴿ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ط اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ج وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا ﴾ '' حالانکہ اُنہیں اُس کا کوئی علم نہیں، وہ محض اپنے ہی گمان کے پیچھے چلتے ہیں اور بلاشبہ گمان حق کی جگہ کچھ بھی کام نہیں دے سکتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ﴾ '' حالانکہ اُنہیں اُس کا کوئی علم نہیں'' یعنی ان کے پاس شرک کی کوئی دلیل نہیں۔ان کے پاس نہ کتاب کا علم ہے نہ نبی کی ہدایت ہے،اور نہ عقل اور فطرت کی کوئی دلیل ہے۔(2)﴿اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ﴾'' وہ محض اپنے ہی گمان کے پیچھے چلتے ہیں'' مشرک صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں کیونکہ انہیں حق سے،اس کی اتباع سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ان کا مقصد تو صرف خواہشات کی پیروی کرنا ہے۔(3)﴿ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا ﴾ ''اور بلاشبہ گمان حق کی جگہ کچھ بھی کام نہیں دے سکتا'' گمان حق کے مقابلے میں کوئی کام اس لیے نہیں دیتا کیونکہ گمان کے لیے کوئی دلیل نہیں ہوتی اور حق کے لیے ایسا یقین ہونا ضروری ہے

جس کے لیے روشن دلائل ہوں۔(4)رب العزت نے فرمایا:﴿ یٰٓاَ یُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ز اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا ط اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْہُ ط وَاتَّقُوا اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ (۱۲)﴾''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بہت گمان کرنے سے بچو، بلاشبہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور جاسوسی نہ کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ سو تم اُس کو ناپسند کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو یقیناً اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔(الحجرات:12)(5)رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''بدگمانی سے بچتے رہو، بدگمانی اکثر تحقیق کے بعد جھوٹی بات ثابت ہوتی ہے اور کسی کے عیوب ڈھونڈنے کے پیچھے نہ پڑو، کسی کا عیب خواہ مخواہ نہ ٹٹولو اور کسی کے بھاؤ پر بھاؤ نہ بڑھاؤ اور حسد نہ کرو، بغض نہ رکھو، کسی کی پیٹھ پیچھے برائی نہ کرو بلکہ سب اللہ تعالیٰ کے بندے آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔(بخاری:6066)

﴿فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی ۵ عَنْ ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا (29)﴾

''چنانچہ اس سے منہ پھیر لو جو ہماری نصیحت سے منہ موڑتا ہے اور دنیا کی زندگی کے سوا کچھ نہیں چاہتا''۔(29)

سوال:﴿فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی ۵ عَنْ ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ﴾''چنانچہ اس سے منہ پھیر لو جو ہماری نصیحت سے منہ موڑتا ہے اور دنیا کی زندگی کے سوا کچھ نہیں چاہتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی ۵ عَنْ ذِکْرِنَا﴾ ''چنانچہ اس سے منہ پھیر لو جو ہماری نصیحت سے منہ موڑتا ہے''یعنی قرآن اور ہماری عبادت سے۔(ایسرالتفاسیر)(2)یعنی آپ ان سے منہ موڑ لیں جنہوں نے حق سے منہ موڑا ہے اور اسے چھوڑ دیا ہے۔(3)ذکر سے مراد قرآن کریم بھی ہوسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی اور رسول اللہ کی زبان سے حق کی دعوت بھی گویا ایسے شخص نے نفع مند علم سے منہ موڑ لیا۔(4)﴿ وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا﴾ ''اور دنیا کی زندگی کے سوا کچھ نہیں چاہتا''یعنی جس کے ارادے کی انتہا دنیا ہے اس پر اپنا وقت ضائع نہ کریں۔(5)انسان صرف اسی چیز کے لیے عمل کرتا ہے جس کے لیے وہ ارادہ کرتا ہے۔(6)ان کی کوشش، ان کی دوڑ دھوپ، دنیا کی لذتیں اور شہوات ہیں۔ جہاں سے بھی اس مقصد کے حصول میں آسانی ہوگی یہ اسی طرف لپکیں گے۔(7)رب العزت نے ان کی ذہنیت کو واضح فرمایا ہے۔ وہ کہتے ہیں﴿اِنْ ھِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ﴾ ''زندگی تو بس ہماری دنیا کی زندگی ہے اور ہم ہرگز اُٹھائے جانے والے نہیں ہیں۔(الانعام:29)اور یہ کہ رب العزت کا فرمان ہے:﴿ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ﴾ ''کیا دنیا کی زندگی پر راضی ہوگئے ہو''؟(التوبہ:38)(8)سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ نے فرمایا: نبی ﷺ فرماتے ہیں دنیا اس کا گھر ہے جس کا (آخرت میں) گھر نہ ہو اور دنیا اس کا مال ہے جس کا مال (آخرت میں) نہ ہو(مسند احمد)(9)سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

کہ رسول اللہ ﷺ (ایک مرتبہ) بازار سے گزرتے ہوئے کسی بلندی سے مدینہ منورہ میں داخل ہو رہے تھے اور صحابہ کرام آپ ﷺ کے دونوں طرف تھے۔ آپ ﷺ نے بھیڑ کا ایک بچہ جو چھوٹے کانوں والا تھا اسے مرا ہوا دیکھا۔ آپ ﷺ نے اس کا کان پکڑ کر فرمایا: تم میں سے کون اسے ایک درہم میں لینا پسند کرے گا صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ہم میں کوئی بھی اسے کسی چیز کے بدلے میں لینا پسند نہیں کرتا اور ہم اسے لے کر کیا کریں گے۔ (کیونکہ یہ تو مردار ہے۔) آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ یہ تمہیں مل جائے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا: اللہ کی قسم! اگر یہ (بھیڑ کا بچہ) زندہ بھی ہوتا تو پھر بھی اس میں عیب تھا کیونکہ اس کا کان چھوٹا ہے حالانکہ اب تو یہ مردار ہے (اسے کون لے گا؟) آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ دنیا اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے کہ جس طرح تمہارے نزدیک یہ مردار ذلیل ہے۔ (مسلم:7418) (10) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی کسی مجلس سے کھڑے ہوتے تو یہ دعا کرتے: ﴿اَللّٰھُمَّ لَاتَجْعَلِ الدُّنْیَا اَکْبَرَ ھَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا﴾ " اے اللہ! ہمارا سب سے بڑا مقصود اور ہمارے علم کی انتہا دنیا ہی کو نہ بنا دینا" (ترمذی:3502)

﴿ ذٰلِکَ مَبْلَغُھُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ط اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَھُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اھْتَدٰی(30)﴾

"یہ اُن کے علم کی حد ہے، بلاشبہ آپ کا رب ہی خوب جانتا ہے کہ اُس کے راستے سے کون بھٹک گیا ہے اور وہی خوب جانتا ہے کہ راہِ راست پر کون ہے"؟(30)

سوال: ﴿ ذٰلِکَ مَبْلَغُھُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ط اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَھُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اھْتَدٰی﴾ "یہ اُن کے علم کی حد ہے، بلاشبہ آپ کا رب ہی خوب جانتا ہے کہ اُس کے راستے سے کون بھٹک گیا ہے اور وہی خوب جانتا ہے کہ راہِ راست پر کون ہے" کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿ ذٰلِکَ مَبْلَغُھُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ط﴾ "یہ اُن کے علم کی حد ہے" یعنی ان کے علم کا مقصد اور منتہا یہی ہے کہ وہ دنیا طلب کریں۔ یہی لوگ دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔ وہ ایسے علوم حاصل کرتے ہیں جس کی وجہ سے زیادہ مال و دولت کما سکیں جب کہ اس کے مقابلے میں عقل مند لوگوں کی ہمتیں اور ارادے آخرت کے لیے رہتے ہیں۔ اور وہ قرآن و سنت جیسے افضل علوم حاصل کرتے ہیں۔ (2) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی کسی مجلس سے کھڑے ہوتے تو یہ دعا کرتے: ﴿اَللّٰھُمَّ لَاتَجْعَلِ الدُّنْیَا اَکْبَرَ ھَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا﴾ "اے اللہ! ہمارا سب سے بڑا مقصود اور ہمارے علم کی انتہا دنیا ہی کو نہ بنا دینا" (ترمذی، کتاب الدعوات:3502) (3) ﴿ اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَھُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اھْتَدٰی﴾ "بلاشبہ آپ کا رب ہی خوب جانتا ہے کہ اُس کے راستے سے کون

بھٹک گیا ہے اور وہی خوب جانتا ہے کہ راہِ راست پر کون ہے'' یعنی اگر وہ یہ سمجھیں کہ وہی صحیح راستے پر ہیں تو یہ فیصلہ کرنا ان کا اختیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنی مخلوق کو بہتر طور پر جانتا ہے کہ ہدایت یافتہ کون ہے اور گمراہ کون۔ وہ ساری کائنات کا خالق ہے جسے چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے، جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔

﴿ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ لا لِيَجْزِیَ الَّذِيْنَ اَسَآءُ وْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِیَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰی (31)﴾

''اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تا کہ جنہوں نے برائیاں کیں اُنہیں اس کا بدلہ دے جوانہوں نے عمل کیا اور جن لوگوں نے بھلائی کی انہیں بھلائی کے ساتھ بدلہ دے''۔(31)

سوال1:﴿وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ لا لِيَجْزِیَ الَّذِيْنَ اَسَآءُ وْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِیَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰی﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تا کہ جنہوں نے برائیاں کیں اُنہیں اس کا بدلہ دے جوانہوں نے عمل کیا اور جن لوگوں نے بھلائی کی انہیں بھلائی کے ساتھ بدلہ دے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے'' اللہ رب العزت نے آگاہ فرمایا ہے کہ وہی دنیا کا خالق و مالک ہے۔ وہی بادشاہ، اقتدار کا مالک ہے۔ وہ اپنی مخلوقات میں جیسے چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔ وہ بندوں پر انصاف سے حکومت کرتا ہے۔ وہ شرعی احکام جاری کرتا ہے، ان پر اپنی تقدیر کو نافذ کرتا ہے۔ وہ فرماں بردار کو ثواب اور نافرمان کو عذاب دیتا ہے۔(2)﴿تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِيَدِهِ الْمُلْکُ ز وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرُ (۱) نِالَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَکُمْ اَيُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ (۲)﴾ ''بڑا بابرکت ہے وہ کہ جس کے ہاتھ میں تمام بادشاہت ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ وہ ذات جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ اچھا ہے؟ اور وہ سب پر غالب، بے حد بخشنے والا ہے۔(الملک:1,2)(3)﴿ لِيَجْزِیَ الَّذِيْنَ اَسَآءُ وْا بِمَا عَمِلُوْا﴾ ''تا کہ جنہوں نے برائیاں کیں اُنہیں اس کا بدلہ دے جوانہوں نے عمل کیا'' اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا اس لیے بنائی ہے تا کہ آخرت میں بروں کو ان کی برائی کا بدلہ دے۔(4)﴿وَيَجْزِیَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰی﴾ ''اور جن لوگوں نے بھلائی کی انہیں بھلائی کے ساتھ بدلہ دے'' اور اچھے لوگوں کو جنہوں نے اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور مخلوق کو نفع پہنچایا انہیں ان کی اچھائیوں کا بدلہ دے۔(5) سب سے بڑا بدلہ اللہ تعالیٰ کی رضا، جنت اور اس کی نعمتیں ہیں۔ رب العزت نے فرمایا ﴿ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِيَادَةٌ ط وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ط اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (۲۶)﴾ ''جن لوگوں نے نیکی کی اُن کے لیے نہایت اچھا بدلہ ہے اور کچھ

مزید ہے اور اُن کے چہروں کو نہ کوئی سیاہی ڈھانپے گی اور نہ کوئی ذلت، یہی لوگ جنت والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔‘‘ (یونس:26) (6) ﴿نَبِّئۡ عِبَادِیۡۤ اَنِّیۡۤ اَنَا الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۴۹﴾ وَ اَنَّ عَذَابِیۡ هُوَ الۡعَذَابُ الۡاَلِیۡمُ ﴿۵۰﴾﴾ ’’آپ میرے بندوں کو بتا دیں بلاشبہ میں بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہوں۔ اور یقیناً میرا عذاب وہ دردناک عذاب ہے۔ (الحجر:49,50)

سوال2: اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان پر اپنے اختیارات کی بات کی ہے، حکمت واضح کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان پر اپنے اختیار کی بات اس لئے کی ہے تاکہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ فیصلے کے اختیارات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور لوگ تسلیم کرلیں کہ ان کی زندگیوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق دنیا پرستوں کو دوست نہیں بنانا۔

﴿اَلَّذِیۡنَ یَجۡتَنِبُوۡنَ کَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ وَ الۡفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الۡمَغۡفِرَۃِ ؕ هُوَ اَعۡلَمُ بِکُمۡ اِذۡ اَنۡشَاَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ وَ اِذۡ اَنۡتُمۡ اَجِنَّۃٌ فِیۡ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِکُمۡ ۚ فَلَا تُزَکُّوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی (32)﴾

’’وہ لوگ جو کسی چھوٹے سے گناہ کے سوا بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں، یقیناً تیرا رب وسیع مغفرت والا ہے، وہ تمہیں اُس وقت سے زیادہ جاننے والا ہے جب اُس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں بچے تھے، سو اپنے نفس کی پاکیزگی کے دعوے نہ کرو، وہ زیادہ جاننے والا ہے، اس کو جس نے تقویٰ اختیار کیا۔‘‘ (32)

سوال1: ﴿اَلَّذِیۡنَ یَجۡتَنِبُوۡنَ کَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ وَ الۡفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الۡمَغۡفِرَۃِ ؕ﴾ ’’وہ لوگ جو کسی چھوٹے سے گناہ کے سوا بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں، یقیناً تیرا رب وسیع مغفرت والا ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَلَّذِیۡنَ یَجۡتَنِبُوۡنَ کَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ وَ الۡفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ﴾ ’’وہ لوگ جو کسی چھوٹے سے گناہ کے سوا بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں‘‘ اللہ رب العزت نے اس آیت میں اخلاص کے ساتھ عمل کرنے والوں کی تعریف کی ہے کہ وہ بڑے بڑے گناہوں سے بچتے ہیں۔ یعنی وہ گناہ جس پر کوئی حد ہو یا اس کے کرنے والے پر لعنت کی گئی ہو یا اس پر آخرت میں عذاب کی وعید دی گئی ہو۔ (2) یہ وہ لوگ ہیں جو حرام کام نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں سے اگر کوئی چھوٹا گناہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دیتا ہے اور ان پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ (3) ﴿اللَّمَمَ﴾ سے مراد ایسے چھوٹے گناہ ہیں جو بندہ بار بار نہیں کرتا۔ (4) رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا کَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُکَفِّرۡ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ وَ نُدۡخِلۡکُمۡ مُّدۡخَلًا کَرِیۡمًا ﴿۳۱﴾﴾ ’’اگر تم اُن بڑے بڑے گناہوں سے بچ جاؤ جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمہاری چھوٹی برائیاں تم سے دور کر دیں گے اور تمہیں بڑی باعزت داخلے کی جگہ میں داخل کریں گے۔‘‘ (النساء:31) (5) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' سات گناہوں سے جو تباہ کر دینے والے ہیں' بچتے

رہو۔صحابہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا یارسول اللہ! وہ کون سے گناہ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا' جادو کرنا' کسی کی ناحق جان لینا کہ جسے اللہ تعالیٰ نے حرام،قرار دیا ہے' سود کھانا' یتیم کا مال کھانا' لڑائی میں سے بھاگ جانا' پاک دامن بھولی بھالی ایمان والی عورتوں پر تہمت لگانا۔(صحیح بخاری:2766)(6)﴿اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الۡمَغۡفِرَةِ﴾" یقیناً تیرا رب وسیع مغفرت والا ہے"یعنی وہ گناہ گاروں کو وسعت سے معاف کرنے والا ہے جن کے گناہ فواحش اور کبائر تک نہیں پہنچتے۔(جامع البیان:73/27)(7)اگر اللہ تعالیٰ کی مغفرت نہ ہوتی تو اس کے بندے ہلاک ہو جاتے۔اگر اس کا عفو نہ ہوتا تو زمین میں کوئی جاندار زندہ نہ بچتا۔(8)اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ تمھارے ان احوال کا علم رکھتا ہے،حکمت الٰہی اور جود ربانی کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ اپنی رحمت ومغفرت،اپنے عفو ودرگزر اور اپنے احسان سے ڈھانپ لے اور تم سے تمام جرائم اور گناہوں کو دور کر دے۔خاص طور پر جب کہ ہر وقت بندے کا مقصد اپنے رب کی رضا کا حصول ہو،ہر آن ایسے اعمال کی کوشش کرنا ہو جو اس کے قریب کرتے ہیں اور ایسے گناہوں سے فرار ہونا ہو جو اس کے آقا کی ناراضی کا باعث بنتے ہیں،پھر اس سے لغزش صادر ہو جائے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا کریم اور سب سے بڑا جواد ہے وہ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ رحیم ہے جتنی ماں اپنے بچے پر ہوتی ہے۔پس اس قسم کے شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے رب کی مغفرت کے قریب رہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے تمام احوال میں اس کی دعائیں قبول کرے۔(تفسیر سعدی:2648،2649/3)(9)رب العزت کا فرمان ہے:﴿قُلۡ يٰعِبَادِىَ الَّذِيۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِيۡعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ (۵۳)﴾" آپ کہہ دیں کہ اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی،اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ،یقیناً اللہ تعالیٰ سب کے سب گناہوں کو بخش دیتا ہے۔یقیناً وہی بڑا بخشنے والا،نہایت رحم والا ہے۔(الزمر:53)(10)نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:"پانچوں نمازیں،جمعہ سے جمعہ تک اور رمضان سے رمضان تک،ان کے درمیان ہونے والے تمام(صغیرہ)گناہوں کا کفارہ ہیں،اگر کبائر سے اجتناب کیا جائے۔"(صحیح مسلم:233)

سوال2:﴿هُوَ اَعۡلَمُ بِكُمۡ اِذۡ اَنۡشَاَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ وَاِذۡ اَنۡتُمۡ اَجِنَّةٌ فِىۡ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ ۚ فَلَا تُزَكُّوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ ؕ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى﴾" وہ تمھیں اُس وقت سے زیادہ جاننے والا ہے جب اُس نے تمھیں زمین سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں بچے تھے،سو اپنے نفس کی پاکیزگی کے دعوے نہ کرو،وہ زیادہ جاننے والا ہے،اس کو جس نے تقویٰ اختیار کیا" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿هُوَ اَعۡلَمُ بِكُمۡ اِذۡ اَنۡشَاَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ وَاِذۡ اَنۡتُمۡ اَجِنَّةٌ فِىۡ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ﴾"وہ تمھیں اُس وقت سے زیادہ جاننے والا ہے جب اُس نے تمھیں زمین سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں بچے تھے"یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے حالات خوب جانتا ہے۔اس نے تمھیں اور تمہاری جبلتوں کو پیدا کیا،وہ تمہاری سستی اور کمزوری کو،حرام کاموں کی طرف راغب کرنے والے جذبات کو خوب جانتا ہے۔وہ جانتا ہے تمھیں اس وقت سے جب سے اس نے تمھیں زمین سے نکالا ہے اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں تھے کہ تمہارے اندر

کمزوری ہے۔(3) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو وعدہ کیا گیا وہ بھی سچا تھا ’’تم میں سے ہر ایک کا مادہ (نطفہ) اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس روز جمع کیا جاتا ہے۔ پھر چالیس دن تک وہ خون کی پھٹکی رہتا ہے۔ پھر چالیس دن تک گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو بھیجتا ہے اور اسے چار باتیں لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس کے اعمال کیسے ہوں گے؟ رزق کتنا ہوگا؟ عمر کتنی ہوگی؟ اور آیا وہ نیک بخت ہوگا یا بدبخت؟ پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے پھر (دنیا میں آنے کے بعد) تم میں سے کوئی ایسا ہوتا ہے جو زندگی بھر تک نیک کام کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ بہشت اس سے ایک ہاتھ کے فاصلہ پر رہ جاتی ہے۔ پھر تقدیر کا لکھا اس پر غالب آجاتا ہے تو وہ کوئی دوزخیوں کا سا کام کر بیٹھتا ہے۔ اور کوئی بندہ زندگی بھر برے کام کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ دوزخ اس سے ایک ہاتھ کے فاصلہ پر رہ جاتی ہے پھر تقدیر کا لکھا غالب آتا ہے اور وہ بہشتیوں کا سا کام کرتا ہے۔‘‘ (اور بہشت میں چلا جاتا ہے۔ (بخاری کتاب بدء الخلق) (4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم جنگ خیبر میں موجود تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ساتھی (قزمان) کے حق میں فرمایا جو اسلام کا دعوی کرتا تھا (لیکن حقیقتاً منافق تھا) کہ یہ شخص دوزخی ہے۔ یہ شخص خوب جم کر لڑا اور زخمی ہوا حتیٰ کہ بعض لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک سے متعلق شک پیدا ہونے لگا۔ پھر لوگوں نے اسے اس حال میں دیکھا کہ جب اسے زخموں سے زیادہ تکلیف ہوئی تو اس نے اپنی ترکش میں ہاتھ ڈال کر ایک تیر نکالا اور اس سے اپنی گردن کو زخمی کر کے خودکشی کر لی۔ یہ صورت حال دیکھ کر کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے پاس دوڑتے ہوئے آئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سچی کی۔ اس شخص نے خودکشی سے اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا: ’’اٹھ اور لوگوں میں منادی کر دے ’’بہشت میں وہی جائے گا جو مومن ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت یہ ہے کہ وہ بدکار آدمی سے بھی اپنے دین کی مدد کرا دیتا ہے۔ (بخاری کتاب المغازی) (5) ﴿فَلَا تُزَكُّوٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ ’’سو اپنے نفس کی پاکیزگی کے دعوے نہ کرو‘‘ یعنی لوگوں کو اپنے نفس کی پاکیزگی کی خبریں نہ دو تاکہ لوگ تمہاری تعریف کریں۔ (6) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ط بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا (۴۹)﴾ ’’کیا آپ نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو پاک کہتے ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے پاک کرتا ہے اور ان پر ایک دھاگے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (النساء:49) (7) محمد بن عمرو بن عطاء کہتے ہیں کہ میں نے اپنی بیٹی کا نام برہ رکھا تو زینب بنت ابی سلمہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نام سے منع کیا ہے۔ میرا نام بھی برہ رکھا گیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ’’اپنی پاکی نہ جتایا کرو، اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم میں سے نیک کون ہے۔‘‘ لوگوں نے کہا کہ پھر ہم اس کا نام کیا رکھیں؟ آپ نے فرمایا: ’’اس کا نام زینب رکھو۔‘‘ (مسلم:5609) (8) ﴿هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى﴾ ’’وہ زیادہ جاننے والا ہے اس کو جس نے تقویٰ اختیار کیا‘‘ تزکیہ کی اصل تقویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کے تقویٰ کو زیادہ جانتا ہے۔ (9) جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے اسے وہ خوب جانتا ہے۔ (10) تقوی کا مقام دل ہے، اللہ تعالیٰ اس سے مطلع ہے۔ دل کے اندر جو نیکی، بدی یا تقویٰ موجود ہے، اللہ تعالیٰ اس کی جزا دے

گا۔رہے لوگ تو وہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تمھارے کسی کام نہیں آسکتے۔(تفسیر سعدی:2649/3)

رکوع نمبر 7

﴿ اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ تَوَلّٰی (33)﴾

''تو کیا آپ نے دیکھا اُس شخص کو جس نے مُنہ موڑا؟''(33)

سوال1:﴿ اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ تَوَلّٰی ﴾''تو کیا آپ نے دیکھا اُس شخص کو جس نے مُنہ موڑا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ تَوَلّٰی ﴾ ''تو کیا آپ نے دیکھا اُس شخص کو جس نے مُنہ موڑا''یعنی کیا آپ نے ایسے شخص کو دیکھا ہے جس نے اسلام میں داخل ہونے کے بعد اس سے منہ پھیرا، جب کہ اسے اپنے رب کی عبادت کا اور توحید کا حکم دیا گیا تھا۔(2) یعنی جس نے حق کی پیروی کرنے اور اس پر ثابت قدم رہنے سے انکار کیا۔(تفسیر ابی السعود:169/6)(3) مجاہد رحمتہ اللہ علیہ اور ابن زید رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ولید مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جب اس نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے دین محمدی کو قبول کیا۔(تفسیر منیر:137/14)

سوال2:﴿ الَّذِیْ تَوَلّٰی ﴾ سے مراد کون ہے؟

جواب:اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو دینِ اسلام کے راستے میں خرچ کرے پھر رُک جائے۔اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا شخص قابلِ تعجب ہے۔

﴿ وَاَعْطٰی قَلِیْلًا وَّاَکْدٰی (34)﴾

''اور اس نے تھوڑا سا دیا اور رُک گیا۔''(34)

سوال1:﴿ وَاَعْطٰی قَلِیْلًا وَّاَکْدٰی ﴾''اور اس نے تھوڑا سا دیا اور رُک گیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اور اس نے تھوڑا سا دیا اور رُک گیا''اکدیٰ کدیہ سے مشتق ہے۔ کدیہ اس سخت پتھر کو کہا جاتا ہے جو کوئی کنواں یا بنیاد کھودتے ہوئے زمین میں نکل آئے اور کھدائی کے لئے رکاوٹ بن جائے۔اس لئے اکدیٰ کے معنی یہ ہوئے کہ پہلے کچھ دیا پھر دینے سے رک گیا۔(تفسیر معارف القرآن:216/8)(2) اگر اس کا نفس قلیل سے عمل پر آمادہ ہوا بھی تو اس پر قائم نہ رہا بلکہ اس نے بخل سے کام لیا اور اپنے ہاتھ کو روک لیا کیونکہ احسان اس کی عادت اور فطرت نہیں،اس کی فطرت تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روگردانی اور نیکی پر عدم ثبات ہے۔بایں ہمہ وہ اپنے نفس کو پاک گردانتا ہے اور اسے وہ منزلت عطا کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے عطا نہیں کی ۔ (تفسیر سعدی:2651/3) (3) یعنی

اللہ تعالیٰ کے راستے میں جس نے مال خرچ نہیں کیا اور بخیل بن گیا۔ کبھی کبھار تھوڑا سا دیا اور رک گیا۔

﴿ اَعِنۡدَهٗ عِلۡمُ الۡغَيۡبِ فَهُوَ يَرٰى (35)﴾

''کیا اُس کے پاس غیب کا علم ہے کہ وہ دیکھ رہا ہے؟'' (35)

سوال1: ﴿ اَعِنۡدَهٗ عِلۡمُ الۡغَيۡبِ فَهُوَ يَرٰى ﴾ ''کیا اُس کے پاس غیب کا علم ہے کہ وہ دیکھ رہا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''کیا اُس کے پاس غیب کا علم ہے کہ وہ دیکھ رہا ہے''، یعنی کیا بخیل کے پاس علم غیب ہے جس کی وجہ سے وہ مستقبل میں دیکھ رہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا تو فقیر ہو جاؤں گا؟ یہی ڈر تو ہے جس نے خرچ کرنے سے روک کر نیکیوں کا سلسلہ روکا ہوا ہے۔ صدقے کا سلسلہ بخل کی وجہ سے رکتا ہے کیونکہ غیب کا علم تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس نہیں۔ (2) نبی ﷺ نے فرمایا: حلال خرچ کرتا رہ۔ عرش والے کی طرف سے کمی کا اندیشہ نہ کرو۔ (ریفرینس:) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنَا فِىۡ قَرۡيَةٍ مِّنۡ نَّذِيۡرٍ اِلَّا قَالَ مُتۡرَفُوۡهَا ۙ اِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ كٰفِرُوۡنَ (۳۴) وَقَالُوۡا نَحۡنُ اَكۡثَرُ اَمۡوَالًا وَّاَوۡلَادًا ۙ وَّمَا نَحۡنُ بِمُعَذَّبِيۡنَ (۳۵) قُلۡ اِنَّ رَبِّىۡ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ (۳۶)﴾ ''اور ہم نے کسی بستی میں کوئی خبردار کرنے والا نہیں بھیجا مگر اُس کے خوش حال لوگوں نے کہا: ''یقیناً ہم اُس کا کفر کرنے والے ہیں جس کے ساتھ تمہیں بھیجا گیا ہے۔'' اور انہوں نے کہا: ''ہم مال اور اولاد میں زیادہ ہیں اور ہم ہرگز عذاب دیے جانے والے نہیں ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ یقیناً میرا رب جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور وہ تنگ بھی کر دیتا ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' (سبا:34,36) (3) کیا اس کے پاس علم غیب ہے کہ وہ غیب کو دیکھ رہا ہے اور اس کے بارے میں خبر دیتا ہے؟ یا وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑتا ہے یا وہ دونوں باتوں کو جمع کرنے کی جسارت کرتا ہے، یعنی برائی اور طہارت نفس کے دعوے کو اور فی الواقع ایسا ہی ہے کیونکہ اسے علم ہے کہ اس کے پاس غیب کا کچھ بھی علم نہیں اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اسے غیب دانی کا دعویٰ ہے تو علم غیب کے متعلق قطعی اور یقینی خبریں جو نبی معصوم کی طرف سے دی گئی ہیں، اس کے قول کے تناقض پر دلالت کرتی ہیں اور یہ اس کے قول کے بطلان کی دلیل ہے۔ (تفسیر سعدی:2651/3)

سوال2: انسان کے پاس غیب کا علم تو نہیں ہے۔ پھر وہ کس وجہ سے خرچ کرنے سے رُکتا ہے؟

جواب: انسان خرچ کرنے سے اس لئے رُکتا ہے کہ: (1) اُسے دنیا سے محبت ہے۔ (2) وہ بخل میں مبتلا ہے۔ (3) اُسے آخرت پر یقین نہیں۔

﴿ اَمۡ لَمۡ يُنَبَّاۡ بِمَا فِىۡ صُحُفِ مُوۡسٰى (36)﴾

''یا اُن باتوں کی اُسے خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے؟'' (36)

سوال1:﴿اَمۡ لَمۡ یُنَبَّاۡ بِمَا فِیۡ صُحُفِ مُوۡسٰی﴾ ''یا اُن باتوں کی اُسے خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اَمۡ لَمۡ یُنَبَّاۡ﴾ کیا دعویٰ کرنے والے کو وہ خبریں نہیں پہنچیں؟(2)﴿بِمَا فِیۡ صُحُفِ مُوۡسٰی﴾ ''جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے''یعنی جو کچھ موسیٰ کی طرف وحی کی گئی اور اس میں یہ بھی ہے کہ ہر انسان اپنی کوشش کا بدلہ پائے گا۔

سوال2: موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں کی خبر کی بات یہاں کیوں کی گئی؟

جواب:(1) یہ بات اس لئے کی گئی کہ جو آج بتایا جا رہا ہے وہی اُصولی دین ہے اور دین میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔(2) تمام رسول ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔(3) دین کی دعوت میں کوئی فرق نہیں۔

﴿وَاِبۡرٰهِیۡمَ الَّذِیۡ وَفّٰۤی﴾ (37)

''اور ابراہیم (کے صحیفوں میں) جس نے وفا کا حق ادا کر دیا؟'' (37)

سوال1:﴿وَاِبۡرٰهِیۡمَ الَّذِیۡ وَفّٰۤی﴾ ''اور ابراہیم (کے صحیفوں میں) جس نے وفا کا حق ادا کر دیا؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اور ابراہیم (کے صحیفوں میں) جس نے وفا کا حق ادا کر دیا''یعنی ابراہیم علیہ السلام نے کیسے دل کی خوشی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، اس کی وحی پہنچائی، ساری آزمائشوں میں پورے اترے۔ شریعت اور دین کے جن احکام کا حکم دیا گیا انہوں نے اس کی تعمیل کی۔(2) ابن ابی حاتم نے سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿وَاِبۡرٰهِیۡمَ الَّذِیۡ وَفّٰۤی﴾ اور پھر ان سے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ وفی کا مطلب کیا ہے؟ ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ ''انہوں نے اپنے دن کے اعمال کی تکمیل اس طرح کر دی کہ شروع دن میں چار رکعت نماز اشراق پڑھ لیں۔'' (ابن کثیر) (3) ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ ہر روز وہ دن نکلتے ہی چار رکعت ادا کیا کرتے تھے یہی ان کی وفاداری تھی۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے لئے لفظ ﴿وَفّٰۤی﴾ اس لئے فرمایا کہ وہ ہر صبح شام ان کلمات کو پڑھا کرتے تھے۔ ﴿فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ حِیۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَحِیۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ﴾ یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت ختم کی۔ (تفسیر ابن کثیر:214/5) (4) رب العزت نے فرمایا ﴿وَاِذِ ابۡتَلٰۤی اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ

اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهۡدِی
الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۲۴﴾ ''اور جب ابراہیم کو اُس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا تو اُس نے اُن سب کو پورا کر دیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''یقیناً میں تمہیں سب لوگوں کے لیے امام بنانے والا ہوں''، ابراہیم نے کہا: ''اور میری اولاد میں سے بھی''؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا'' (البقرہ:124) (5) ﴿ثُمَّ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهِیۡمَ حَنِیۡفًا ؕ وَمَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ﴾ ''پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے کہ آپ ابراہیم کی ملت کی پیروی کریں جو ایک اللہ کی طرف ہو جانے والے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔'' (النحل:123)

سوال2: یہاں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی وفا کا ذکر کیوں کیا گیا؟

جواب: وفا کا ذکر ''اَکۡدٰی'' کے مقابلے میں کیا گیا۔ ''اَکۡدٰی'' رُک جانے، ہٹ جانے کو کہتے ہیں اور وفا پورا پورا ادا کرنے کو کہتے ہیں تو ابراہیم علیہ السلام نے پورا پورا حق ادا کر دیا۔

سوال3: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا تھا؟

جواب: اگلی ساری ہدایات وہی ہیں جو ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں بھی آئی تھیں۔

﴿اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی (38)﴾

''یہ کہ کوئی بوجھ اُٹھانے والی (جان) کسی دوسرے کا بوجھ نہ اُٹھائے گی'' (38)

سوال1: ﴿اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی﴾ ''یہ کہ کوئی بوجھ اُٹھانے والی (جان) کسی دوسرے کا بوجھ نہ اُٹھائے گی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''یہ کہ کوئی بوجھ اُٹھانے والی (جان) کسی دوسرے کا بوجھ نہ اُٹھائے گی'' سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں یہ بھی ہے کہ ہر انسان اپنے کیے کا بدلہ پائے گا، کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ (2) رب العزت نے فرمایا: ﴿اَفَمَنۡ زُیِّنَ لَهٗ سُوۡٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنۡ یَّشَآءُ وَیَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ۫ۖ فَلَا تَذۡهَبۡ نَفۡسُکَ عَلَیۡهِمۡ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیۡمٌۢ بِمَا یَصۡنَعُوۡنَ ﴿۸﴾﴾ ''تو کیا وہ شخص جس کے لیے اُس کا بُرا عمل خوش نما بنا دیا گیا ہو پھر وہ اُسے اچھا سمجھ رہا ہو؟ پس یقیناً اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، چنانچہ آپ کی جان اُن پر افسوس کر کے نہ جاتی رہے، یقیناً اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو کچھ بھی وہ کرتے ہیں۔'' (فاطر:8)

سوال2: کوئی بوجھ اُٹھانے والا دوسرے کا بوجھ کیوں نہیں اُٹھائے گا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اِنفرادی ذمہ داری کا اُصول رکھا ہے۔ ہر کوئی اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے۔کوئی شخص دوسرے گناہ گار کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

﴿وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (39)﴾

''اور یہ کہ انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی خود اُس نے کوشش کی''۔(39)

سوال1:﴿وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی﴾ ''اور یہ کہ انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی خود اُس نے کوشش کی'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی﴾ ''اور یہ کہ انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی خود اُس نے کوشش کی''سیدنا ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام اور موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے صحیفوں میں یہ بھی ہے کہ انسان کو اپنی کوششوں کا بدلہ ملے گا جس طرح کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اسی طرح کسی کی نیکی کا ثواب نہیں ملے گا۔اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ قرآن کی تلاوت سے مردوں کو ثواب نہیں پہنچتا کیونکہ تلاوت مردوں کا عمل وکسب نہیں اسی وجہ سے نہ تو نبی ﷺ سے اس کا جواز ثابت ہے نہ آپ ﷺ نے امت کو شوق دلایا اور نہ ہی صراحت سے یا اشارے کنائے سے اس پر ابھارا۔(2) ایصال ثواب کے لیے تلاوت صحابہ سے بھی ثابت نہیں ہے۔اگر یہ عمل خیر ہوتا تو صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ عَنْہُم ہم سے پہلے اس میں سبقت لے جاتے۔یادرکھو! نیکیوں کے کام قرآن وحدیث کے صاف صاف حکم سے ثابت ہوتے ہیں۔یہاں قیاس اور رائے کی گنجائش نہیں البتہ دعاؤں اور صدقہ کا ثواب میت کو ضرور ملتا ہے جو حدیث اور اجماع سے ثابت ہے۔(مختصر ابن کثیر:1957/2)(3) سیدنا ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب انسان مرجاتا ہے تو تین اعمال کے علاوہ باقی تمام اعمال منقطع ہوجاتے ہیں۔صدقہ جاریہ یاوہ علم جس سے فائدہ اٹھایاجائے یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہے۔(مسلم:4223)(4) سیدہ عائشہ رَضِیَ اللہُ عَنْہَا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''سب سے بہتر چیز جو تم کھاتے ہو وہ تمہاری کمائی ہے اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی میں سے ہے۔''(ترمذی:1358)(5) رب العزت کا فرمان ہے:﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ج وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ز ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ (۱۵)﴾ ''جس نے کوئی نیک عمل کیا تو اُس کے اپنے ہی لیے ہے اور جس نے بُرائی کی تو اُس کا وبال اُسی پر ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔''(الجاثیہ:15)

(16)﴿مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ج وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ (۴۴)﴾ ''جس نے کفر کیا تو اُس کا کفر اُسی پر ہے اور جس نے نیک عمل کیا تو وہ اپنے لیے سامان تیار کررہے ہیں۔''(الروم:44)(7)﴿اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ قف وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا (۷)

﴾"اگر تم نے بھلائی کی، تو تم نے اپنے آپ کے لیے بھلائی کی اور اگر تم نے برائی کی تو (وہ بھی) ان کے لیے ہے، چنانچہ جب دوسرا وعدہ آ گیا (تو ہم نے اور لوگ تم پر مسلط کر دیے) تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور تاکہ وہ مسجد میں داخل ہو جائیں، جیسے وہ پہلی بار اس میں داخل ہوئے تھے اور تاکہ جس چیز پر بھی وہ غلبہ پائیں اُسے برباد کر دیں بری طرح تباہ و برباد کرنا۔" (بنی اسرائیل:7) (8) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے دوران قبیلہ خثعم کی ایک عورت آپ ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی: "اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حج فرض کیا ہے تو ایسے وقت جب کہ میرا باپ بوڑھا ہو چکا ہے۔ وہ اونٹنی پر جم کر بیٹھ نہیں سکتا کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں"۔ (بخاری کتاب المناسک) (9) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے آپ ﷺ کے پاس آ کر عرض کیا کہ میری ماں ناگہاں مر گئی اور میں سمجھتا ہوں اگر وہ بات کر سکتی تو ضرور صدقہ دیتی اب اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو اسے ثواب ملے گا؟"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں" اور دوسری روایت میں ہے کہ اس شخص نے پوچھا تھا کہ اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو مجھے ثواب ملے گا؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں"۔ (مسلم کتاب الوصیۃ)

سوال 2: آخرت میں انسان کو اجر کس چیز کا ملے گا؟

جواب: آخرت میں انسان کو اپنی محنت کا اجر ملے گا۔ یعنی ہر فرد جو نیک کام اللہ تعالیٰ کے حکم اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں کرے گا اُسی پر آخرت میں وہ اجر پائے گا۔

﴿ وَاَنَّ سَعۡیَهٗ سَوۡفَ یُرٰی (40) ﴾

"اور بلاشبہ اُس کی کوشش جلد ہی اسے دکھائی جائے گی۔" (40)

سوال: ﴿ وَاَنَّ سَعۡیَهٗ سَوۡفَ یُرٰی ﴾ "اور بلاشبہ اُس کی کوشش جلد ہی اسے دکھائی جائے گی" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) "اور بلاشبہ اُس کی کوشش جلد ہی اسے دکھائی جائے گی" یعنی آخرت میں انسان کو اس کی کوششوں کا انجام دکھایا جائے گا (2) رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَقُلِ اعۡمَلُوۡا فَسَیَرَی اللّٰهُ عَمَلَکُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ ط وَسَتُرَدُّوۡنَ اِلٰی عٰلِمِ الۡغَیۡبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ (۱۰۵) ﴾ "اور آپ کہہ دیں تم عمل کرو پھر عنقریب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور تمام اہلِ ایمان تمہارا عمل دیکھیں گے اور تم جلد ہی اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو ہر پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا ہے، چنانچہ وہ تمہیں بتا دے گا جو تم عمل کیا کرتے تھے۔" (التوبہ:105) (3) دنیا میں انسان نے جو کچھ بھی کیا، چاہے سب کے سامنے کیا ہو یا چھپ کر، اچھا کیا ہو یا برا، سب سامنے آ جائے گا۔

﴿ ثُمَّ یُجۡزٰهُ الۡجَزَآءَ الۡاَوۡفٰی (41) ﴾

''پھراُسے اس کا بدلہ دیا جائے گا، پورا بدلہ۔'' (41)

سوال:﴿ ثُمَّ يُجۡزٰىهُ الۡجَزَآءَ الۡاَوۡفٰى ﴾''پھراُسے اس کا بدلہ دیا جائے گا، پورا بدلہ'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''پھراُسے اس کا بدلہ دیا جائے گا، پورا بدلہ''یعنی ایسی کامل جزا ہوگی کہ اس میں کچھ کمی نہ ہوگی۔رب العزت نے فرمایا:﴿ يَوۡمَ تَاۡتِىۡ كُلُّ نَفۡسٍ تُجَادِلُ عَنۡ نَّفۡسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفۡسٍ مَّا عَمِلَتۡ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ (١١١) ﴾''جس دن ہرنفس اپنے بارے میں جھگڑا کرتا ہوا آئے گا اور ہرنفس کو جواُس نے کیا پورا بدلہ دیا جائے گا اور اُن پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔''(النحل:111)(2)﴿ فَكَيۡفَ اِذَا جَمَعۡنٰهُمۡ لِيَوۡمٍ لَّا رَيۡبَ فِيۡهِ قف وَوُفِّيَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّا كَسَبَتۡ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ (٢٥) ﴾''تو کیا حال ہوگا جب ہم انہیں اس دن کے لئے اکٹھا کریں گے جس میں کوئی شک نہیں اور ہرجان کو اُس کا پوراپوار بدلہ دیا جائے گا جواُس نے کمایا اور اُن پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''(آل عمران:25)

﴿وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الۡمُنۡتَهٰى (42)﴾

''اور بلاشبہ آپ کے رب تک ہی انتہا ہے۔'' (42)

سوال1:﴿وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الۡمُنۡتَهٰى ﴾''اور بلاشبہ آپ کے رب تک ہی انتہا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)اور بلاشبہ آپ کے رب تک ہی انتہا ہے''یعنی قیامت کے دن سب لوگ لوٹ کر اپنے رب کے پاس جائیں گے اور تمام معاملات کورب العزت ہی کے پاس لوٹنا ہے۔علم کی انتہا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف ہے،تمام کمالات کی انتہا بھی،حکم اور رحمت کی انتہا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔رب العزت نے فرمایا:﴿كَلَّاۤ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَيَطۡغٰٓى (٦) اَنۡ رَّاٰهُ اسۡتَغۡنٰى (٧) اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجۡعٰى (٨)﴾''ہرگز نہیں! بلاشبہ یقیناً انسان سرکش ہوجاتا ہے۔کہ وہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے کہ وہ مستغنی ہوگیا۔یقیناً تیرے رب ہی کی طرف واپسی ہے۔''(العلق:6۔8)(2)﴿ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓـئِكَ اَنَّهُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ (٤) لِيَوۡمٍ عَظِيۡمٍ (٥) يَّوۡمَ يَقُوۡمُ النَّاسُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ (٦) ﴾''کیا یہ لوگ یقین نہیں رکھتے کہ یقیناً وہ اُٹھائے جانے والے ہیں؟ ایک بہت بڑے دن میں۔جس دن تمام لوگ جہانوں کے رب کے سامنے کھڑے ہوں گے۔''(المطففین:4-6)

سوال2:''آخرِ کار پہنچنا تیرے ربّ کے پاس ہی ہے''اس سے کیا مراد ہے؟

جواب:اس سے مراد ہے کہ انسان کے پاس اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔

سوال3:اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹ جانے کا تصور انسان کو کیا دیتا ہے؟

جواب:اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹ جانے کا تصور انسان سے وہ سارے کام کروالیتا ہے جو اُس کے بس میں ہوں۔

﴿وَاَنَّهٗ هُوَ اَضۡحَكَ وَاَبۡكٰى (43)﴾

''اور یہ کہ بے شک اسی نے ہنسایا اور اسی نے رُلایا۔''(43)

سوال:﴿وَاَنَّهٗ هُوَ اَضۡحَكَ وَاَبۡكٰى﴾''اور یہ کہ بے شک اسی نے ہنسایا اور اسی نے رُلایا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اور یہ کہ بے شک اسی نے ہنسایا اور اسی نے رُلایا''یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو رونے اور ہنسنے کی صلاحیتیں دی ہیں اور اس کے اسباب عطا کرنے والا بھی وہی ہے۔(2)یعنی وہی ہے جو ہنسنے اور رونے کے اسباب وجود میں لاتا ہے، یہ اسباب خیر، شر، فرحت، مسرت اور حزن وغم پر مشتمل ہیں اور ہنسانے اور رلانے کے اندر اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ پوشیدہ ہے۔(تفسیر سعدی:2652/3)(3)سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ کا ایک قوم کے پاس سے گزر ہوا جو ہنس رہی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ''اگر تم وہ باتیں جو میں جانتا ہوں جان لو تو بہت زیادہ رویا کرو اور بہت کم ہنسا کرو''پھر جبریل علیہ السلام مذکورہ آیت لے کر اترے، پھر آپ ﷺ ان کی طرف واپس آئے اور فرمایا کہ''میں چالیس قدم نہیں چلا تھا کہ جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھ سے فرمایا کہ ان لوگوں کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿وَاَنَّهٗ هُوَ اَضۡحَكَ وَاَبۡكٰى﴾''یعنی وہی ہنساتا ہے اور رلاتا ہے۔(تفسیر المنیر :138/14)(4)اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے انسان کے اندر ہنسنے اور رونے کی صلاحیت رکھی ہے۔انسان یہ نہیں جانتا کہ وہ کس طرح ہنستا اور کس طرح روتا ہے۔(5)ہنسنے اور رونے کے اسباب بھی اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے۔جب وہ ہنسنے کے اسباب پیدا کرتا ہے تو انسان ہنستا ہے اور جب رونے کے اسباب پیدا کرتا ہے تو انسان روتا ہے۔(6)اللہ تعالیٰ ہنساتا اور رُلاتا ہے یعنی انسانی شعور کو ایک حالت میں نہیں رہنے دیتا۔

﴿وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحۡيَا (44)﴾

''اور یہ کہ بے شک اسی نے موت دی اور اسی نے زندگی دی۔''(44)

سوال1:﴿وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحۡيَا﴾''اور یہ کہ بے شک اسی نے موت دی اور اسی نے زندگی دی'' کی وضاحت کریں؟

جواب:'(1)'اور یہ کہ بے شک اسی نے موت دی اور اسی نے زندگی دی''یعنی موت اور حیات کو وجود میں لانے والا وہی ہے۔جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿ الَّذِىۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَالۡحَيٰوةَ لِيَبۡلُوَكُمۡ اَيُّكُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡغَفُوۡرُ (۲)﴾''وہ ذات جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ اچھا ہے؟ اور وہ سب پر غالب، بے حد بخشنے والا ہے''۔(الملک:2)(2)وہی ہے جس نے ساری مخلوقات کو زندگی عطا کی۔وہی موت کے بعد زندگی عطا کرے گا اور ہر ایک کو اس کے

اعمال کی پوری جزادے گا۔(3)رب العزت نے فرمایا:﴿ اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ ''اور کیاوہ شخص جومردہ تھا پھر ہم نے اُسے زندہ کیااور ہم نے اُس کے لیے ایک روشنی بنادی جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا ہے،اُس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جواندھیروں میں ہے اوراُس سے نکلنے والانہیں ہےاسی طرح کافروں کے لیےخوشنمابنادیئے گئے جووہ عمل کرتے تھے۔'' (الانعام:122)

سوال2: اللہ تعالیٰ نے موت اورزندگی دینے کی بات کس حوالے سے سامنے رکھی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے زندگی اورموت کی بات اس لئے کی ہے کہ یہ دونوں راز ہیں۔موت کی حقیقت اورزندگی کی حقیقت کوئی پانہیں سکا۔زندگی آتی کہاں سے ہےاورزندگی کیسے چلی جاتی ہے؟ کوئی نہیں جان سکا۔وہ زندہ کرتا ہے۔زندگی کی لاکھوں اورکروڑوں صورتیں ہیں اورموت کی بھی لاکھوں صورتیں ہیں۔یقیناًوہ بے مثال قدرت والا ہے۔

﴿وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى (45)﴾

''اور یہ کہ بلاشبہ اُسی نے نراور مادہ کا جوڑا پیدا کیا۔''(45)

سوال1:﴿وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى﴾''اور یہ کہ بلاشبہ اُسی نے نراور مادہ کا جوڑا پیدا کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اور یہ کہ بلاشبہ اُسی نے نراور مادہ کا جوڑا پیدا کیا''یعنی اللہ تعالیٰ ہی نے ہرجان دار کا جوڑا بنایااوروہی ہے جس نے اس کا جوڑا بنایا۔

سوال2: نراور مادہ کی پیدائش کے تذکرے کی وجہ کیا ہے؟

جواب: نراور مادہ کی پیدائش ایک معجزہ ہے۔جس وقت پیدائش کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اُس وقت سے یہ عمل بھی شروع ہوجاتا ہے۔نطفے کا مرد یاعورت بن جانا یقیناً اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نشان ہےاسی وجہ سےاس کا تذکرہ کیا گیا۔

﴿ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى (46) ﴾

''ایک نُطفے سے جب وہ ٹپکایا جاتا ہے۔''(46)

سوال:﴿ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴾''ایک نُطفے سے جب وہ ٹپکایا جاتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''ایک نُطفے سے جب وہ ٹپکایا جاتا ہے''یعنی نطفے میں پوراانسان چھپاہواہوتا ہے۔اُس کی ہڈیاں، گوشت، اَعصاب، رَگیں، بال، ناخن، صلاحیتیں، اَخلاق، مزاج۔جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیم ہے۔(2)اللہ تعالیٰ کی کامل قدرت اورکمال درجے کےغلبہ کی دلیل، کہ اس نے نہایت حقیر پانی یعنی نطفے سے سارے حیوانات کووجودعطا کیا۔وجود کے آغاز سےاس کے اعادہ پردلیل

دی گئی ہے۔(3)رب العزت نے فرمایا:﴿ اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ یُّتۡرَکَ سُدًی ﴿۳۶﴾ اَلَمۡ یَکُ نُطۡفَۃً مِّنۡ مَّنِیٍّ یُّمۡنٰی ﴿۳۷﴾ ثُمَّ کَانَ عَلَقَۃً فَخَلَقَ فَسَوّٰی ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنۡہُ الزَّوۡجَیۡنِ الذَّکَرَ وَ الۡاُنۡثٰی ﴿۳۹﴾ اَلَیۡسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یُّحۡیِ ۧ الۡمَوۡتٰی ﴿۴۰﴾﴾ ''کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اُسے یونہی بغیر پوچھے چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا وہ منی کا قطرہ نہ تھا جو گرایا جاتا ہے؟ پھر وہ جما ہوا خون بنا پھر اُس نے پیدا کیا اور پھر درست بنا دیا۔ پھر اُس نے اس سے مرد اور عورت کی دو قسمیں بنائیں۔ کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ مردوں کو زندہ کرے؟'' (القیامۃ:36-40)

﴿وَاَنَّ عَلَیۡہِ النَّشۡاَۃَ الۡاُخۡرٰی(47)﴾

''اور یہ کہ بلاشبہ اُسی کے ذمے ہی دوبارہ پیدا کرنا ہے'' (47)

سوال1:﴿وَاَنَّ عَلَیۡہِ النَّشۡاَۃَ الۡاُخۡرٰی﴾ ''اور یہ کہ بلاشبہ اُسی کے ذمے ہی دوبارہ پیدا کرنا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاَنَّ عَلَیۡہِ﴾ ''اور یہ کہ بلاشبہ اُسی کے ذمے ہی'' یعنی اللہ تعالیٰ پر ہے۔(2)﴿النَّشۡاَۃَ الۡاُخۡرٰی﴾ دوبارہ پیدا کرنا ہے'' یعنی جو بغیر نمونے کے پہلی بار پیدا کر سکتا ہے۔ وہ قیامت آنے کے بعد سب کو قبروں سے زندہ کر کے اٹھائے گا اور ان کی نیکی بدی کی جزا دے گا۔(3)﴿ اَمَّنۡ یَّبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُہٗ وَمَنۡ یَّرۡزُقُکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ؕ ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ ؕ قُلۡ ہَاتُوۡا بُرۡہَانَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۶۴﴾﴾ ''یا وہ جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے، پھر اُس کا اعادہ کرتا ہے؟ اور وہ جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ آپ کہہ دیں لاؤ اپنی دلیل، اگر تم سچے ہو'' (النمل:64)

سوال2: دوسری زندگی کے لئے کیا دلیل ہے؟

جواب:(1) پہلی زندگی دوسری زندگی کے لئے دلیل ہے۔(2) جس قوت نے ایک بار پیدا کیا، وہ دوسری بار پیدا کرنے پر قدرت رکھتی ہے۔

﴿وَاَنَّہٗ ہُوَ اَغۡنٰی وَاَقۡنٰی (48)﴾

''اور یہ کہ بے شک اسی نے مال دار کیا اور خزانہ بخشا'' (48)

سوال1:﴿وَاَنَّہٗ ہُوَ اَغۡنٰی وَاَقۡنٰی﴾ ''اور یہ کہ بے شک اسی نے مال دار کیا اور خزانہ بخشا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاَنَّہٗ ہُوَ اَغۡنٰی﴾ '' یہ کہ بے شک اسی نے مال دار کیا'' یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہے جو لوگوں کے معاشی حالات میں آسانی پیدا کر کے روپیہ ان کے ہاتھ میں دیتا ہے۔(2)﴿وَاَقۡنٰی﴾ ''اور خزانہ بخشا'' یعنی روپیہ جو سرمایہ کے طور پر ان کے پاس رہتا ہے۔(3) یہ چیز

بندوں پرواجب کرتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکرادا کریں۔(3)رب العزت نے فرمایا:﴿اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَتَطۡمَئِنُّ قُلُوۡبُهُمۡ بِذِكۡرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ ﴾ ''جولوگ ایمان لائے اوران کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے اطمینان پاتے ہیں۔سن لو!اللہ تعالیٰ کی یادہی سے دل اطمینان پاتے ہیں۔''(الرعد:28)

سوال2: دولت اورسرمایہ کیسے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ جس کو چاہتاہے اس طرح دولت دیتاہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں رہتا۔اس کی سب ضرورتیں پوری ہوجاتی ہیں۔(2)اللہ تعالیٰ کسی کواتنی دولت دیتاہے کہ اس کی ضروریات سے زائداس کے پاس جمع ہوجاتاہے۔یہ سرمایہ ربّ دیتاہے۔اُس کی قدرت ہے،جس کو جتنا چاہے عطا کردے۔اُس کی بخشش بے مثال ہے۔

﴿وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعۡرٰى (49)﴾

''اور یہ کہ بے شک وہی شِعریٰ(ستارہ) کارب ہے۔''(49)

سوال1:﴿وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعۡرٰى﴾''اور بے شک وہی شِعریٰ(ستارہ) کارب ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اور یہ کہ بے شک وہی شِعریٰ(ستارہ) کارب ہے''یعنی شعریٰ کارب اللہ تعالیٰ ہے۔(2) شعریٰ روشن ستارہ ہے جسے جاہلیت میں عرب کے جرہم قبیلے کےلوگ پوجتے تھے۔(2)یعنی شعریٰ نہیں تمہارارب تمہاری قسمتیں بناتاہے۔

سوال2:اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کاربّ ہے۔اُس نے یہاں خاص طور پر﴿ شِعۡرٰى ﴾ستارے کا نام کیوں لیاہے؟

جواب:اللہ تعالیٰ نے﴿ شِعۡرٰى ﴾کانام اس لئے لیاہے کہ عربوں میں سے بعض﴿ شِعۡرٰى ﴾کوربّ بناتے تھے۔اس لئے وضاحت کی کہ وہ شِعْرٰی کاربّ ہے۔

﴿وَاَنَّهٗۤ اَهۡلَكَ عَادَا۟ ۨالۡاُوۡلٰى (50)﴾

''اور یہ کہ بلاشبہ اُسی نے پہلی قوم عادکوہلاک کیاہے''(50)

سوال1:﴿وَاَنَّهٗۤ اَهۡلَكَ عَادَا۟ ۨالۡاُوۡلٰى﴾''اور یہ کہ بلاشبہ اُسی نے پہلی قوم عادکوہلاک کیاہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''اور یہ کہ بلاشبہ اُسی نے پہلی قوم عادکوہلاک کیاہے''قوم عاد سے مراد ہود کی قوم ہے۔ان کی قوم نے انہیں جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے سخت سزا سے انہیں ہلاک کرڈالا۔رب العزت نے فرمایا:﴿ اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ (٦) اِرَمَ ذَاتِ الۡعِمَادِ (٧) الَّتِىۡ لَمۡ يُخۡلَقۡ مِثۡلُهَا فِى الۡبِلَادِ (٨) ﴾'' کیاتم نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے عاد کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟ عادِارم جوستونوں والے تھے۔وہ کہ ان

جیسا کوئی شہروں میں پیدا نہیں کیا گیا۔(الفجر:6-8)

سوال2:قومِ عاد کو اولیٰ کیوں کہا گیا ہے؟

جواب:(1)قومِ عادقومِ ثمود سے پہلے آئی تھی اس لئے اسے اولیٰ کہا گیا۔(2)قومِ عادقومِ نوح کے بعدسب سے پہلے ہلاک ہوئی۔(3) کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ عاد کی دوقومیں گزری ہیں :ایک وہ جسے تیزآندھی سے ہلاک کیا گیااوردوسری جوبکھر جانے کے باوجودموجودرہی۔

سوال3:اللہ تعالیٰ نے عادِاولیٰ کو ہلاک کیا۔اس سے کیا مراد ہے؟

جواب:اس سے مراد یہ ہے کہ جیسے حفاظت ربّ کی ذمہ داری ہے ایسے ہی نافرمانوں کو ہلاک کرنا بھی اس کی ذمہ داری ہے۔

﴿وَثَمُوْدَاْ فَمَآ اَبْقٰی (51)﴾

''اورثمود کوبھی،چنانچہ کسی کو باقی نہ چھوڑا''(51)

سوال1:﴿وَثَمُوْدَاْ فَمَآ اَبْقٰی﴾''اورثمود کوبھی،چنانچہ کسی کو باقی نہ چھوڑا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَثَمُوْدَ﴾''اورثمود کوبھی''قومِ ثمود صالح علیہ السلام کی قوم تھی۔انہوں نے معجزے کےطور پرآنے والی کواونٹنی کو ہلاک کرڈالا۔(2)﴿فَمَآ اَبْقٰی﴾''چنانچہ کسی کو باقی نہ چھوڑا''اللہ تعالیٰ نے ان سب کوتباہ وبرباد کردیا،کسی کو باقی نہ رکھا۔(3)رب العزت نے فرمایا:﴿وَاَخَذَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ (٦٧) كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ؕ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَاْ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ (٦٨)﴾''اورجن لوگوں نےظلم کیا تھاانہیں ایک ہولناک آواز نے پکڑلیاتو وہ اپنے گھروں میں ہی اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔گویاان میں وہ بسے ہی نہ تھے۔سن لو!بلاشبہ ثمود نے اپنے رب کا کفرکیا تھا،سن لو!دُوری ہے ثمود کے لیے۔''(ھود:67,68)

سوال2:قومِ ثمود کی ہلاکت کے لئے یہ کیوں کہا گیا کہ کسی کو باقی نہ چھوڑا؟

جواب:اللہ تعالیٰ کی قدرت اوراس کےاختیارکوثابت کرنے کے لئے کہا گیا کہ وہ کیسی سزادینے والا ہے۔

﴿وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰی (52)﴾

''اوراُن سے پہلےقومِ نوح کو،بلاشبہ وہ بہت زیادہ ظالم اور بہت حد سے بڑھے ہوئے تھے''(52)

سوال1:﴿وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰی﴾''اوراُن سے پہلےقومِ نوح کو،بلاشبہ وہ بہت زیادہ ظالم اور بہت حد سے بڑھے ہوئے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ﴾ ''اوراُن سے پہلے قومِ نوح کو''اللہ تعالیٰ نے قوم عاد،قوم ثموداورقوم لوط سے پہلے قوم نوح کو ہلاک کردیا۔(2)﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ﴾ ''بلاشبہ وہ بہت زیادہ ظالم اور بہت حد سے بڑھے ہوئے تھے''یعنی وہ بعد میں آنے والوں سے زیادہ سرکشی میں بڑھے ہوئے تھے۔ان کوطوفان نے نہیں چھوڑاوروہ تباہ کردیے گئے۔(3)رب العزت نے فرمایا:﴿ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴾ ''اورنوح نے کہا:''اے میرے رب!توزمین پرکافروں میں کسی رہنے والے کونہ چھوڑ۔'' (نوح:26)

سوال2:قومِ نوح پراللہ تعالیٰ نے ہلاکت کے لئے کیا فردِ جرم عائد کی ہے؟

جواب:اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ بڑے ظالم اورسرکش لوگ تھے۔

﴿وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى (53)﴾

''اوراس نے اُلٹ جانے والی بستی کوگرادیا''(53)

سوال1:﴿وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴾''اوراس نے اُلٹ جانے والی بستی کوگرادیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَالْمُؤْتَفِكَةَ ﴾ ''اوراُلٹ جانے والی بستی'' قتادہ نے کہاوہ قوم لوط تھی۔(2)اللہ تعالیٰ نے ان پرایسا عذاب بھیجا جودنیا کی کسی قوم پرنہیں بھیجا۔(3)﴿اَهْوٰى ﴾'' اس نے بستی کوگرادیا''اللہ تعالیٰ نے لوطیوں کے شہروں کوتلپٹ کردیا۔نیچے کا حصہ اوپراوراوپر کا حصہ نیچے کردیا۔

﴿فَغَشّٰهَا مَا غَشّٰى (54)﴾

''سواُس نے ڈھانپ دیااسے جس سے ڈھانپا''(54)

سوال1:﴿ فَغَشّٰهَا مَا غَشّٰى﴾''سواُس نے ڈھانپ دیااسے جس سے ڈھانپا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''سواُس نے ڈھانپ دیااسے جس سے ڈھانپا''اللہ تعالیٰ نے ان پرآسمان سے کھنگر پتھروں کی بارش برسائی۔اس سے ان کے شہرچھپ گئے۔(2)رب العزت نے فرمایا:﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴾''اورہم نے اُن پربارش برسائی،زبردست بارش سوڈرائے جانے والوں کی بہت ہی بُری بارش تھی۔'' (النمل:58) (3)ان شہروں میں 4لاکھ انسان آباد تھے۔آبادی کی ساری زمین آگ،گندھک اورتیل بن کران پربھڑک اٹھی،جس سے سب ہلاک ہوگئے۔(ابن ابی حاتم)

سوال2:قومِ لوط پرکیا چیز چھاگئی تھی؟

جواب: قومِ لوط پر عذاب چھا گیا تھا۔ اُن پر اللہ تعالی نے پتھر برسائے اور سمندر کا پانی ان پر چڑھا دیا جس نے اُن کو ڈھانپ لیا۔

﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکَ تَتَمَارٰی (55) ﴾

''پس اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس میں آپ شک کرو گے؟'' (55)

سوال 1: ﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکَ تَتَمَارٰی ﴾ ''پس اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس میں آپ شک کرو گے؟ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''پس اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس میں آپ شک کرو گے'' یعنی اے انسان! اللہ تعالی جس نے ساری نعمتیں دی ہیں جو ظاہر ہیں،، جس میں کوئی شک نہیں، اس کی کس کس نعمت پر شک کرو گے۔ (2) رب العزت نے فرمایا: ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن و انس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (الرحمٰن: 13)

سوال 2: ربّ کی نعمتوں کے بارے میں جھگڑنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ربّ کی نعمتوں میں جھگڑنے سے مراد اُن میں شک کرنا اور اُن کو جھٹلانا ہے۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ نے ربّ کی نعمتوں میں جھگڑے کرنے کی بات کیوں کہی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے یہ بات اس لئے کہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں، اس کی نشانیاں اتنی عام ہیں کہ ان کا انکار کرنا ممکن نہیں۔

﴿ هٰذَا نَذِیْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰی (56) ﴾

''یہ بھی پہلے ڈرانے والوں میں سے ایک ڈرانے والا ہے'' (56)

سوال 1: ﴿هٰذَا نَذِیْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰی﴾ ''یہ بھی پہلے ڈرانے والوں میں سے ایک ڈرانے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''یہ بھی پہلے ڈرانے والوں میں سے ایک ڈرانے والا ہے'' یعنی محمد ﷺ کوئی انوکھے رسول نہیں، پہلے انبیاء کی طرح آپ بھی نذیر ہیں یعنی برے انجام سے ڈرانے والے۔ (2) رب العزت نے فرمایا: ﴿ قُلْ مَا کُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ ط اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ (۹) ﴾ ''کہہ دو میں رسولوں سے کوئی انوکھا نہیں ہوں اور میں نہیں جانتا میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمھارے ساتھ کیا میں صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے اور میں تو محض ایک صاف صاف خبردار کر دینے والا ہوں۔'' (الاحقاف: 9) (3) یعنی سب رسولوں کی دعوت ایک ہے، تب آپ کی رسالت کا کس وجہ سے انکار کیا جا سکتا ہے؟ آپ کے اخلاق انبیاء سے اعلیٰ، آپ کی کتاب کامل پھر آپ ﷺ کی رسالت کو کس بنیاد پر جھٹلاؤ گے؟ یہ بتاؤ جن لوگوں نے پہلے انبیاء کو ہلاک کیا، اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک نہیں کر دیا؟ اب یہ بتاؤ کہ محمد ﷺ کو جھٹلانے والوں پر عذاب نازل ہونے

سے کون روکنے والا ہے؟ (4) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اور تمہاری مثال اس آدمی کی طرح ہے جس نے آگ جلائی تو پتنگے اور پروانے اس میں گرنے لگے اور وہ ان کو اس آگ سے دور ہٹا تا رہے، میں بھی تمہیں تمہاری کمروں سے پکڑ پکڑ کر تمہیں جہنم کی آگ سے بچا رہا ہوں لیکن تم میرے ہاتھوں سے چھوٹے جاتے (اور نارِ جہنم میں گرتے جاتے) ہو۔ (صحیح مسلم:5958)

(5) سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری اور جو کچھ کلام اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ بھیجا ہے اس کی مثال ایک ایسے شخص جیسی ہے جو اپنی قوم کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے (تمہارے دشمن کا) لشکر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور میں واضح ڈرانے والا ہوں۔ پس بھاگو، پس بھاگو (اپنی جان بچاؤ) اس پر ایک جماعت نے اس کی بات مان لی اور رات ہی رات اطمینان سے کسی محفوظ جگہ پر نکل گئے اور نجات پائی۔ لیکن دوسری جماعت نے اسے جھٹلایا اور دشمن کے لشکر نے صبح کے وقت اچانک انہیں آلیا اور تباہ کر دیا۔ (بخاری:6482)

سوال2: رسول اللہ ﷺ کے منصب کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کیا وضاحت کی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ یہ نبی ﷺ بھی پہلے ڈرانے والے نبیوں میں سے ہیں یعنی جیسے پہلی قوموں کو ڈرایا گیا ایسے ہی تمہیں بھی ڈرایا جا رہا ہے۔

﴿ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ (57)﴾

''قریب آنے والی قریب آگئی ہے''۔ (57)

سوال1: ﴿ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ﴾ ''قریب آنے والی قریب آگئی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''قریب آنے والی قریب آگئی ہے'' ازفة قیامت کا ہی صفاتی نام ہے اور ازف میں وقت کی تنگی کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ (تیسیر القرآن:4/331) یعنی قیامت قریب آگئی اسے کوئی ہٹانے والا نہیں، اس کے مقررہ وقت سے کوئی اسے روکنے والا نہیں۔ اس کا وقت آ گیا ہے۔ (2) قیامت کی علامات واضح ہوگئی ہیں۔ اس کی ہولناکیوں کو دیکھ کر محمد ﷺ لوگوں کو غفلت سے بیدار کر رہے ہیں۔ (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ (١) لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ (٢)﴾ ''جب واقع ہونے والی واقع ہو جائے گی۔ اُس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں ہے''(الواقعہ:1,2) (4) ﴿ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ (١١)﴾ ''چنانچہ ہم نے آسمان کے دروازے ایسے پانی سے کھول دیے جو زور سے برسنے والا تھا''(القمر:11) (5) سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اپنی بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کے قریب والی انگلی کے اشارے سے فرما رہے تھے کہ میں ایسے وقت میں مبعوث ہوا ہوں کہ میرے اور قیامت کے درمیان صرف ان دو کے برابر فیصلہ ہے۔'' (صحیح بخاری:4936)

سوال2: قیامت کے قریب آنے کا ذکر کیوں کیا گیا ہے؟

جواب: قیامت کے قریب آنے کا ذکر ڈراوے کے طور پر کیا گیا کہ اب قیامت کا وقت قریب ہے۔کوئی اس وقت کو دور نہیں کر سکتا۔

﴿ لَیْسَ لَھَا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ کَاشِفَةٌ (58) ﴾

''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اُس کو ظاہر کرنے والا نہیں ہے''۔(58)

سوال1: ﴿ لَیْسَ لَھَا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ کَاشِفَةٌ ﴾ ''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اُس کو ظاہر کرنے والا نہیں ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اُس کو ظاہر کرنے والا نہیں ہے'' یعنی جب قیامت آئے گی تو اسے کوئی ہٹانے والا نہیں ہوگا۔(2) اللہ تعالیٰ کے سوا اس وقت کو کوئی دور کرنے والا نہیں ہوگا۔رب العزت نے فرمایا: ﴿ یَسْـئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰھَا ط قُلْ اِنَّمَا عِلْمُھَا عِنْدَ رَبِّیْ ج لَا یُجَلِّیْھَا لِوَقْتِھَآ اِلَّا ھُوَ ط ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط لَا تَاْتِیْکُمْ اِلَّا بَغْتَةً ط یَسْئَلُوْنَکَ کَاَنَّکَ حَفِیٌّ عَنْھَا ط قُلْ اِنَّمَا عِلْمُھَا عِنْدَ اللّٰہِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (۱۸۷) ﴾ ''وہ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس کا قیام کب ہوگا؟ آپ کہہ دیں: ''یقیناً اس کا علم میرے رب ہی کے پاس ہے۔اس کے وقت پر اس کے سوا اسے کوئی ظاہر نہیں کرے گا، وہ (حادثہ) آسمانوں اور زمین میں بھاری ہے،تم پر وہ اچانک ہی آئے گی۔وہ آپ سے سوال کرتے ہیں گویا آپ اس کی پوری تحقیق کرنے والے ہیں۔آپ کہہ دیں: ''بلاشبہ اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' (الاعراف:187)

سوال2: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قیامت کا وقت ظاہر کرنے والا نہیں۔اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اس سے مراد یہ ہے کہ قیامت کی گھڑی کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔(2) قیامت کے وقت کو نہ کوئی ہٹانے والا ہے، نہ کوئی کھولنے والا ہے۔یہ وقت اللہ تعالیٰ کی کامل قدرت کا اظہار کرنے والا ہے۔

﴿ اَفَمِنْ ھٰذَا الْحَدِیْثِ تَعْجَبُوْنَ (59) ﴾

''تو کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو؟'' (59)

سوال1: ﴿ اَفَمِنْ ھٰذَا الْحَدِیْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴾ ''تو کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) 'تو کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو' رب العزت نے محمد ﷺ اور قرآن کو جھٹلانے والوں کو تنبیہ کی ہے یعنی کیا اس کلام پر تعجب کرتے ہو جو افضل ترین کلام ہے اور اسے معروف حقائق کے خلاف قرار دیتے ہو جب کہ یہ سراسر سچا کلام ہے، حق کو باطل سے جدا کرنے والا ہے۔یہ قرآن ہے جو کسی پہاڑ پر بھی اتار دیا جاتا تو خوف الٰہی سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿ لَوْ

اَنۡزَلۡنَا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیۡتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنۡ خَشۡیَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلۡکَ الۡاَمۡثَالُ نَضۡرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ یَتَفَکَّرُوۡنَ ﴾ ''اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کر دیتے تو یقیناً آپ اسے اللہ تعالیٰ کے خوف سے پست ہونے والا ٹکڑے ٹکڑے ہونے والا دیکھتے اور یہ مثالیں ہیں ہم انہیں لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور وفکر کریں۔'' (الحشر:21)

سوال2: قرآن پر تعجب کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد اس کی تعلیمات پر حیرت کا اظہار کرنا ہے حالانکہ نہ اس میں کوئی تعجب والی بات ہے نہ مذاق والی۔

﴿وَتَضۡحَکُوۡنَ وَلَا تَبۡکُوۡنَ (60)﴾

''اور ہنستے ہو؟ اور روتے نہیں ہو؟'' (60)

سوال1: ﴿وَتَضۡحَکُوۡنَ وَلَا تَبۡکُوۡنَ﴾ ''اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَتَضۡحَکُوۡنَ﴾ ''اور ہنستے ہو'' یعنی تم استہزا کرتے ہو۔ (2) ﴿وَلَا تَبۡکُوۡنَ﴾ اور روتے نہیں ہو' اور تم یقین کرنے والوں کی طرح خشوع نہیں کرتے۔ (3) نبی ﷺ نے فرمایا: دو آنکھوں کو آگ نہیں چھوئے گی۔ وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کے ڈر سے رو پڑی۔ اور وہ جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں حفاظت کے لیے رات بھر بیدار رہی۔ (ترمذی:125/4)

سوال2: اللہ تعالیٰ نے ہنسنے پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے نہ رونے کے بارے میں کیوں پوچھا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے یہ بات اس لئے پوچھی ہے کہ قرآنِ مجید دوٹوک سنجیدہ بات ہے، ہنسی دل لگی نہیں۔ اس کے عظیم نتائج ہیں اور بڑی ذمہ داریاں ہیں۔ اس زمین کے لوگوں نے اس بارے میں جواب دینا ہے۔ اس لئے یہ ہنسنے کا نہیں رونے کا مقام ہے۔

﴿وَاَنۡتُمۡ سٰمِدُوۡنَ (61)﴾

''اور تم غافل ہو'' (61)

سوال1: ﴿وَاَنۡتُمۡ سٰمِدُوۡنَ﴾ ''اور تم غافل ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور تم غافل ہو'' یعنی تم قرآن سے غافل اور مفرور ہو۔ (2) یعنی تم اس سے اور اس پر تدبر کرنے سے غافل ہو، یہ غفلت تمھاری قلت عقل اور تمھارے دین کی کھوٹ پر دلالت کرتی ہے۔ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہوتی اور اپنے تمام احوال میں اس کی رضا کے طلب گار رہے ہوتے تو تمھیں یہ بدلہ نہ ملتا جسے عقل مند لوگ ناپسند کرتے ہیں۔ (تفسیر سعدی:2654/3) (3) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سَمَدگانے کو کہتے ہیں یہ یمنی لغت ہے' آپ سے 'سَمِدُوْنَ' کے معنی اعراض کرنے والے اور تکبر کرنے والے بھی مروی ہیں۔

(4) سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: غفلت کرنے والے۔ (ابن کثیر: 217)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کے ساتھ کس رویے پر حیرت کا اظہار کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے زندگی بدلنے والی عظیم کتاب کے ساتھ غفلت اختیار کرنے پر تعجب کا اظہار کیا ہے۔

﴿فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا (62)﴾

''تو اب اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرو اور اُسی کی عبادت کرو''۔ (62)

سوال 1: ﴿فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا﴾ ''تو اب اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرو اور اُسی کی عبادت کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ﴾ ''تو اب اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرو'' یعنی اس کو سجدہ کرو جس نے تمہیں پیدا کیا، تمہیں رزق دیا لہٰذا تم بتوں کی بندگی نہ کرو۔ (2) ﴿وَاعْبُدُوْا﴾ ''اور اُسی کی عبادت کرو'' اللہ تعالیٰ نے عام عبادت کا حکم دیا ہے جو تمام ظاہری، باطنی اعمال، اقوال کو شامل ہے۔ (3) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ نجم میں سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلمان، مشرک، جن اور انسان (جو بھی اس وقت موجود تھے) سب نے سجدہ کیا۔ (بخاری، کتاب التفسیر) (4) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ سب سے پہلے نازل ہونے والی سجدہ والی سورت ''سورۂ ''نجم'' ہے۔ بیان کیا کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے (اس کی تلاوت کے بعد) سجدہ کیا اور جتنے لوگ آپ کے پیچھے تھے سب ہی نے آپ کے ساتھ سجدہ کیا، سوائے ایک شخص کے، میں نے دیکھا کہ اس نے اپنی ہتھیلی میں مٹی اٹھائی اور اسی پر سجدہ کرلیا۔ بعد میں (بدر کی لڑائی میں) میں نے اسے دیکھا کہ کفر کی حالت میں وہ قتل کیا ہوا پڑا ہے۔ وہ شخص امیہ بن خلف تھا۔ (بخاری: 4863)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے قرآن کی تعظیم کے لئے کیا مطالبہ کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آگے سجدہ ریز ہو جاؤ اور اس کی عبادت کرو۔

سورۃ القمر

سوال: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس میں کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی؟ اس کے تین رکوع اور 55 آیات ہیں؟

سوال: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے یہ 54 ویں نمبر پر ہے اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے یہ 37 ویں نمبر پر ہے۔

سوال: اس سورت کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: نبی ﷺ عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر میں سورۃ قٓ اور سورۃ القمر کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔(مسلم)

رکوع نمبر 8

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

﴿اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانۡشَقَّ الۡقَمَرُ (1)﴾

''بہت قریب آ گئی قیامت اور چاند پھٹ گیا''۔(1)

سوال 1: ﴿اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانۡشَقَّ الۡقَمَرُ﴾ ''بہت قریب آ گئی قیامت اور چاند پھٹ گیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ﴾ ''بہت قریب آ گئی قیامت'' رب العزت نے قرب قیامت اور دنیا کے خاتمے کی خبر دی ہے کہ وقت آ گیا ہے۔ قیامت قریب ہے۔ اس سے مراد ہے کہ زمانے کا زیادہ حصہ گزر چکا اور تھوڑا باقی رہ گیا ہے۔ (2) جیسے رب العزت نے فرمایا: ﴿اَتٰۤى اَمۡرُ اللّٰهِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡهُ ؕ سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ (1)﴾ ''اللہ تعالیٰ کا حکم آ گیا سو اس کو تم جلدی طلب نہ کرو، وہ پاک ہے، اور بے حد بلند ہے اس سے جن کو وہ شریک بناتے ہیں۔(النحل:1) (3) ﴿اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ وَهُمۡ فِىۡ غَفۡلَةٍ مُّعۡرِضُوۡنَ (1)﴾ ''لوگوں کے لیے اُن کا حساب قریب آ گیا اور وہ غفلت میں منہ موڑنے والے ہیں'' (الانبیاء:1) (4) یعنی قیامت قریب ہے اور جھٹلانے والے جھٹلا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے بڑی نشانیاں دکھا رہا ہے جن کو دکھانا کسی انسان کے بس میں نہیں ہے، جو قیامت کے واقع ہونے پر دلیل ہیں۔ (5) ایک دن رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا جب کہ سورج ڈوبنے والا تھا بس تھوڑا سا کنارہ باقی رہ گیا تھا۔ فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! گزری ہوئی دنیا کے مقابلے میں باقی دنیا صرف اتنی ہی سی ہے جتنا آج کے گزرے دن کے مقابلے میں باقی دن رہ گیا ہے۔ (مسند بزار بحوالہ مختصر ابن کثیر: 2/1961) (6) نبی ﷺ نے شہادت کی اور درمیانی انگلی ملا کر فرمایا میں قیامت کے ساتھ اس طرح مبعوث کیا گیا ہوں۔ (مسلم: 7403، بخاری: 6563) یعنی میرے اور قیامت کے درمیان اب کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ (7) ﴿وَانۡشَقَّ الۡقَمَرُ﴾ ''اور چاند پھٹ گیا'' سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے کسی نشانی کا مطالبہ کیا تو چاند مکہ میں دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (ترمذی) (8) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چاند دو ٹکڑوں میں پھٹ گیا تو قریش والوں نے کہا ابن ابی کبشہ نے جادو کر دیا ہے، تم پر جادو ہو گیا ہے۔ تم مسافروں سے سوال کرو۔ تو جب انہوں نے مسافروں سے اس بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا ہاں ہم نے اسے دو ٹکڑوں میں تقسیم دیکھا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی۔ (بخاری)

﴿ وَاِنۡ يَّرَوۡا اٰيَةً يُّعۡرِضُوۡا وَيَقُوۡلُوۡا سِحۡرٌ مُّسۡتَمِرٌّ ﴿2﴾ ﴾

''اوراگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ موڑ جاتے ہیں اور کہتے ہیں: ''یہ ایک جادو ہے جو گزر جانے والا ہے۔'' (2)

سوال1: ﴿ وَاِنۡ يَّرَوۡا اٰيَةً يُّعۡرِضُوۡا وَيَقُوۡلُوۡا سِحۡرٌ مُّسۡتَمِرٌّ ﴾ ''اوراگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ موڑ جاتے ہیں اور کہتے ہیں: ''یہ ایک جادو ہے جو گزر جانے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَاِنۡ يَّرَوۡا اٰيَةً يُّعۡرِضُوۡا ﴾ ''اوراگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ موڑ جاتے ہیں'' نبی ﷺ کو جھٹلانے والوں نے آپ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ کوئی خلاف عادت معجزہ دکھائیں جو آپ ﷺ کی نبوت کی صداقت اور قرآن کے من جانب اللہ ہونے پر دلالت کرے تو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے چاند کی طرف اشارہ کیا اور وہ دوٹکڑے ہوگیا۔ ایک جبل ابی قبیس کے ایک طرف اور دوسرا ٹکڑا جبل قیقعان پر چلا گیا۔ مشرکین اس کو دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے اس سے پہلے نہ کبھی ایسا واقعہ سنا تھا، نہ دیکھا تھا۔ اس معجزے کو دیکھ کر وہ مغلوب ہوئے لیکن ہدایت حاصل کرنا ان کا مقصد نہیں تھا اس لیے ایمان ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے منہ موڑا اور بہتان طرازی کی۔ (2) ﴿وَيَقُوۡلُوۡا سِحۡرٌ مُّسۡتَمِرٌّ﴾ '' اور کہتے ہیں: ''یہ ایک جادو ہے جو گزر جانے والا ہے'' انہوں نے معجزے کا انکار کیا اور سرکشی سے کہا: محمد نے ہم پر جادو کر دیا ہے۔ وہ ایک معجزے کا انکار کرنے والے نہیں تھے۔ ہر معجزے کا انکار کرنے کے لیے تلے بیٹھے تھے۔ انہوں نے کہا چلتا ہوا جادو ہے، دھوکہ ہے، باطل ہے۔

سوال2: معجزات کو کب جھٹلایا جاتا ہے؟

جواب: (1) جب حق اور ہدایت کی پیروی کرنا کسی کا مقصد نہیں ہوتا۔ (2) جب کوئی خواہشات نفس کی پیروی کرتا ہے۔ (3) جب اللہ تعالیٰ کسی کی بھلائی نہیں چاہتا۔ (4) جب لوگ عقل سلیم کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں تو معجزات کا انکار کر دیتے ہیں۔

سوال3: نشانی یعنی معجزات کو نہ ماننے والے انہیں جادو کیوں قرار دیتے ہیں؟

جواب: نشانی یعنی معجزات کو تسلیم نہ کرنے والے ان پر ایمان نہ لانے کے لئے انہیں جادو قرار دیتے ہیں۔

﴿ وَكَذَّبُوۡا وَاتَّبَعُوۡۤا اَهۡوَآءَهُمۡ وَكُلُّ اَمۡرٍ مُّسۡتَقِرٌّ ﴿3﴾ ﴾

''اور اُنہوں نے جھٹلایا اور وہ اپنی خواہشات کے پیچھے چلے، اور ہر کام انجام کو پہنچنے والا ہے''۔ (3)

سوال1: ﴿ وَكَذَّبُوۡا وَاتَّبَعُوۡۤا اَهۡوَآءَهُمۡ وَكُلُّ اَمۡرٍ مُّسۡتَقِرٌّ ﴾ ''اور اُنہوں نے جھٹلایا اور وہ اپنی خواہشات کے پیچھے چلے، اور ہر کام انجام کو پہنچنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَ کَذَّبُوۡا وَ اتَّبَعُوۡۤا اَهۡوَآءَ هُمۡ﴾ ''اوراُنہوں نے جھٹلایا''انہوں نے حق کو جھٹلا دیا اور اسے ٹھکرا دیا۔(2)﴿وَاتَّبَعُوۡۤا اَهۡوَآءَ هُمۡ﴾''اور وہ اپنی خواہشات کے پیچھے چلے''انہوں نے اپنی نادانی سے خواہشات کی پیروی کی اور حق کو چھوڑ دیا۔رب العزت نے فرمایا:﴿فَاِنۡ لَّمۡ یَسۡتَجِیۡبُوۡا لَکَ فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا یَتَّبِعُوۡنَ اَهۡوَآئَهُمۡ ط وَمَنۡ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ بِغَیۡرِ هُدًی مِّنَ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ﴾ ''پھر اگر وہ آپ کی بات قبول نہ کریں تو آپ یقین کریں کہ وہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور اُس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے بغیر ہی اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے؟ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔(القصص:50)(3)اگر ان کا مقصد حق کی پیروی کرنا ہوتا تو وہ ایمان لے آتے۔(4)﴿وَاتَّبَعُوۡۤا اَهۡوَآءَ هُمۡ﴾ ''اور وہ اپنی خواہشات کے پیچھے چلے'' کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی خواہشات کو ترجیح دیتے ہوئے اور ان کی اتباع و پیروی کرتے ہوئے اس کی تصدیق کرنے سے انکار کر دیا، حالانکہ ان کو محمد ﷺ کی نبوت کی صحت کا یقین ہو چکا تھا اور ان کو اس چیز کا بھی یقین ہو چکا تھا جو چیز محمد ﷺ کے پاس ان کے ربّ کی طرف سے نازل ہوئی تھی۔(جس چیز کو رسول اللہ ﷺ اپنے رب سے لے کر آئے تھے۔)(تفسیر جامع البیان:94/27)(4)﴿وَ کُلُّ اَمۡرٍ مُّسۡتَقِرٌّ﴾ ''اور ہر کام انجام کو پہنچنے والا ہے''یعنی ہر کام کو ٹھہرا دیا گیا ہے۔خیر اور بھلائی کے راستوں پر چلنے والوں کے لیے بھلائی اور شر چاہنے والوں کے لیے شر مقرر کر دیا گیا ہے۔(5)یعنی اب تک معاملہ اپنی انتہا کو نہیں پہنچا۔جب اپنے انجام کو پہنچے گا تو خیر کے راستے پر چلنے والے نعمت بھری جنتوں میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے زیر سایہ زندگی گزاریں گے اور جھٹلانے والے ہمیشہ کے عذاب میں رہیں گے۔(6)اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہر اچھی اور بری چیز کا اپنا اپنا ٹھکانہ ہے جس میں وہ ٹھہری ہوئی ہے اور اس کو روکنے والی چیز اس کی انتہا اور حد ہے۔خیر اپنے اہل کے پاس جنت میں ہے اور شر اپنے اہل کے پاس جہنم میں ہے۔(تفسیر جامع البیان:94/27)

سوال2:اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے جھٹلانے کی کیا وجہ بتائی ہے؟

جواب:لوگوں کے جھٹلانے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی۔

سوال3:اللہ تعالیٰ نے فرمایا''اور ہر کام انجام کو پہنچنے والا ہے''اس کی حکمت واضح کریں؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ نے یہ بات اس لئے ارشاد فرمائی کہ ہر ایک کام کا نتیجہ نکلنے والا ہے۔ہر ایک کام کی کوئی نہ کوئی انتہا ہے۔انتہا خواہ اچھی ہو یا بُری، نتیجہ ضرور سامنے آتا ہے خواہ دنیا میں خواہ آخرت میں۔(2)اللہ تعالیٰ نے یہ بات اس لئے ارشاد فرمائی کہ قریش نے حق کو جھٹلایا اور اپنی خواہشات کی پیروی کی تو انہیں یہ احساس دلایا گیا ہے کہ اس عمل کا نتیجہ لازماً نکلے گا۔دنیا میں نہیں تو آخرت میں ضرور نکلے گا۔یوں اللہ تعالیٰ نے اُن کے جھٹلانے اور خواہشات کی تردید کے لئے یہ ارشاد فرمایا۔

﴿وَلَقَدۡ جَآءَ هُمۡ مِّنَ الۡاَنۡبَآءِ مَا فِیۡهِ مُزۡدَجَرٌ (4)﴾

''اور بلاشبہ یقیناًان کے پاس کئی خبریں آئی ہیں جن میں نصیحت ہے۔'' (4)

سوال1: ﴿وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناًان کے پاس کئی خبریں آئی ہیں جن میں نصیحت ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْبَآءِ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناًان کے پاس کئی خبریں آئی ہیں'' یعنی ان جھٹلانے والوں کا مقصد ہدایت کی پیروی کرنا نہیں ہے تو اب ان کے پاس رسولوں کو جھٹلانے والی قوموں کی خبریں، معجزات اور ان کا ہولناک انجام آئے گا۔ (2) ﴿مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ﴾ ''جن میں نصیحت ہے'' یعنی تباہی کے واقعات میں ان کے لیے نصیحت بھی ہے اور ان کی گمراہی پر تنبیہ بھی ہے۔ (3) گزشتہ قوموں کی ہلاکت سے جو عبرت حاصل کرنا چاہے وہ سبق لے کر شرک سے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ سکتا ہے۔

سوال2: گزشتہ قوموں کی ہلاکت سے جو عبرت اور نصیحت حاصل کرنا چاہے وہ کیا سبق لے سکتا ہے؟

جواب: گزشتہ قوموں کی ہلاکت سے جو عبرت حاصل کرنا چاہے وہ سبق لے کر شرک سے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ سکتا ہے۔

﴿حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ (5)﴾

''کامل دانائی کی بات ہے، پھر بھی تنبیہات انہیں فائدہ نہیں دیتیں''۔ (5)

سوال1: ﴿حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ﴾ ''کامل دانائی کی بات ہے'' پھر بھی تنبیہات انہیں فائدہ نہیں دیتیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ﴾ ''کامل دانائی کی بات ہے، یعنی جو خبریں ان کے پاس آئی ہیں وہ حکمت بالغہ ہیں۔ یعنی کامل حکمت۔ (ایسر التفاسیر:1549) (2) یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ ہے تاکہ تمام جہانوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہو جائے اور رسولوں کے مبعوث کیے جانے کے بعد کسی کے لیے اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت باقی نہ رہے۔ (تفسیر سعدی:2656,2657/3) (3) ﴿فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ﴾ ''پھر بھی تنبیہات انہیں فائدہ نہیں دیتیں'' یعنی وہ قوم جس نے جھٹلایا ہے اور خواہشات کی پیروی کی، انہیں کوئی چیز کام نہیں آئی۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ (٩٦) وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (٩٧)﴾ ''یقیناً جن لوگوں پر آپ کے رب کی بات ثابت ہوگئی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اگرچہ اُن کے پاس ہر نشانی آجائے یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں۔ (یونس:96,97) (4) جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ مہر لگا دے انہیں کون ہدایت پر لا سکتا ہے۔ (5) ﴿فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ﴾ ''کامل دلیل اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے'' (الانعام:149)

سوال2: اللہ تعالیٰ کے ہدایت دینے اور گمراہ کرنے میں کیسے حکمت ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ اُسی کوگمراہ کرتا ہے جوگمراہ ہونا چاہتا ہے اور جس میں گمراہ ہونے کا میلان موجود ہوتا ہے۔اور وہ اُسی کو ہدایت دیتا ہے جو ہدایت چاہتا ہے اور جس میں ہدایت حاصل کرنے کا میلان موجود ہوتا ہے۔یقیناً اللہ تعالیٰ کے ہدایت دینے اور گمراہ کرنے میں بڑی حکمت ہے۔

سوال3: تنبیہات کس کے کام نہیں آتیں؟

جواب: (1) جس کے لئے اللہ تعالی بدبختی لکھ دے۔(2) جس کے دل پر اللہ تعالیٰ مہر لگا دے اُس کو پیغمبروں کی نصیحت فائدہ نہیں دیتی۔

﴿ فَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ يَوۡمَ يَدۡعُ الدَّاعِ اِلٰى شَىۡءٍ نُّكُرٍ ⁽⁶⁾ ﴾

''چنانچہ آپ اُن سے منہ پھیرلیں۔جس دن پکارنے والا ایک سخت ناگوار چیز کی طرف پکارے گا''۔(6)

سوال: ﴿فَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ يَوۡمَ يَدۡعُ الدَّاعِ اِلٰى شَىۡءٍ نُّكُرٍ﴾ ''چنانچہ آپ اُن سے منہ پھیرلیں جس دن پکارنے والا ایک سخت ناگوار چیز کی طرف پکارے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ رب العزت نے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ اب جنہوں نے جھٹلا دیا ان کی ہدایت کا کوئی امکان نہیں لہٰذا ﴿فَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ﴾ ''چنانچہ آپ اُن سے منہ پھیرلیں یعنی آپ ان سے اعراض کریں اور اس دن کا انتظار کریں۔(2) ﴿يَوۡمَ يَدۡعُ الدَّاعِ﴾ ''جس دن پکارنے والا پکارے گا''، یعنی جس دن سیدنا اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے اور انہیں حشر کے میدان کی طرف بلائیں گے۔(3) ﴿اِلٰى شَىۡءٍ نُّكُرٍ﴾ ''ایک سخت ناگوار چیز کی طرف'' تو اس سے برا کوئی منظر نہیں ہوگا۔جب مردے اپنی قبروں سے اٹھ کر میدان حشر میں ٹڈیوں کی طرح دوڑ کر پھیل جائیں گے۔اس میدان میں گھبراہٹ ہوگی اور مصائب ہوں گے۔

﴿ خُشَّعًا اَبۡصَارُهُمۡ يَخۡرُجُوۡنَ مِنَ الۡاَجۡدَاثِ كَاَنَّهُمۡ جَرَادٌ مُّنۡتَشِرٌ ⁽⁷⁾ ﴾

''ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی، وہ اپنی قبروں سے ایسے نکلیں گے گویا وہ منتشر ٹڈیاں ہوں''۔(7)

سوال1: ﴿خُشَّعًا اَبۡصَارُهُمۡ يَخۡرُجُوۡنَ مِنَ الۡاَجۡدَاثِ كَاَنَّهُمۡ جَرَادٌ مُّنۡتَشِرٌ﴾ ''ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی، وہ اپنی قبروں سے ایسے نکلیں گے گویا وہ منتشر ٹڈیاں ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿خُشَّعًا اَبۡصَارُهُمۡ﴾ ''ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی''، یعنی دہشت اور گھبراہٹ کے باعث لوگ جھکی آنکھوں کے ساتھ قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔(2) ﴿يَخۡرُجُوۡنَ مِنَ الۡاَجۡدَاثِ﴾ ''وہ اپنی قبروں سے ایسے نکلیں گے'' وہ اپنی قبروں سے یوں نکلیں گے۔(3) ﴿كَاَنَّهُمۡ جَرَادٌ مُّنۡتَشِرٌ﴾ ''گویا وہ منتشر ٹڈیاں ہوں'' گویا وہ ٹڈی دل ہیں۔لوگ کثیر ہوں گے، بے ترتیب ہوں گے، زمین

پر پھیلے ہوئے ہوں گے۔ٹڈیوں کی طرح بلانے والے کی آواز پر دوڑے چلے جائیں گے،مخالفت نہیں کریں گے۔(4)رب العزت نے فرمایا:﴿یَوۡمَ یَکُوۡنُ النَّاسُ کَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ ﴾''جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی مانند ہوں گے۔(القارعہ:4)﴿وَنُفِخَ فِی الصُّوۡرِ فَاِذَا هُمۡ مِّنَ الۡاَجۡدَاثِ اِلٰی رَبِّهِمۡ یَنۡسِلُوۡنَ ﴿۵۱﴾ قَالُوۡا یٰوَیۡلَنَا مَنۡۢ بَعَثَنَا مِنۡ مَّرۡقَدِنَا سکتہ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ وَصَدَقَ الۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۵۲﴾ اِنۡ کَانَتۡ اِلَّا صَیۡحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمۡ جَمِیۡعٌ لَّدَیۡنَا مُحۡضَرُوۡنَ ﴿۵۳﴾﴾''اور صور میں پھونکا جائے گا سو یکا یک وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف تیزی سے دوڑ پڑیں گے۔ وہ کہیں گے:''ہائے ہماری بدبختی!کس نے ہمیں ہماری قبروں سے اُٹھایا؟''یہ وہی ہے جس کا رحمان نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا۔نہیں ہوگی مگر ایک ہی چیخ تو اچانک وہ سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کیئے ہوئے ہوں گے۔(یٰسین:51۔53)

﴿مُّهۡطِعِیۡنَ اِلَی الدَّاعِ ؕ یَقُوۡلُ الۡکٰفِرُوۡنَ هٰذَا یَوۡمٌ عَسِرٌ ﴿8﴾﴾

''گردن اُٹھا کر پکارنے والے کی طرف دوڑنے والے ہوں گے،کافر کہیں گے:''یہ تو بڑا مشکل دن ہے۔''(8)

سوال1: ﴿مُّهۡطِعِیۡنَ اِلَی الدَّاعِ ؕ یَقُوۡلُ الۡکٰفِرُوۡنَ هٰذَا یَوۡمٌ عَسِرٌ ﴾''گردن اُٹھا کر پکارنے والے کی طرف دوڑنے والے ہوں گے،کافر کہیں گے:''یہ تو بڑا مشکل دن ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿مُّهۡطِعِیۡنَ اِلَی الدَّاعِ﴾''گردن اُٹھا کر پکارنے والے کی طرف دوڑنے والے ہوں گے''یعنی پکارنے والا جب پکارے گا اور انہیں حکم دے گا کہ حشر کے میدان میں حاضر ہو جاؤ تو سب پکار پر لبیک کہیں گے اور پکارنے والے کی طرف دوڑیں گے۔(2)رب العزت نے فرمایا:﴿وَاسۡتَمِعۡ یَوۡمَ یُنَادِ الۡمُنَادِ مِنۡ مَّکَانٍ قَرِیۡبٍ ﴿۴۱﴾ یَّوۡمَ یَسۡمَعُوۡنَ الصَّیۡحَةَ بِالۡحَقِّ ؕ ذٰلِکَ یَوۡمُ الۡخُرُوۡجِ ﴿۴۲﴾﴾ ''اور کان لگا کر سنو!جس دن پکارنے والا قریب کی جگہ سے پکارے گا۔جس دن وہ چنگھاڑ کو حق کے ساتھ سن لیں گے،وہی نکلنے کا دن ہوگا''۔(ق:41,42)(3)﴿یَوۡمَئِذٍ یَّتَّبِعُوۡنَ الدَّاعِیَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الۡاَصۡوَاتُ لِلرَّحۡمٰنِ فَلَا تَسۡمَعُ اِلَّا هَمۡسًا ﴿۱۰۸﴾﴾ ''اس دن سب لوگ بلانے والے کے پیچھے چل پڑیں گے،کسی میں کوئی کجی نہ ہوگی اور آوازیں رحمٰن کے لیے دب جائیں گی،چنانچہ آپ سرسراہٹ کے سوا کچھ نہ سنیں گے۔(طٰہٰ:108)(4)﴿یَقُوۡلُ الۡکٰفِرُوۡنَ﴾''کافر کہیں گے''یعنی وہ کافر جن کے سامنے ان کا عذاب موجود ہوگا کہہ رہے ہوں گے(5)﴿هٰذَا یَوۡمٌ عَسِرٌ ﴾''یہ تو بڑا مشکل دن ہے''آج کا دن تو بڑا بھاری اور سخت ہے۔رب العزت نے فرمایا:﴿ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ غَیۡرُ یَسِیۡرٍ ﴿۱۰﴾﴾''کافروں پر آسان نہ ہوگا''(المدثر:10)(6)اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ ایمان والوں پر بھی وہ دن سخت نہیں ہوگا۔

سوال2:یہ کس شخص کا قول ہے: هٰذَا یَوۡمٌ عَسِر ؟

جواب: یہ ایسے شخص کا قول ہے جو غفلت میں ڈوبا ہوا گویا بوجھل قدموں سے سولی چڑھنے کے لئے جا رہا ہو۔

﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَّازْدُجِرَ (9)﴾

''ان سے پہلے نوح کی قوم نے جھٹلایا تھا تو اُنہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا اور کہا: ''دیوانہ ہے۔'' اور اُسے جھڑکا گیا'' (9)

سوال: 1: ﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَّازْدُجِرَ﴾ ''ان سے پہلے نوح کی قوم نے جھٹلایا تھا تو اُنہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا اور کہا: ''دیوانہ ہے۔'' اور اُسے جھڑکا گیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ﴾ ''ان سے پہلے نوح کی قوم نے جھٹلایا تھا'' سیدنا نوح علیہ السلام پہلے رسول ہیں جن کو بت پرست قوم کی طرف بھیجا گیا۔ سیدنا نوح علیہ السلام نے انہیں توحید اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیا اور بتوں کی عبادت سے روکا تو انہوں نے کہا ﴿وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۥ وَّلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا (٢٣)﴾ ''اور اُنہوں نے کہا کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ وَدکو چھوڑنا اور نہ سُواع کو اور نہ ہی یغوث اور یعوق اور نسر کو۔'' (نوح:23) (2) ﴿فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا﴾ ''تو اُنہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا'' یعنی نوح علیہ السلام نے انہیں کھلے چھپے دعوت دی مگر ان کی دشمنی اور سرکشی میں اضافہ ہی ہوا اور انہوں نے ہمارے بندے یعنی نوح علیہ السلام کو جھٹلایا۔ (3) عبد کے لفظ سے سیدنا نوح علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خاص تعلق ظاہر ہو رہا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے واقعۂ اِسراء میں رسول اللہ ﷺ کے لیے عبد کا لفظ استعمال کیا۔ فرمایا: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ﴾ ''پاک ہے وہ جو ایک رات اپنے بندے کو لے گیا۔'' (الاسراء:1) (4) صاحب تفسیر البحر المحیط فرماتے ہیں: لفظ ''عبدنا'' آپ کے شرف و کمال اور عبودیت کا وصف بیان کرنے کے لیے ہے۔ (تفسیر البحر المحیط:176/8) (5) ﴿وَقَالُوا مَجْنُونٌ﴾ ''اور کہا: ''دیوانہ ہے'' نوح علیہ السلام ان کے پاس جو کچھ لے کر آئے تھے وہ ثابت شدہ حقائق تھے جو ہدایت کی طرف راہ نمائی کرتے تھے لیکن انہوں نے کہا کہ نوح جو کچھ لے آئے ہیں وہ جہالت اور گمراہی ہے جو دیوانوں سے سرزد ہو سکتی ہے۔ (6) ﴿وَّازْدُجِرَ﴾ ''اور اُسے جھڑکا گیا'' نوح کو بہت برا بھلا کہا گیا۔ وہ کبھی سنگسار کرنے کی دھمکی دیتے، کبھی قتل کی، کبھی اس بات پر ڈانٹتے کہ تم اس کام سے باز کیوں نہیں آتے؟ رب العزت نے فرمایا: ﴿قَالُوا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ (١١٦)﴾ ''انہوں نے کہا: ''اے نوح! یقیناً اگر تم باز نہیں آؤ گے تو یقیناً ضرور تم سنگسار کیے گئے لوگوں میں سے ہو جاؤ گے۔'' (الشعراء:116) (7) انبیاء کے دشمنوں کا ان کے ساتھ ہر دور میں یہی طرز عمل رہا ہے۔

﴿فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (10)﴾

تو اُس نے اپنے رب کو پکارا: ''میں بے بس ہوں سو تو بدلہ لے لے!'' (10)

سوال:﴿فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیۡ مَغۡلُوۡبٌ فَانۡتَصِرۡ ﴾''تو اُس نے اپنے رب کو پکارا:''میں بے بس ہوں سوتو بدلہ لے لے!'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَدَعَا رَبَّهٗۤ ﴾''تو اُس نے اپنے رب کو پکارا''سیدنا نوح علیہ السلام نے جب پوری زندگی کی مشقت کے بعد بھی خود کو مغلوب دیکھا اور اپنی طاقت میں کمی دیکھی تو رب العالمین سے دعا کی۔(2)﴿اَنِّیۡ مَغۡلُوۡبٌ﴾''میں بے بس ہوں''مغلوب ہونے سے یہ مراد نہیں ہے کہ لوگ سیدنا نوح علیہ السلام کو ذاتی طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روکنے میں کامیاب ہو گئے تھے کیونکہ عموماً لوگ نافرمانی کرتے ہوئے دلیل یہ دیتے ہیں کہ ہم پر لوگ غالب آ گئے ہیں۔مغلوب ہونے سے مراد ہے کہ لوگ حق کی دعوت کو قبول نہیں کرتے،سرکشی کرتے ہیں اور میں انہیں حق کی طرف لانے میں کامیاب نہیں ہوں۔(3)﴿فَانۡتَصِرۡ ﴾''سوتو بدلہ لے لے''یعنی اے اللہ میری مدد فرما:میری طرف سے بدلہ لے لے۔سیدنا نوح علیہ السلام کی ایک اور دعا سے اس کا اظہار ہوا﴿ وَقَالَ نُوۡحٌ رَّبِّ لَا تَذَرۡ عَلَی الۡاَرۡضِ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ دَیَّارًا﴾''اور نوح نے کہا:''اے میرے رب!تو زمین پر کافروں میں کسی رہنے والے کو نہ چھوڑ''۔(نوح:26)

﴿ فَفَتَحۡنَاۤ اَبۡوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنۡهَمِرٍ (11)﴾

''چنانچہ ہم نے آسمان کے دروازے ایسے پانی سے کھول دیے جو زور سے برسنے والا تھا''(11)

سوال1:﴿ فَفَتَحۡنَاۤ اَبۡوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنۡهَمِرٍ﴾''چنانچہ ہم نے آسمان کے دروازے ایسے پانی سے کھول دیے جو زور سے برسنے والا تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)'چنانچہ ہم نے آسمان کے دروازے ایسے پانی سے کھول دیے جو زور سے برسنے والا تھا'اللہ تعالیٰ نے سیدنا نوح علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور موسلا دھار بارش کے ساتھ آسمان کے دروازے کھول دیے۔(2)ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان نے اپنے دہانے کھول دیے ہیں۔(3)اس طرح ان کی قوم سے بدلہ لے لیا۔

سوال2:اللہ تعالیٰ نے آسمان کو سیدنا نوح علیہ السلام کا کیسے معاون بنا دیا؟

جواب:اللہ تعالیٰ نے چالیس دن تک موسلا دھار بارش برسائی۔

﴿ وَّفَجَّرۡنَا الۡاَرۡضَ عُیُوۡنًا فَالۡتَقَی الۡمَآءُ عَلٰۤی اَمۡرٍ قَدۡ قُدِرَ (12)﴾

''اور ہم نے زمین کو چشموں سے پھاڑ دیا تو اس کام پر جو طے ہو چکا تھا سارا پانی مل گیا''۔(12)

سوال1:﴿ وَّفَجَّرۡنَا الۡاَرۡضَ عُیُوۡنًا فَالۡتَقَی الۡمَآءُ عَلٰۤی اَمۡرٍ قَدۡ قُدِرَ﴾''اور ہم نے زمین کو چشموں سے پھاڑ دیا تو اس کام

پر جو طے ہو چکا تھا سارا پانی مل گیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا﴾ ''اور ہم نے زمین کو چشموں سے پھاڑ دیا'' آسمان سے اتنا پانی برسا کہ تمام روئے زمین پر جگہ جگہ چشمے پھوٹ پڑے حتیٰ کہ تنور سے بھی چشمہ پھوٹ نکلا جو آگ کی جگہ ہے جہاں چشمہ تو کجا پانی بھی نہیں ہوسکتا۔(2)﴿فَالْتَقَى الْمَآءُ﴾ ''تو سارا پانی مل گیا'' آسمان سے نازل ہونے والی بارش اور زمین پر جمع ہونے والا پانی مل گیا اور پانی کی سطح اتنی بلند ہوگئی کہ چھوٹے پہاڑ ڈوب گئے۔(3)﴿عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ﴾ ''اس کام پر جو طے ہو چکا تھا'' جسے اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں ظالموں کی سزا کے لیے مقدر کر رکھا تھا۔

سوال2: اللہ تعالیٰ نے زمین کو سیدنا نوح علیہ السلام کے لئے کیسے معاون بنا دیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے زمین سے چشمے جاری کر دیئے اور یوں خوب پانی جمع ہو گیا۔

سوال3: آسمان اور زمین اللہ تعالیٰ کے حکم پر اُس کے بندوں سے کیسے تعاون کرتے ہیں؟

جواب: آسمان اور زمین مل کر اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کر کے تعاون کرتے ہیں۔

﴿وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ (13)﴾

''اور نوح کو ہم نے کیلوں اور تختوں والی (کشتی) پر سوار کر دیا''۔(13)

سوال1:﴿وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ﴾ ''اور نوح علیہ السلام کو ہم نے کیلوں اور تختوں والی (کشتی) پر سوار کر دیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اور نوح علیہ السلام کو ہم نے کیلوں اور تختوں والی (کشتی) پر سوار کر دیا'' اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے نوح علیہ السلام کو تختوں اور کیلوں والی کشتی پر سوار کر دیا۔(2) اس کشتی کو کیلوں کے ذریعے جوڑا گیا اور تسموں سے باندھا گیا۔

سوال2: سیدنا نوح علیہ السلام کو طوفان سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کیا انتظام کیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے سیدنا نوح علیہ السلام کو بہت بڑی کشتی پر سوار کر دیا۔

سوال3: وہ کشتی کہاں سے آئی تھی جس میں سیدنا نوح علیہ السلام نے مومنوں کو سوار کیا تھا؟

جواب: سیدنا نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیلوں اور میخوں کی مدد سے تختے جوڑ کر کشتی بنائی تھی۔ اس لیے اسے کیلوں اور میخوں والی کہا گیا۔

﴿تَجۡرِیۡ بِاَعۡیُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنۡ کَانَ کُفِرَ ﴿۱۴﴾﴾

''وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی رہی، یہ تھا بدلہ اُس شخص کے لیے جس کا انکار کیا گیا تھا'' (14)

سوال1:﴿ تَجۡرِیۡ بِاَعۡیُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنۡ کَانَ کُفِرَ ﴾ ''وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی رہی، یہ تھا بدلہ اُس شخص کے لیے جس کا انکار کیا گیا تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ تَجۡرِیۡ بِاَعۡیُنِنَا ﴾ ''وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی رہی''یعنی وہ کشتی جس پر نوح علیہ السلام نے ایمان والوں کو سوار کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں چل رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے کشتی منزل کی طرف رواں دواں تھی۔ سیدنا نوح علیہ السلام کو اوران کے ساتھیوں میں سے کسی کو معلوم نہیں تھا کہ ہم نے کس منزل تک پہنچنا ہے؟ وہ اللہ تعالیٰ کے سہارے کشتی میں بیٹھے تھے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہترین حفاظت کرنے والا ہے اور بہترین کام بنانے والا ہے۔(2)﴿جَزَآءً لِّمَنۡ کَانَ کُفِرَ ﴾ ''یہ تھا بدلہ اُس شخص کے لیے جس کا انکار کیا گیا تھا'' یہ اس کا بدلہ ہے جس کو جھٹلایا گیا، جس کا انکار کیا گیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ثابت قدم رہے اور کوئی انہیں اپنے مقصد سے نہیں ہٹا سکا ۔رب العزت نے فرمایا:﴿ قِیۡلَ یٰنُوۡحُ اہۡبِطۡ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَکٰتٍ عَلَیۡکَ وَ عَلٰۤی اُمَمٍ مِّمَّنۡ مَّعَکَ ؕ وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُہُمۡ ثُمَّ یَمَسُّہُمۡ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۴۸﴾﴾ ''کہا گیا:''اے نوح! ہماری جانب سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ اُتر جاؤ تم پر اور اُن گروہوں پر جو تمہارے ساتھ ہیں اور کچھ گروہ ایسے ہیں کہ جلد ہی ان کو ہم ساز و سامان دیں گے پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔''(ہود:48)(3)اس آیت کریمہ میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ ہم نے نوح کی قوم کو ہلاک کیا اور ہم نے ان کو عذاب اور رسوائی میں ڈالا، ان کے کفر اور عناد کی جزا کے طور پر۔ یہ معنی اس شخص کی قراءت پر مبنی ہے جس نے کَفَرَ کے کاف کو زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔(تفسیر سعدی:2960/3) (4)اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے بے یار و مددگار نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نُصرت آتی ہے اور قوم کی ناقدری پر اللہ تعالیٰ ایسی قدر کرتے ہیں کہ دنیا میں ایسے انسان کی زندگی دوسروں کے لیے مثال بن جاتی ہے۔

سوال2:''یہ تھا بدلہ اُس شخص کے لیے جس کا انکار کیا گیا تھا'' اس سے ہمیں کیا پتہ چلتا ہے؟

جواب:اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے بے یار و مددگار نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نُصرت آتی ہے اور قوم کی ناقدری پر اللہ تعالیٰ ایسی قدر کرتے ہیں کہ دنیا میں ایسے انسان کی زندگی دوسروں کے لیے مثال بن جاتی ہے۔

﴿وَ لَقَدۡ تَّرَکۡنٰہَاۤ اٰیَۃً فَہَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ ﴿۱۵﴾﴾

''اور بلاشبہ یقیناً اُس کو ہم نے ایک نشانی بنا کر چھوڑ دیا ہے تو کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟''(15)

سوال1: ﴿وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ ''اور بلا شبہ یقیناً اُس کو ہم نے ایک نشانی بنا کر چھوڑ دیا ہے تو کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً﴾ ''اور بلا شبہ یقیناً اُس کو ہم نے ایک نشانی بنا کر چھوڑ دیا ہے'' اللہ تعالیٰ اس آیت میں ذکر فرما رہے ہیں کہ ہم نے اس کشتی کو جس میں نوح علیہ السلام اور اس کے ساتھی سوار تھے آئندہ کے لوگوں کے لیے نشانی بنا دیا یعنی نوح علیہ السلام کے بعد آنے والی امتوں کے لیے عبرت بنا دیا تا کہ یہ امتیں اس سے عبرت پکڑیں اور نصیحت حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والے جس راستے پر یہ چل رہے ہیں اس سے باز آ جائیں۔ انبیاء ورسل کو جھٹلانا چھوڑ دیں ورنہ ان کے لیے بھی وہی سزا ہوگی جو ان سے پہلوں کے لیے تھی۔ (جامع البیان: 100/27) (2) ﴿تَّرَكْنٰهَآ﴾ ''چھوڑ دیا ہم نے اس کو'' کی ضمیر کشتی اور اس کی جنس کی طرف لوٹتی ہے اس لیے کہ کشتی کی صنعت کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سیدنا نوح علیہ السلام کو دی، پھر اس صنعت اور اس کی جنس کو لوگوں میں باقی رکھا تا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر رحمت اور عنایت، اس کی کامل قدرت اور انوکھی صنعت پر دلالت کرے۔ (تفسیر سعدی: 2660/3) (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ (۱۱) لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ (۱۲)﴾ بے شک جب پانی حد سے گزر گیا تو ہم ہی نے تمہیں کشتی میں سوار کر دیا۔ تا کہ ہم اُس کو تمہارے لیے نصیحت بنا دیں اور یاد رکھنے والے کان اُس کو یاد رکھیں۔ (الحاقۃ: 11,12) (4) اس کشتی کو ہم نے قدرت کی نشانی بنا کر چھوڑ دیا۔ کہتے ہیں کہ یہ کشتی جودی پہاڑ پر ایک مدت تک رہی اور اسے اس امت کے لوگوں نے بھی دیکھا۔ آج بھی اس کے بعض تختوں کی تلاش جاری ہے۔ (شوکانی، اشرف، 637/1) (5) ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ ''تو کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا'' یعنی کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے اور اپنے قلب و ذہن کی توجہ اس جانب کرے تو اسے حقیقت سمجھ آئے اور وہ نصیحت مان لے۔

سوال2: اللہ تعالیٰ نے طوفانِ نوح کے تذکرے کے بعد کس چیز کی طرف توجہ دلائی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے طوفانِ نوح کے تذکرے کے بعد توجہ دلائی ہے کہ کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟

﴿فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ (16)﴾

''پھر کیسا تھا میرا عذاب اور میرا ڈرانا!'' (16)

سوال1: ﴿فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ﴾ ''پھر کیسا تھا میرا عذاب اور میرا ڈرانا!'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''پھر کیسا تھا میرا عذاب اور میرا ڈرانا!'' اللہ تعالیٰ نے قومِ نوح پر آنے والے عذاب کی طرف توجہ دلائی ہے کہ کیسی دنیا سے محبت تھی، کیسی تمنائیں تھیں، سب غرق ہو گئیں۔ کہیں تم بھی خواہشات میں غرق نہ ہو جانا۔ (2) پس اے مخاطب! تو نے اللہ تعالیٰ کے دردناک عذاب اور اس کی اس تنبیہ کو کیسا دیکھا جو کسی کے لیے کوئی حجت نہیں چھوڑتی؟ (تفسیر سعدی: 2660/3)

سوال2: اللہ تعالیٰ نے عذاب کی طرف کیوں توجہ دلائی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اس لیے توجہ دلائی ہے تاکہ لوگ ڈریں اور نافرمانیوں اور سرکشیوں سے باز آجائیں۔

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (17)﴾

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کردیا ہے، تو کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا''؟ (17)

سوال1: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾'' اور بلاشبہ یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کردیا ہے، تو کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کردیا ہے، تو کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا''ابن کثیر فرماتے ہیں یعنی ہم نے نصیحت وعبرت حاصل کرنے والوں کے لیے اسے آسان بنادیا ہے ایسے وعظ کے ساتھ جو کافی وشافی ہے اور ہم نے اس میں وعدووعید کا بھی ذکر کیا ہے۔(الاساس فی التفسیر: 5609/10)(2)صاحب محرر الوجیز فرماتے ہیں: اس سے مراد ہے کہ ہم نے قرآن مجید میں بہترین نظم وضبط اور اعلیٰ معانی کو اس کے لیے آسان کردیا ہے اس سے دلوں کو مٹھاس ملتی ہے اور عقل سلیم اسے قبول کرتی ہے۔(المحرر الوجیز: 215/5)(3) ہم نے اس قرآن کے الفاظ کو یاد کرنے، ان کو ادا کرنے اور اس کے معانی کو علم وفہم کی خاطر نہایت آسان اور سہل بنایا کیونکہ قرآن لفظ کے اعتبار سے اچھا، معنی کے اعتبار سے سب سے سچا اور تفسیر کے اعتبار سے سب سے واضح کلام ہے۔ جو کوئی قرآن کریم پر اپنی توجہ مرکوز کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے مطلوب ومقصود کو حد درجہ آسان اور سہل کردیتا ہے۔(تفسیر سعدی: 2660./3)

سوال2: اللہ تعالیٰ نے نوح عَلَیْہِ السَّلَام کے قصے کے ذریعے سے کیا سمجھایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اس قصے میں دو چیزوں کا ذکر کیا ہے۔(1) مخلوق کو تنبیہہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی نوعیت کیسی ہوگی؟ (2) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو نصیحت حاصل کرنے والوں اور حفظ کرنے والوں کے لیے آسان بنادیا ہے اور جو حفظ کرنا چاہتا ہے اس پر اس کی مدد بھی کرتا ہے۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید جتنی واضح کوئی چیز نہیں لکھی۔ اور یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے اسے حفظ کرنا آسان بنادیا ہے تاکہ جو کچھ اس میں بیان ہوا ہے اس سے نصیحت حاصل کی جاسکے۔ کیا ہے کوئی پڑھنے والا جو اسے پڑھے! اور نصیحت حاصل کرنے والا جو اس سے نصیحت حاصل کرے۔ اس آیت کو اس سورت میں تکرار سے لانے کا مقصد تنبیہہ اور تفہیم ہے۔(تفسیر منیر: 172/14)

﴿كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿18﴾﴾

''عاد نے جھٹلایا تو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا؟'' (18)

سوال 1: ﴿كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ﴾ ''عاد نے جھٹلایا تو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿كَذَّبَتْ عَادٌ﴾ ''عاد نے جھٹلایا'' عاد یمن کا ایک معروف قبیلہ ہے جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے سیدنا ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جو انہیں توحید اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیتے تھے مگر انہوں نے سیدنا ہود علیہ السلام کو جھٹلایا۔ (تفسیر سعدی: 2661/3) (2) یعنی قوم نوح کی طرح قوم عاد نے بھی جھٹلایا تھا۔ (3) ﴿فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ﴾ ''تو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا'' اللہ تعالیٰ نے قومِ عاد پر آنے والی طوفانی ہوا کے عذاب کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سات راتوں اور آٹھ دن تک چلنے والی تیز ہوا کی وجہ سے ہر چیز کی بربادی کی طرف توجہ دلائی ہے کہ دیکھو دنیا کی محبت کی فصل کٹی پڑی ہے۔ کہیں تم تو دنیا سے محبت نہیں کرتے کیونکہ یہ فصل تو ایسے ہی کٹا کرتی ہے۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے قومِ عاد کے عذاب کی طرف کیوں توجہ دلائی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اس لیے توجہ دلائی ہے تا کہ لوگ اُس کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنے رویے کو بدلیں۔

﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿19﴾﴾

''اور یقیناً ہم نے دائمی نحوست کے دن ان پر تند و تیز ہوا بھیج دی۔ (19)

سوال 1: ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ﴾ ''اور یقیناً ہم نے دائمی نحوست کے دن ان پر تند و تیز ہوا بھیج دی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ﴾ ''اور یقیناً ہم نے ان پر تند و تیز ہوا بھیج دی'' اللہ تعالیٰ نے قوم عاد پر سخت آندھی کا عذاب مسلط فرمادیا۔ (2) ﴿رِيْحًا صَرْصَرًا﴾ ''تند و تیز ہوا'' یعنی سخت ٹھنڈی اور طوفانی ہوا بھیجی۔ (3) ﴿فِىْ يَوْمِ نَحْسٍ﴾ ''نحوست کے دن'' یعنی ایسے دن جو برکت سے خالی تھا۔ وہ عذاب کا دن، نحوست کا تھا اور قوم عاد کے لیے بہت بدبختی والا تھا۔ (4) ﴿مُّسْتَمِرٍّ﴾ ''دائمی'' جو مسلسل ایک ہفتہ جاری رہا یعنی سات راتیں اور آٹھ دن ہوا انہیں فنا کرنے کے لیے چلتی رہی۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْىِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ط وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ

(١٦)﴾ ''تو ہم نے اُن پر چند منحوس دنوں میں سخت طوفانی ہوا بھیج دی تا کہ ہم اُن کو دنیا کی زندگی میں رُسوائی کا عذاب چکھا دیں اور یقیناً آخرت کا عذاب اس سے زیادہ رُسوا کن ہے اور اُن کی مدد نہیں کی جائے گی۔'' (فصلت:16) (5)﴿ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ﴾ ''اس نے اسے سات راتیں اور آٹھ دن ان پر جڑ کاٹ دینے کے لیے مسلسل چلائے رکھا، سو آپ دیکھیں گے وہ اس طرح پچھاڑے گئے گویا گری ہوئی کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں۔ (الحاقۃ:7)

سوال 2: کیا کوئی دن بذات خود منحوس یا سعد ہوتا ہے؟

جواب: (1) ایک ہی دن ایک قوم کے حق میں منحوس ہوتا ہے اور وہی دن دوسری قوم کے حق میں سعد ہوتا ہے۔ مثلاً یہی دن سیدنا ہود عَلَیْہِ السَّلَام اور آپ کے پیروکاروں کے حق میں سعد تھا جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت سے بچالیا تھا یا مثلاً دس محرم کا دن فرعون اور آل فرعون کے لیے منحوس تھا مگر یہ دن سیدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام اور بنی اسرائیل کے لیے سعد اور انتہائی خوشی کا دن تھا۔ (2) اللہ تعالیٰ نے کوئی بھی دن ایسا پیدا نہیں کیا جو سب کے لیے نحس یا سعد ہو۔ (3) یہ نجومی اور سیاروں کے انسانی زندگی پر اثرات تسلیم کرنے والوں کی تقسیم ہے کہ فلاں دن نحس اور فلاں سعد۔ شریعت ایسی تقسیم کو شرک قرار دیتی ہے۔ (تفسیر تیسیر القرآن: 4/338)

﴿ تَنْزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ (20) ﴾

''وہ لوگوں کو اُٹھا اُٹھا کر پھینک رہی تھی گویا وہ کھجور کے اُکھڑے ہوئے تنے ہوں۔'' (20)

سوال: ﴿ تَنْزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴾ ''وہ لوگوں کو اُٹھا اُٹھا کر پھینک رہی تھی گویا وہ کھجور کے اُکھڑے ہوئے تنے ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ تَنْزِعُ النَّاسَ ﴾ ''وہ لوگوں کو اُٹھا اُٹھا کر پھینک رہی تھی'' قوم عاد پر چلنے والی ہوا کیا تھی اللہ تعالیٰ کا قہر تھا۔ وہ قلعوں میں اور گھروں میں بند انسانوں کو اٹھا کر اتنا بلند لے جاتی کہ وہ نگاہوں سے غائب ہو جاتے پھر ان کو, سر کے بل زمین پر اس زور سے پٹختی تھی کہ ان کا دماغ کچلا جاتا اور سر دھڑ سے الگ جا پڑتا۔ (2)﴿ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴾ ''گویا وہ کھجور کے اُکھڑے ہوئے تنے ہوں''، یعنی ان کی ہلاکت کے بعد ان کی لاشیں ایسی دکھائی دے رہی تھیں گویا کہ کھجور کے جڑ سے اکھڑے ہوئے تنے ہوں۔ (3) جب بندے اللہ تعالیٰ کے سامنے سرکشی اور نافرمانی کرتے ہیں تو وہ کتنے حقیر ہو جاتے ہیں۔ یا ارحم الراحمین ہمیں اپنے غضب اور اپنی ناراضگی سے بچالینا اور ہمیں عافیت عطا فرمانا۔

﴿ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ (21) ﴾

''پھر کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا؟'' (21)

سوال1: ﴿فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ﴾ ” پھر کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ﴾ ”پھر کیسا تھا میرا عذاب“، یعنی تم نے دیکھا اللہ تعالیٰ کا عذاب اور اس کا انجام۔(2) ﴿وَنُذُرِ﴾ اور کیسا تھا میرا ڈرانا“ اور ڈراووں کا نتیجہ۔(2) اللہ کی قسم! دردناک عذاب اور تنبیہ تھی جس نے کسی کے لیے اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت باقی نہ رہنے دی۔(تفسیر سعدی:2661/3)

سوال2: اللہ تعالیٰ نے اپنے کس عذاب اور کن ڈرانے والی باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے قومِ عاد پر آنے والی طوفانی ہوا کے عذاب اور ہلاکتوں کی طرف توجہ دلائی ہے تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈریں۔

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (22)﴾

”اور بلاشبہ یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا، تو کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟“ (22)

سوال1: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ ”اور بلاشبہ یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا، تو کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ﴾ ” اور بلاشبہ یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا“ قوم عاد کا بدترین انجام اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ ان اسباب و وجوہ کو تلاش کیا جائے جن کے باعث ان کا یہ بدترین انجام ہوا اور اسے سمجھنا بالکل آسان ہے کیونکہ قرآن مجید کے تمام واقعات وقصص کو سمجھنا بالکل آسان امر ہے۔کیا ہے کوئی عبرت پکڑنے والا۔(تفسیر منیر:176/14)(2) ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ ”تو کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا“ نبی کریم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کسی قوم کو سلام کہتے تو تین مرتبہ کہتے اسی طرح فرمایا: خبردار جھوٹی بات سے بچو خبردار جھوٹی بات سے بچو خبردار جھوٹی بات سے بچو۔اس طرح مذکورہ تمام مثالوں میں تاکید اور ترغیب کے اصول کو استعمال کیا گیا ہے۔(تفسیر البحر المحیط: 217/5)(3) یعنی ہم نے اس کے الفاظ آسان کر دیئے ہیں اور اس کے معنی سہل بنا دیئے ہیں ہم نے اس میں مختلف انواع کی عبرت اور وعظ ونصیحت کی ہے کہ جو چاہتا ہے وہ اس سے عبرت پکڑے اور جو چاہتا ہے وہ غور وفکر کر کے اس کا فہم حاصل کر لے۔(تفسیر مراغی:359/9)

سوال2: قرآنِ مجید کی نصیحت کو کون قبول کر سکتا ہے؟

جواب: قرآنِ مجید کی نصیحت کو وہ قبول کر سکتا ہے: (1) جس کی نیت صاف ہو۔(2) جس کے دل میں اس سے ہدایت حاصل کرنے کی تمنا ہو۔(3) جس کے کان توجہ سے سنیں۔(4) جو اس پر کُھلے دل سے غور وفکر کرے۔

سوال3: قومِ عاد کے واقعے کا تذکرہ کرنے کے بعد دوبارہ یہ بات کیوں کہی گئی: ''اور ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لیے آسان بنا دیا ہے۔ پھر کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟''

جواب: یہ بات اس لیے کہی گئی کہ قومِ عاد نے سیدنا ہود علیہ السلام کو جھٹلا کر، نصیحت قبول نہ کر کے ہلاکت خریدی تھی۔ اب تم دیکھ لو تمہارے پاس قرآنِ مجید کی نصیحت آ گئی ہے۔ قبول نہیں کرو گے تو برے انجام کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اب بتاؤ کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟

رکوع نمبر 9

﴿ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ (23) ﴾

''ثمود نے خبردار کرنے والوں کو جھٹلایا'' (23)

سوال: ﴿ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴾ ''ثمود نے خبردار کرنے والوں کو جھٹلایا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''ثمود نے خبردار کرنے والوں کو جھٹلایا'' یہاں سے صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کا تذکرہ شروع ہو رہا ہے۔ یہ تیسرا قصہ ہے یا انبیاء کرام کو جھٹلانے والی اقوام کی تیسری مثال ہے۔ ان اقوام کی عادت تھی کہ وہ ہر نبی کی تکذیب کرتے اور تمام رسولوں کے منکر تھے۔ انہوں نے نوح علیہ السلام، ہود علیہ السلام، صالح علیہ السلام اور ان کی لائی ہوئی شریعتوں کو جھٹلا دیا۔ دراصل ایک رسول یا نبی کی تکذیب تمام انبیاء کرام کی تکذیب ہے کیونکہ تمام انبیاء کرام عقیدہ اور دین کے اصولوں میں متحد ہیں۔ سیدنا صالح علیہ السلام کا معجزہ ایک عجیب و غریب اونٹنی تھی جو ایک دن میں اکیلی ساری نہر کا پانی پی جاتی تھی (اور دوسرے دن لوگ پانی پیتے تھے) اور اتنا زیادہ دودھ دیتی تھی کہ سارے قبیلے کو کافی ہو جاتا تھا۔ بلکہ ان سے زیادہ ہو جاتا تھا۔ انہوں نے اس اونٹنی کو قتل کر دیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا جبریل علیہ السلام کی چیخ کے ذریعے ان کو عذاب دیا اور وہ تباہ و برباد ہو گئے۔ (تفسیر منیر: 177/14) (2) ﴿ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴾ ''ثمود نے خبردار کرنے والوں کو جھٹلایا'' اس آیت میں ثمود سے مراد معروف قبیلہ ہے جو حِجر کے علاقے میں آباد تھا۔ جب ان کے نبی سیدنا صالح علیہ السلام نے ان کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلایا جس کا کوئی شریک نہیں اور مخالفت کی صورت میں انھیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا تو انھوں نے سیدنا صالح علیہ السلام کو جھٹلایا اور استکبار کا مظاہرہ کیا اور تکبر سے ڈینگیں مارتے ہوئے کہا کہ ہم ایک بشر کی اتباع کیسے کر سکتے ہیں؟ (تفسیر سعدی: 2662/3)

(3) قوم ثمود نے تین وجوہات کی بنا پر صالح علیہ السلام کو جھٹلایا۔ یہ وجوہات اگلی آیات میں بیان کی گئی ہیں۔

﴿ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ (24) ﴾

''پس انہوں نے کہا: ''کیا ہم ہی میں سے ایک انسان ہو ہم اس کے پیچھے چلیں؟ تب تو ہم یقیناً گمراہی اور دیوانگی میں ہوں گے'' (24)

سوال1:﴿فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴾ ''پس انہوں نے کہا:''کیا ہم ہی میں سے ایک انسان ہو ہم اس کے پیچھے چلیں؟ تب تو ہم یقیناً گمراہی اور دیوانگی میں ہوں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ﴾ ''پس انہوں نے کہا:''کیا ہم ہی میں سے ایک انسان ہو ہم اس کے پیچھے چلیں'' انہوں نے کہا یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم اپنے جیسے ایک شخص کی بات مان لیں اوراس کے پیچھے چلیں جو بازاروں میں چلتا پھرتا ہے،کھاتا پیتا ہے۔اس میں تو ہم کوئی مافوق الفطرت بات نہیں دیکھتے۔(2)﴿اِنَّآ اِذًا ﴾ یعنی اگر ہم نے اس حالت میں اس کی پیروی کی۔(3) ﴿لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ﴾ ''گمراہی اور دیوانگی میں ہوں'اگر ہم نے اس کی بات مان لی تو ہم گمراہ اور دیوانے ہوں گے۔اس طرح انہوں نے تکبر کی وجہ سے رسول کی پیروی سے انکار کیا اور بتوں کے پجاری بنتے ہوئے ایک لمحے کے لئے بھی ان کی عقل نے ان کا ساتھ نہ دیا۔

سوال2:قومِ ثمود نے کس چیز کو گمراہی اور دیوانگی قرار دیا؟

جواب:قومِ ثمود نے ایک انسان کو رسول مان لینے کو گمراہی اور دیوانگی قرار دیا۔

سوال3:لوگ اپنے جیسے ایک انسان کی پیروی کرنے کو گمراہی اور دیوانگی کیوں سمجھتے ہیں؟

جواب:(1)لوگوں کے خیال میں ایک انسان کو رسول تسلیم کرنے کا مطلب اسے اپنے سے بڑا مقام دینا ہے۔اپنے سے بڑا مقام دینے پر اپنی بڑائی کا راستہ گم ہوجاتا ہے۔اس لیے لوگ انسان کو رسول تسلیم کرنے کو دیوانگی قرار دیتے ہیں۔(2)انسان کو رسول تسلیم کرنے کی وجہ سے اس کی سننی اور ماننی پڑتی ہے۔جو لوگ اپنے آپ کو اور اپنے آباء واَجداد کو بڑا سمجھتے ہیں،اُن کے نزدیک ایک انسان کی اطاعت دیوانگی ہے۔

﴿ءَ اُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ (25)﴾

''کیا ہمارے درمیان میں سے اُسی پر ذکر نازل کیا گیا؟ بلکہ وہ بڑا جھوٹا،خود پسند ہے۔''(25)

سوال1:﴿ءَ اُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴾ ''کیا ہمارے درمیان میں سے اُسی پر ذکر نازل کیا گیا؟ بلکہ وہ بڑا جھوٹا،خود پسند ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ءَ اُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا﴾ ''کیا ہمارے درمیان میں سے اُسی پر ذکر نازل کیا گیا؟''یعنی اللہ تعالی نے کس خصوصیات کی بناپر صالح علیہ السلام پر وحی نازل کی ہے اور بڑے بڑوں کو چھوڑ دیا ہے۔یہ بات تو تمہاری سمجھ میں نہیں آئی۔(2)انبیاء کی دعوت پر یہ اعتراض ہر دور میں ہوتا رہا ہے۔رب العزت نے فرمایا:﴿ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ 'ان کے

رسولوں نے ان سے کہا کہ ہم کچھ نہیں مگر تمہارے ہی جیسے انسان ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے اور ہمارے لیے ممکن نہیں کہ ہم تمہارے پاس اذنِ الٰہی کے بغیر کوئی دلیل لائیں اور اللہ تعالیٰ ہی پر تو لازم ہے کہ ایمان والے بھروسہ کریں۔'' (ابراہیم:11)(3)اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو ایسے اوصاف،اخلاق اور کمالات سے نوازا ہوتا ہے جن کی بنا پر وہ اپنے رب کی رسالت اور اس کی وحی کے اختصاص کی صلاحیت رکھتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور حکمت ہے کہ رسول نوع بشری میں سے ہیں۔اگر رسول فرشتوں میں سے ہوتے تو انسانوں کا ان سے استفادہ کرنا ممکن نہ ہوتا۔اگر فرشتوں کو رسول بنایا ہوتا تو جھٹلانے والوں پر فوراً عذاب نازل ہو جاتا۔(تفسیر سعدی:2662،2663/3)انہوں نے صالح علیہ السلام کے بارے میں کہا: وہ حق کو ٹھکرا دینے والا متکبر ہے اس کا ہم پر عظیم ہونا جھوٹ ہے۔(الاساس:5611/10)(4)﴿بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ﴾ ''بلکہ وہ بڑا جھوٹا،خود پسند ہے'' قوم ثمود نے اپنے نبی صالح علیہ السلام کے بارے میں جو اعتراض کیے اس کا مقصد محض انہیں جھٹلانا تھا۔دراصل وہ خود اتنے ظالم تھے کہ سچے خیر خواہ کو نہیں پہچان سکے۔ایسے ہی اعتراضات اہل مکّہ نبی ﷺ پر کر رہے تھے۔(5)ان کی سرکشی جب حد سے بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے عذاب نازل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

سوال2:وحی آنے پر قومِ ثمود نے پیغمبر پر کیا الزام لگائے؟

جواب:(1)وحی آنے پر قومِ ثمود نے کہا کہ اُس نے بہت بڑا جھوٹ بولا ہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلام نازل ہوتا ہے۔(2) انہوں نے کہا اس کا مقصد ہم پر اپنی بڑائی جتانا ہے۔

سوال3:قومِ ثمود نے پیغمبر پر یہ الزامات کیوں لگائے؟

جواب:قومِ ثمود نے یہ الزامات اس لیے لگائے تا کہ پیغمبر پر ایمان نہ لانا پڑے۔

﴿سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ (26)﴾

''جلد ہی کل وہ جان لیں گے کہ کون بڑا جھوٹا اور خود پسند ہے؟'' (26)

سوال:﴿سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ﴾ ''جلد ہی کل وہ جان لیں گے کہ کون بڑا جھوٹا اور خود پسند ہے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا﴾ ''جلد ہی کل وہ جان لیں گے کہ کون بڑا جھوٹا اور خود پسند ہے'' یعنی کل آخرت میں تمہیں پتہ چل جائے گا۔کل سے مراد عذاب کا دن بھی ہو سکتا ہے اور قیامت کا دن بھی مراد ہے۔(2) جلد ہی پتہ چل جائے گا۔ ﴿مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ﴾ ''کون بڑا جھوٹا اور خود پسند ہے'' اصل میں جھوٹا، شیخی خور، ڈینگیں مارنے والا کون تھا۔اس آیت میں زبردست دھمکی ہے۔

﴿اِنَّا مُرۡسِلُوا النَّاقَةِ فِتۡنَةً لَّهُمۡ فَارۡتَقِبۡهُمۡ وَاصۡطَبِرۡ ﴿27﴾﴾

''یقیناً ہم ایک اُونٹنی اُن کی آزمائش کے لیے بھیجنے والے ہیں، چنانچہ آپ انتظار کریں اوراچھی طرح صبر کریں'' (27)

سوال1: ﴿اِنَّا مُرۡسِلُوا النَّاقَةِ فِتۡنَةً لَّهُمۡ فَارۡتَقِبۡهُمۡ وَاصۡطَبِرۡ﴾ ''یقیناً ہم ایک اُونٹنی اُن کی آزمائش کے لیے بھیجنے والے ہیں، چنانچہ آپ انتظار کریں اوراچھی طرح صبر کریں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ اِنَّا مُرۡسِلُوا النَّاقَةِ ﴾ ''یقیناً ہم ایک اُونٹنی بھیجنے والے ہیں'' اللہ تعالیٰ نے ان کے مطالبہ پران کے لئے چٹان سے اونٹنی پیدا کردی جودس ماہ کی گابھن تھی۔اونٹنی ان کے لئے نعمت تھی۔وہ اس کا دودھ دوہتے جوسب کے لئے کافی ہوجاتا تھا۔اب ان کا فرض تھا کہ وہ صالح علیہ السلام کوسچا نبی مان لیتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حجت پوری کردی تھی۔(2) ﴿فِتۡنَةً لَّهُمۡ ﴾ ''اُن کی آزمائش کے لیے'' اونٹنی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ان کی آزمائش پوری کردی۔(3)﴿ فَارۡتَقِبۡهُمۡ وَاصۡطَبِرۡ ﴾ ''چنانچہ آپ انتظار کریں اوراچھی طرح صبر کریں'' یعنی آپ دعوت دیتے رہیں اورانتظار کریں کہ ان پرکیاعذاب نازل ہوتاہے یادیکھتے رہیں کہ وہ ایمان لاتے ہیں یا کفر پرقائم رہتے ہیں۔

سوال2: معجزات کیوں دکھائے جاتے ہیں؟

جواب: معجزات حق کوثابت کرنے کے لیےاوررسولوں کی مدد کے لیے دکھائے جاتے ہیں۔

سوال3: لوگ معجزات دیکھ کربھی ایمان کیوں نہیں لاتے؟

جواب: لوگ معجزات دیکھ کربھی ایمان نہیں لاتے کیونکہ ایمان لانے کا معاملہ عقل وشعور کا ہے۔جب انسان عقل وشعور سے حقیقت کونہیں سمجھ سکتا تومعجزات سمجھانے میں ناکام رہتے ہیں۔

سوال4: اللہ تعالیٰ نے سیدنا صالح علیہ السلام کوکیاہدایات دیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے سیدنا صالح علیہ السلام سے فرمایا کہ اب دیکھتے رہنا یہ اپنے وعدے کے مطابق ایمان لاتے ہیں یانہیں اوردوسرا یہ کہ ان کی دی ہوئی تکلیفوں پرصبرکرو۔

﴿وَنَبِّئۡهُمۡ اَنَّ الۡمَآءَ قِسۡمَةٌۢ بَيۡنَهُمۡ ۚ كُلُّ شِرۡبٍ مُّحۡتَضَرٌ ﴿28﴾﴾

''اوراُنہیں بتادیں کہ پانی اُن کے (اوراونٹنی کے) درمیان تقسیم ہوگا، ہرایک کے پینے کی باری حاضر کی گئی ہے'' (28)

سوال1: ﴿وَنَبِّئۡهُمۡ اَنَّ الۡمَآءَ قِسۡمَةٌۢ بَيۡنَهُمۡ ۚ كُلُّ شِرۡبٍ مُّحۡتَضَرٌ﴾ ''اوراُنہیں بتادیں کہ پانی اُن کے (اوراونٹنی کے) درمیان تقسیم ہوگا، ہرایک کے پینے کی باری حاضر کی گئی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَنَبِّئۡهُمۡ اَنَّ الۡمَآءَ قِسۡمَةٌۢ بَیۡنَهُمۡ﴾ ''اور اُنہیں بتادیں کہ پانی اُن کے(اوراونٹنی کے)درمیان تقسیم ہوگا''یعنی آپ انہیں بتادیجئے کہ اب پانی تقسیم ہوگا ایک دن ان کے پینے کے لئے اور ایک دن اونٹنی کے پینے کا ہوگا۔(2)اللہ رب العزت نے فرمایا:﴿قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرۡبٌ وَّلَکُمۡ شِرۡبُ یَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ﴾ ''صالح نے کہا:''یہ ایک اونٹنی ہے ایک اس کے پانی پینے کی باری ہے اور ایک مقررہ دن تمہارے لیے پانی پینے کی باری ہے۔''(الشعراء:155)یعنی جب اونٹنی کی باری ہو تو اس کا دودھ ملے گا اور جب اس کی باری نہیں ہوگی تو پانی حاضر ہے۔(مختصر ابن کثیر:1962)(3)﴿کُلُّ شِرۡبٍ مُّحۡتَضَرٌ﴾ ''ہر ایک کے پینے کی باری حاضر کی گئی ہے''یعنی ان کو آگاہ کردیجئے کہ پانی ان کے درمیان تقسیم ہوگا،یعنی ان کا پانی پینے کا چشمہ اب ان کے اور اونٹنی کے درمیان تقسیم ہوگا۔ایک دن اونٹنی پانی پیئے گی اور ایک دن ان کے پانی پینے کے لیے ہے۔(تفسیر سعدی:2663/3)(4)اس سے مراد یہ ہے کہ ہر کوئی اپنی باری پر حاضر ہو کر اپنا حصہ وصول کرے گا اور باری کے علاوہ نہیں آئے گا۔

سوال2:اونٹنی اور قومِ صالح کا پانی کی باری کا دن الگ الگ مقرر کرنے میں کیا حکمت تھی؟

جواب:یہ اس قوم کی آزمائش کے لیے تھا جس نے معجزہ طلب کیا تھا کہ اب جب انہیں معلوم ہوگیا کہ یہ اونٹنی ربّ کے حکم کے تحت آئی ہے ،ربّ کے حکم کی ظاہری صورت ہے، پھر بھی یہ حکم کو مانتے ہیں یا نہیں۔

﴿فَنَادَوۡا صَاحِبَهُمۡ فَتَعَاطٰی فَعَقَرَ(29)﴾

''اُنھوں نے اپنے ساتھی کو پکارا سو اُس نے اسے پکڑا پس اُس نے (اُونٹنی کو) کاٹ ڈالا''(29)

سوال1:﴿فَنَادَوۡا صَاحِبَهُمۡ فَتَعَاطٰی فَعَقَرَ﴾ ''اُنھوں نے اپنے ساتھی کو پکارا سو اُس نے اسے پکڑا پس اُس نے (اُونٹنی کو) کاٹ ڈالا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَنَادَوۡا صَاحِبَهُمۡ﴾ ''اُنھوں نے اپنے ساتھی کو پکارا''انہوں نے اپنے ساتھی کو پکارا۔رب العزت نے فرمایا:﴿اِذِ انۡۢبَعَثَ اَشۡقٰهَا﴾ ''جب اُس کا بدبخت ترین آدمی اُٹھا۔''(الشمس:12)(2)سیدنا عبداللہ زمعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ نے اس شخص کا ذکر کیا جس نے صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو مارا تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا:''اس قوم کے ایک عزت دار، زورآور، صاحب قوت شخص نے اس کے مارنے کا ذمہ لیا(اور وہ ایسا ہی تھا) جیسا کہ (ہمارے زمانے میں) ابوزمعہ ہے۔''(بخاری:3345) (3)﴿فَتَعَاطٰی﴾ ''سو اُس نے اسے پکڑا''قومِ ثمود نے اونٹنی کو مار ڈالنے کا جو حکم دیا تھا تو اس نے تیر سے اسے مار ڈالا۔(4)﴿فَعَقَرَ﴾ ''پس اُس نے (اُونٹنی کو) کاٹ ڈالا''اس نے اونٹنی کے پاؤں کی رگوں کو کاٹ ڈالا۔

سوال2:قومِ ثمود نے اونٹنی کو کیوں قتل کیا؟

جواب: قومِ ثمود نے اونٹنی کو اس لیے قتل کر دیا کہ پانی کی باریاں نہ رہیں ہم اپنی مرضی کے مطابق جب چاہیں جتنا چاہیں پانی لے سکیں۔

﴿فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿30﴾﴾

''پھر کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا؟'' (30)

سوال1: ﴿فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ﴾ ''پھر کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''پھر کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا؟'' اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود پر آنے والی چنگھاڑ کے عذاب کی طرف توجہ دلائی ہے جس نے ہر چیز کو باڑے والے کی روندی ہوئی باڑ کی طرح کر دیا۔ تا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈریں۔ (2) یعنی یہ سخت ترین عذاب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک سخت چنگھاڑ اور زلزلہ بھیجا جس نے ان کے آخری آدمی تک کو ہلاک کر ڈالا اور اللہ تعالیٰ نے سیدنا صالح علیہ السلام اور ان لوگوں کو بچا لیا جو آپ پر ایمان لائے تھے۔ (تفسیر سعدی: 2664/3) (3) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دیکھو ان کا انجام تمہارے سامنے ہے یہ بتاؤ کفر اور تکذیب کرنے پر میرا عذاب اور میرے ڈراوے کیسے رہے۔

سوال2: اللہ تعالیٰ نے اپنے کس عذاب اور کن ڈرانے والی باتوں کے بارے میں توجہ دلائی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود پر آنے والی چنگھاڑ کے عذاب کی طرف توجہ دلائی ہے جس نے ہر چیز کو باڑے والے کی روندی ہوئی باڑ کی طرح کر دیا تا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈریں۔

﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿31﴾﴾

''بلاشبہ ہم نے ایک ہی چنگھاڑ بھیجی، چنانچہ وہ باڑ لگانے والے کی روندی ہوئی باڑ کی طرح ہو کر رہ گئے'' (31)

سوال1: ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ﴾ ''بلاشبہ ہم نے ایک ہی چنگھاڑ بھیجی، چنانچہ وہ باڑ لگانے والے کی روندی ہوئی باڑ کی طرح ہو کر رہ گئے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً﴾ ''بلاشبہ ہم نے ایک ہی چنگھاڑ بھیجی'' یہ جبریل علیہ السلام کی چنگھاڑ تھی جس نے ان کے دل پھاڑ دیئے۔ (ایسر التفاسیر: 1554) (2) ﴿فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ﴾ ''چنانچہ وہ باڑ لگانے والے کی روندی ہوئی باڑ کی طرح ہو کر رہ گئے'' یعنی وہ بھوسے کی طرح اڑا دیے گئے وہ ایک دوسرے پر گرنے لگے اور ایک دوسرے سے روندے جانے لگے جیسے کسی کھیت کے گرد لگی ہوئی باڑھ جو چند دن میں روندے جانے کی وجہ سے چورا چورا ہو جاتی ہے۔ (تیسیر القرآن: 340/4) (3) ﴿محتظر﴾ یعنی خشک گھاس کی طرح جل کر راکھ بن کر ہوا میں اڑ جائے۔ (4) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِىْ

دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٦٧﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿٦٨﴾ ''اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا انہیں ایک ہولناک آواز نے پکڑ لیا تو وہ اپنے گھروں میں ہی اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔ گویا ان میں وہ بسے ہی نہ تھے۔ سن لو! بلاشبہ ثمود نے اپنے رب کا کفر کیا تھا، سن لو! دُوری ہے ثمود کے لیے۔'' (ھود:68,67)

سوال 2: اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وجہ سے قومِ ثمود کی کیا حالت ہوگئی؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ایک چنگھاڑ بھیجی جس کی وجہ سے وہ ایسے چور چور ہو گئے جیسے باڑ بنانے والے کی خشک لکڑیاں اور گھاس مسلسل روندے جانے کی وجہ سے چورا چورا ہو جاتی ہیں۔

﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿32﴾ ﴾

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا، تو کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟'' (32)

سوال 1: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا، تو کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: '(1)' اور بلاشبہ یقیناً ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا، تو کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟'' یعنی ہر انسان پر اس حقیقت کا ادراک کرنا آسان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عذاب الیم کے اسباب کو صراحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ یہ کتاب آسان ترین ماخذ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے قصص وغیرہ کو سمجھنا آسان کر دیا ہے۔ کیا ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا؟ یہاں تکرار تاکید اور تذکیر کے لیے ہے۔ (تفسیر المنیر :183/14) (2) ﴿اَلذِّكْرِ﴾ حلال وحرام کے احکام، امر ونہی، جزا وسزا کے احکام، مواعظ، عبرت انگیز واقعات، عقائد نافعہ اور اخبار صادقہ کو شامل ہے۔ بنابریں قرآن کریم کا علم، حفظ اور تفسیر کے اعتبار سے بہت آسان اور علی الاطلاق جلیل علم ہے۔ قرآن کا علم بہت نفع مند علم ہے۔ بندہ مومن جب اسے طلب کرتا ہے تو اس کی مدد کی جاتی ہے۔ (تفسیر سعدی:2660/3) (3) ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ ''تو کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا'' اس آیت کریمہ کی تفسیر میں سلف میں سے کسی کا قول ہے: کیا کوئی علم کا طالب ایسا ہے جس کی اس بارے میں مدد کی جائے؟ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کی طرف توجہ مبذول کرنے اور اس سے نصیحت حاصل کرنے کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا: ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ ''تو کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا'' (تفسیر سعدی::2660,2661/3)

سوال 2: قرآن مجید کی نصیحت کو کون قبول کر سکتا ہے؟

جواب: (1) قرآنِ مجید کی نصیحت وہ قبول کر سکتا ہے جس کا نصیحت قبول کرنے کا ارادہ ہو۔ (2) قرآنِ مجید کی نصیحت وہ قبول کر سکتا ہے جو اسے زندگی کی کتاب سمجھتا ہو۔ (3) قرآنِ مجید کی نصیحت وہ قبول کر سکتا ہے جو اس پر کُھلے دل و دماغ سے غور وفکر کرے۔

سوال3: اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کو نصیحت کے لئے کیسے آسان کر دیا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے ہر دور کے لوگوں کے لئے قرآنِ مجید کو آسان بنایا ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کے علم کو محفوظ کر دیا ہے۔ اسے انسانی دست بُرد سے محفوظ رکھا ہے۔ (3) دلوں کے بھید جاننے والے نے انسانی ضروریات اور حالات کے پیشِ نظر ہدایات دے کر اسے آسان کر دیا ہے۔

﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍ م بِالنُّذُرِ (33)﴾

''لُوط کی قوم نے بھی ڈرانے والوں کو جھٹلایا۔'' (33)

سوال: ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍ م بِالنُّذُرِ﴾ ''لُوط کی قوم نے بھی ڈرانے والوں کو جھٹلایا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''لُوط کی قوم نے بھی ڈرانے والوں کو جھٹلایا'' یہ چوتھا قصہ ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کے جرائم اور انجام کا تذکرہ کیا ہے۔ قوم لوط کا جرم یہ تھا کہ انہوں نے انبیاء کرام عَلَيْهِ السَّلَام کو جھٹلایا اور فحاشی کا ارتکاب کیا، جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک وتباہ وبرباد کر دیا، تاکہ لوگ عبرت حاصل کریں۔ اور جان لیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کرنے سے پہلے اپنے نبی کے ذریعے عذاب الیم سے ڈرایا تھا۔ لیکن انہوں نے نبی کی بات کو جھٹلا دیا اور ہلاک وبرباد ہو گئے۔ (تفسیر منیر: 185/14) (2) جب سیدنا لوط عَلَيْهِ السَّلَام نے اپنی قوم کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلایا اور انھیں شرک اور فحش کام سے روکا جو دنیا میں ان سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا، تو انھوں نے سیدنا لوط عَلَيْهِ السَّلَام کی تکذیب کی۔ پس انھوں نے آپ کو جھٹلایا اور اپنے شرک اور فواحش پر جمے رہے حتیٰ کہ وہ فرشتے جو خوبصورت مہمانوں کی شکل میں آئے تھے ان کی آمد کے بارے میں جب سیدنا لوط عَلَيْهِ السَّلَام کی قوم نے سنا تو جلدی سے آئے اور وہ ان مہمانوں کے ساتھ بدکاری کرنا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرے اور ان کا برا کرے۔ وہ ان مہمانوں کے بارے میں آپ کو فریب دینا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل عَلَيْهِ السَّلَام کو حکم دیا، انھوں نے ان کو اندھا کر ڈالا، ان کے نبی نے ان کو اللہ تعالیٰ کی گرفت اور سزا سے ڈرایا ﴿فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ﴾ تو انھوں نے ڈراوے میں شک کیا۔ (تفسیر سعدی: 2664/3)

﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ط نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ (34)﴾

''یقیناً ہم نے اُن پر پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیجی، آلِ لُوط کے سوا، ہم نے اُن کو سحری کے وقت بچا لیا'' (34)

سوال1: ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ط نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ﴾ ''یقیناً ہم نے اُن پر پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیجی، آلِ لُوط کے سوا، ہم نے اُن کو سحری کے وقت بچا لیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ اِنَّـآ اَرۡسَـلۡنَا عَلَيۡهِمۡ حَاصِبًا ﴾ ''یقیناً ہم نے اُن پر پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیجی'' حاصبا اسی سے محصب، حجاز کی ایک جگہ کا نام ہے۔ حاصب، ہوا کا جھکڑ جس میں پتھر، آگ برسے۔ باب ضرب سے ہے۔(تفسیر کمالین جلالین:368/6)(2) جب انہوں نے تنبیہات کو جھٹلایا اور اپنے کفر پر اصرار کیا اور بے حیائی کے کام کیے تو اللہ تعالیٰ نے اوپر سے پتھروں کی بارش برسائی۔(3)﴿اِلَّاۤ اٰلَ لُوۡطٍ ﴾ ''آل لُوط کے سوا'' اس سے مراد لوط عَلَیْہِ السَّلَام اور ان پر جو لوگ ایمان لائے تھے، ان کی بیٹیاں وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بچالیا۔(ایسر التفاسیر:1555)(4)﴿ نَجَّيۡنٰهُمۡ بِسَحَرٍ ﴾ ''ہم نے اُن کو سحری کے وقت بچالیا'' اللہ تعالیٰ نے انہیں رات کے آخری حصے میں نجات دی۔

سوال2: آلِ لوط کو کیوں بچالیا گیا؟

جواب: انہیں سیدنا لوط عَلَیْہِ السَّلَام پر ایمان لانے کی وجہ سے بچالیا گیا۔

﴿ نِّعۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجۡزِىۡ مَنۡ شَكَرَ ﴿35﴾ ﴾

''اپنی جانب سے فضل کر کے بچایا ہے، ہم ایسے ہی ہر اُس شخص کو جزا دیتے ہیں جو شکر کرے'' (35)

سوال1:﴿ نِّعۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجۡزِىۡ مَنۡ شَكَرَ ﴾ ''اپنی جانب سے فضل کر کے بچایا ہے، ہم ایسے ہی ہر اُس شخص کو جزا دیتے ہیں جو شکر کرے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ نِّـعۡـمَةً مِّـنۡ عِنۡدِنَـا﴾ ''اپنی جانب سے فضل کر کے بچایا ہے'' یعنی لوط عَلَیْہِ السَّلَام اور آل لوط کی نجات، ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور انعام تھا۔(2)﴿كَـذٰلِكَ نَـجۡـزِىۡ مَنۡ شَكَرَ ﴾ ''ہم ایسے ہی ہر اُس شخص کو جزا دیتے ہیں جو شکر کرے'' یعنی اس طرح ہم دنیا کے عذاب سے بھی لوگوں کو نجات دیتے ہیں۔ سیدنا لوط عَلَیْہِ السَّلَام ایمان، اعمال صالح اور اطاعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار تھے اور اس کے قریب تھے۔(ایسر التفاسیر:1555)﴿نَـجۡزِىۡ مَنۡ شَكَرَ ﴾ ''ہر اُس شخص کو جزا دیتے ہیں جو شکر کرے'' یعنی ہم ایمان اور عمل صالح کے انعامات عطا کرتے ہیں۔(تفسیر ابی السعود:170/6)(3) رب العزت نے فرمایا:﴿ وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا لُقۡمٰنَ الۡحِكۡمَةَ اَنِ اشۡكُرۡ لِلّٰهِ ؕ وَمَنۡ يَّشۡكُرۡ فَاِنَّمَا يَشۡـكُـرُ لِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَـنۡ كَـفَـرَ فَـاِنَّ الـلّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيۡدٌ ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو! اور جو کوئی شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی لیے شکر کرتا ہے اور جس نے ناشکری کی تو یقیناً اللہ تعالیٰ بے نیاز، بہت تعریفوں والا ہے۔'' (لقمان:12)
(4) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے صبح کے وقت یہ دعا پڑھی:﴿اَللّٰهُـمَّ ! مَـا اَصۡبَـحَ بِـىۡ مِـنۡ نِـعۡمَةٍ فَمِنۡكَ وَحۡدَكَ ،لَا شَرِيۡكَ لَكَ،فَلَكَ الۡحَمۡدُ وَلَكَ الشُّكۡرُ ﴾ اے اللہ! مجھ پر یا تیری مخلوق میں سے کسی پر جس نعمت نے بھی صبح (شام) کی ہے وہ صرف تیری طرف سے ہے، تو اکیلا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں، پس تیرے ہی لیے حمد ہے اور تیرے ہی لیے شکر ہے۔'' تو اس نے اس دن کا شکر ادا کر دیا اور جس نے شام کے وقت ایسا ہی کہا تو اس نے اس رات کا شکر ادا کر دیا۔(ابوداؤد:5073)(5) سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

نبی ﷺ کو جب کوئی مسرت کی بات پیش آتی یا آپ ﷺ کوخوش خبری دی جاتی تو آپ ﷺ شکرانے کے طور پر سجدہ میں گر جاتے۔ (ابوداؤد:2774)

سوال2: اللہ تعالیٰ شکرگزاروں کو کیسا بدلہ دیتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ شکرگزاروں کو اپنی طرف سے احسان کر کے اپنے عذاب سے بچا لیتے ہیں۔

﴿وَلَقَدۡ اَنۡذَرَہُمۡ بَطۡشَتَنَا فَتَمَارَوۡا بِالنُّذُرِ ﴿36﴾﴾

''اور بلاشبہ یقیناً لُوط نے اُنہیں ہماری پکڑ سے ڈرایا تو اُنہوں نے ڈراوے میں شک کیا'' (36)

سوال1: ﴿ وَلَقَدۡ اَنۡذَرَہُمۡ بَطۡشَتَنَا فَتَمَارَوۡا بِالنُّذُرِ ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً لُوط نے اُنہیں ہماری پکڑ سے ڈرایا تو اُنہوں نے ڈراوے میں شک کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَلَقَدۡ اَنۡذَرَہُمۡ بَطۡشَتَنَا ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً لُوط نے اُنہیں ہماری پکڑ سے ڈرایا''، یعنی ہم نے کسی کو ظلم سے نہیں پکڑا بلکہ ان کے ظلم کی وجہ سے پکڑا ہے۔ (2) یعنی لوط علیہ السلام نے قوم کو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈرایا تھا اور ہمارا قہر اور عذاب یاد دلا کر بھی تنبیہات کی تھیں مگر انہوں نے پرواہ نہیں کی۔ (3) ﴿ فَتَمَارَوۡا بِالنُّذُرِ ﴾ ''تو اُنہوں نے ڈراوے میں شک کیا''، انہوں نے مذاق اڑایا، جھٹلایا اور جھگڑا کیا ان کے نبی ہونے میں شک کیا۔

سوال2: سیدنا لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو کس چیز سے ڈرایا؟

جواب: سیدنا لوط علیہ السلام نے قوم کو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے یعنی عذاب آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی سخت گرفت سے ڈرایا۔

سوال3: لوط علیہ السلام کی قوم نے کس ردّعمل کا اظہار کیا؟

جواب: (1) لوط علیہ السلام کی قوم نے ڈراوے کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ (2) قوم نے سیدنا لوط علیہ السلام کے بارے میں شک کیا۔ (3) قوم سیدنا لوط علیہ السلام سے جھگڑتی ہی رہی۔

سوال4: لوط علیہ السلام کی قوم نے ربّ کی پکڑ سے خوف محسوس کیوں نہیں کیا؟

جواب: لوط علیہ السلام کی قوم کی رب کی پکڑ سے بے خوفی کا سبب اُن کی سرکشی، تکبر اور غرور تھا۔

﴿وَلَقَدۡ رَاوَدُوۡہُ عَنۡ ضَیۡفِہٖ فَطَمَسۡنَاۤ اَعۡیُنَہُمۡ فَذُوۡقُوۡا عَذَابِیۡ وَنُذُرِ ﴿37﴾﴾

''اور بلاشبہ یقیناً اُنہوں نے لوط کو اُس کے مہمانوں سے بہکانے کی کوشش کی، تو ہم نے اُن کی آنکھیں مٹا دیں، سو چکھو میرا عذاب

اور میرا ڈرانا'' (37)

سوال 1: ﴿وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً اُنہوں نے لوط کو اُس کے مہمانوں سے بہکانے کی کوشش کی، تو ہم نے اُن کی آنکھیں مٹا دیں، سو چکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً اُنہوں نے لوط کو اُس کے مہمانوں سے بہکانے کی کوشش کی'' عذاب والی رات جبریل، میکائیل اور اسرافیل خوب صورت لڑکوں کی صورت میں ان کے پاس پہنچے تو سیدنا لوط علیہ السلام نے انہیں گھر ٹھہرا لیا۔ لوگ چاروں طرف سے ان پر ٹوٹ پڑے۔ سیدنا لوط علیہ السلام نے گھر کا دروازہ بند کر لیا اور ان بدبختوں نے دروازہ توڑنے کا قصد کیا۔ سیدنا لوط علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرا کر ان کی حرکتوں سے باز رکھنے کی کوشش کرتے رہے لیکن وہ اپنے نشے میں مدہوش تھے۔ (2) ﴿فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ﴾ ''تو ہم نے اُن کی آنکھیں مٹا دیں'' سیدنا جبریل علیہ السلام نے اپنے پروں کے کنارے ان کی آنکھوں پر مار دیے جس سے ان کی آنکھیں پھوٹ نکلیں۔ (3) سیدنا جبریل علیہ السلام نے فرشتوں سے بدفعلی کی نیت کرنے پر اُن کو اپنے پَر کا ایک حصہ مارا۔ اس سے اُن کی آنکھوں کے ڈھیلے باہر نکل آئے۔ یہ عام عذاب سے پہلے خاص عذاب تھا۔ (4) ﴿فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ﴾ ''سو چکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا'' یعنی جن لوگوں نے لوط علیہ السلام کے مہمانوں سے بدی کا مطالبہ۔ وہ میرا عذاب اور میری ڈراونی باتوں کا مزا چکھیں اور باقی امت ان کی ہلاکت سے عبرت حاصل کرے۔

سوال 5: اللہ تعالیٰ نے عذاب آنے پر انہیں کیا کہا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے عذاب آنے پر انہیں کہا کہ پہلے تمہیں یقین نہ تھا۔ اب میرا عذاب اور میرا ڈرانا چکھو۔

﴿وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ (38)﴾

''بلاشبہ یقیناً صبح سویرے ہی ایک نہ ٹلنے والے عذاب نے اُن پر حملہ کر دیا۔'' (38)

سوال: ﴿وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ﴾ ''بلاشبہ یقیناً اور صبح سویرے ہی ایک نہ ٹلنے والے عذاب نے اُن پر حملہ کر دیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: 'بلاشبہ یقیناً اور صبح سویرے ہی ایک نہ ٹلنے والے عذاب نے اُن پر حملہ کر دیا'' یعنی صبح کے وقت جو عذاب آیا تو ایک کے بعد ایک عذاب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بستیوں کو تلپٹ کر کے رکھ دیا۔ پھر پتھروں کی بارش برسائی جو نشان زدہ تھے۔ پھر ان پر سمندر کا پانی چڑھا دیا۔

﴿فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ (39)﴾

''سواب چکھومیرا عذاب اور میرا ڈراوا۔''(39)

سوال:﴿ فَذُوْقُوْا عَذَابِیْ وَنُذُرِ ﴾''سواب چکھومیرا عذاب اور میرا ڈراوا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''سواب چکھومیرا عذاب اور میرا ڈراوا''یعنی تم جو مذاق اڑاتے تھے، مانتے نہ تھے، سرکشی کرتے تھے اب میرا عذاب اور میرا ڈراوا چکھو۔

﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (۴۰)﴾

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے اس قرآن کونصیحت کے لیےآسان کردیا تو کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟''(40)

سوال1:﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴾''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے اس قرآن کونصیحت کے لیےآسان کردیا تو کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ ﴾''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے اس قرآن کونصیحت کے لیےآسان کردیا''یعنی قرآن کے حفظ اور فہم کوآسان کردیا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔(2)﴿ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴾''تو کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟''تو کیا کوئی ایسا ہے جونصیحت قبول کرکے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے باز آجائے۔(3)اس قصے سے مقصود نصیحت وعبرت حاصل کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کوعبرت پکڑنے والوں کے لیےآسان کردیا ہے۔لیکن کتنے ہی نصیحت آموز قصے ہیں جن سے نصیحت نہیں پکڑی جاتی۔ یہاں اللہ تعالیٰ اس آیت مبارکہ کوتنبیہہ اورتاکید کے لیے مکرر لائے ہیں۔(تفسیر منیر:189/14)(4)ضحاک سیدنا ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: کہ اگر اللہ تعالیٰ قرآن کریم کوانسانوں کی زبانوں پرآسان نہ کرتا تو کوئی بھی استطاعت نہیں رکھتا تھا کہ وہ اللہ کے کلام کے ساتھ کلام کرے۔(تفسیر المراغی:359/9)رب العزت کا فرمان ہے:(5)﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (۲۹)﴾''یہ ایک بابرکت کتاب ہے جس کوہم نےآپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ لوگ اُس کی آیات پرغور وفکر کریں اورتاکہ عقل والے اُس سے نصیحت حاصل کریں''۔(ص:29)

سوال2:اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کونصیحت کے لئے کیسےآسان کردیا ہے؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ نے ہر دور کے لوگوں کے لئے قرآنِ مجید کوآسان بنادیا ہے۔(2)اللہ تعالیٰ نے ہر عمر کے لوگوں کے لئے قرآنِ مجید کوآسان بنادیا ہے۔(3)اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مضامین کوآسان طریقے سے پیش کیا ہے۔(4)اللہ تعالیٰ نے ایسی تعلیمات دی ہیں جو ہر دور کے لوگوں کے لئے یکساں مفید ہیں۔

سوال3:قرآنِ مجید کی نصیحت کوکون قبول کرسکتا ہے؟

جواب:(1)قرآنِ مجید کی نصیحت وہ قبول کرسکتا ہے جس کے لئے قرآن زندگی کی کتاب ہو۔(2)اس سے وہ نصیحت حاصل کرسکتا ہے جواس کتاب کو حجت سمجھتا ہو۔(3)اس سے وہ نصیحت حاصل کرسکتا ہے جس کے کان توجہ سے سُنیں ۔(4)اس سے وہ نصیحت حاصل کرسکتا ہے جس کے دل میں تعصب نہ ہو۔(5)اس سے وہ نصیحت حاصل کرسکتا ہے جواس پرعمل کرنا چاہتا ہو۔(6)اس سے وہ نصیحت حاصل کرسکتا ہے جواس پیغام کودوسروں تک پہنچانا چاہتا ہو۔

سوال4:اس سورت میں قرآنِ مجید کوآسان کرنے کا بار بار ذکر کیا گیا۔اس کا مقصد کیا ہے؟

جواب:اس کا مقصد یہ ہے کہ قرآنِ مجید کوسمجھنااوراس کا حفظ کرنا آسان ہے۔اللہ تعالیٰ نے اسے آسان کیا، یہ اُس کا عظیم احسان ہے۔اس احسان پراللہ تعالیٰ کاشکرادا کرنے کی ضرورت ہے۔

رکوع نمبر10

﴿وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ (41)﴾

''اورآلِ فرعون کے پاس ڈرانے والے آئے تھے''(41)

سوال:﴿وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴾''اورآلِ فرعون کے پاس ڈرانے والے آئے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''اورآلِ فرعون کے پاس ڈرانے والے آئے تھے''فرعون بھی اپنے ملک میں خدابن بیٹھا تھا۔اللہ تعالیٰ نے آلِ فرعون کے پاس بھی سیدنا موسیٰ علیہ السلام اورسیدنا ہارون علیہ السلام کوڈرانے والے بنا کر بھیجا تھا کہ اگرایمان لاؤ گے تو جنت کی خوش خبری ہے اوراگرکفراورشرک پرقائم رہو گے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب اوراس کے قہر سے ڈراتے ہیں۔

﴿كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ(42)﴾

''اُنہوں نے ہماری سب نشانیوں کوجھٹلایا تو ہم نے اُنہیں پکڑلیا،سب پرغالب،بے حدقدرت والے کی طرح پکڑنا''(42)

سوال1:﴿كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ﴾''اُنہوں نے ہماری سب نشانیوں کوجھٹلایا تو ہم نے اُنہیں پکڑلیا،سب پرغالب،بے حدقدرت والے کی طرح پکڑنا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا ﴾ ''انہوں نے ہماری سب نشانیوں کوجھٹلایا''یعنی وہ ہماری آیات پرایمان لانے کی بجائے انہیں جھٹلانے لگ گئے۔ان کے پاس اللہ تعالیٰ نے نونشانیاں بھیجی تھیں مگرانہوں نے سب معجزات کوجھٹلا دیا۔(2)﴿ فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴾'' تو ہم نے انہیں پکڑلیا،سب پر غالب، بے حدقدرت والے کی طرح پکڑنا''یعنی ہم نے انہیں عذاب سے پکڑلیا،انہیں غرق کر دیا۔وہ بے نیل ومرام ہوئے۔ان میں سے ایک بھی نہ بچا جو ہلاک ہونے والوں کی خبر دیتا ہو۔یہ ایک قوی صاحب اقتدار کی پکڑ ہے جو ہر ایک کوعاجز کردیتی ہے۔(3)رب العزت نے فرمایا:﴿ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴾ ''چنانچہ ہم نے ان سے انتقام لیا،پس ہم نے انہیں سمندر میں غرق کردیااس وجہ سے کہ بلاشبہ انہوں نے ہماری آیات کوجھٹلایااوروہ ان سے غافل تھے۔''(الاعراف:136)

سوال2:آلِ فرعون کے پاس کون سی نشانیاں آئی تھیں؟

جواب:آلِ فرعون کے پاس سیدنا موسیٰ علیہ السلام نونشانیاں لےکرآئے تھے تاکہ آلِ فرعون کوڈرائیں۔

سوال3:آلِ فرعون نے نشانیوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟

جواب:آلِ فرعون نے نشانیوں کوجھٹلا دیا۔

سوال4:اللہ تعالیٰ نے آلِ فرعون کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟

جواب:اللہ تعالیٰ نے آلِ فرعون کو ہلاک کردیا۔

﴿ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ (43) ﴾

''کیاتمہارے کافراُن سے بہتر ہیں؟یاتمہارے لیےاگلی کتابوں میں معافی ہے؟''(43)

سوال1:﴿ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴾ ''کیاتمہارے کافراُن سے بہتر ہیں؟یاتمہارے لیے اگلی کتابوں میں معافی ہے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ ﴾'' کیاتمہارے کافران سے بہتر ہیں؟''یعنی اے محمد ﷺ کے مخاطبین!یہ بتاؤ کہ تمہارے کافران کافروں سے بہتر ہیں جن کی ہلاکت کا ذکرتمہارے سامنے کیا ہے؟(2)اس آیت مبارکہ میں قریش مکہ کوڈانٹ ڈپٹ ہے۔اورمتقین ومجرمین کے انجام کا تذکرہ ہے۔(تفسیرمنیر:189/14)(3)انبیاءکرام کوجھٹلانے کاسبب،سابقہ اقوام کی ہلاکت اورتباہی وبربادی کاتذکرہ کرنے کے بعداللہ تعالیٰ بطرق استفہام انکار،قریش مکہ کوڈانٹ رہے ہیں کہ ان کی مانندتم پربھی عذاب نازل ہوسکتا ہے کیونکہ جس راستے پروہ چل رہے تھے بعینہ وہی راستہ تم نے اختیارکررکھا ہے۔اگرقریش مکہ اپنے کفرپرڈٹے رہےاوراپنی گمراہی پرمصرر ہے توعنقریب

انہیں دنیا میں بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑے گا اور آخرت میں سخت ترین عذاب سے دوچار ہوں گے۔(تفسیر المنیر :195/14)(4)﴿ اَمْ لَـکُمْ بَـرَآءَةٌ فِی الزُّبُرِ﴾ " تمہارے لیے اگلی کتابوں میں معافی ہے؟''یعنی کیا اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں میں تمھارے ساتھ کوئی عہد اور میثاق کر رکھا ہے جو گزشتہ انبیاء پر نازل ہوئی ہیں جن کی بنا پر تم یہ اعتقاد رکھتے ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کے وعدے اور اس خبر کی وجہ سے عذاب سے بچ جاؤ گے؟ مگر یہ غیر واقع چیز ہے بلکہ یہ عقلاً اور شرعاً غیر ممکن امر ہے کہ ان کتب الٰہیہ میں ان کی براءت لکھ دی گئی ہو جو عدل وحکمت کو متضمن ہیں۔ یہ حکمت کے منافی ہے کہ ان جیسے معاندین حق کو نجات حاصل ہو جنھوں نے افضل الانبیاء سید المرسلین نبی ﷺ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام انبیاء ومرسلین سے بڑھ کر صاحب تکریم ہیں، کو جھٹلایا۔ پس اب اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ان کے پاس کوئی قوت ہو جس سے وہ مدد حاصل کریں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ کہتے ہیں:﴿نـحـن جـمـیـع مـنـتـصـر ﴾''ہم بدلہ لے کر رہنے والی جماعت ہیں''(تفسیر سعدی:2666/3)

سوال 2:''یا تمہارے لیے اگلی کتابوں میں معافی ہے؟'' کا سوال کیوں کیا گیا؟

جواب: یہ سوال اس لئے کیا گیا کہ قریش کفر پر مُصر تھے اور اپنی مرضی کر رہے تھے۔ اُنہیں احساس دلایا گیا کہ کیا من چاہے کاموں پر معافی لکھ دی گئی ہے جو بے خوف ہو کر اللہ تعالیٰ کو ناراض کر رہے ہو؟ اگر پہلے لوگ کفر پر ہلاک کر دیئے گئے تو تم کفر کر کے سلامتی کی اُمید کیسے رکھ سکتے ہو؟

﴿ اَمْ یَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِیْعٌ مُّنْتَصِرٌ (44) ﴾

''یا وہ کہتے ہیں کہ ہم بدلہ لے کر رہنے والی جماعت ہیں؟''(44)

سوال 1:﴿اَمْ یَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِیْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴾ " یا وہ کہتے ہیں کہ ہم بدلہ لے کر رہنے والی جماعت ہیں؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''یا وہ کہتے ہیں کہ ہم بدلہ لے کر رہنے والی جماعت ہیں؟''یعنی کیا تم اپنی جماعت کو زبردست سمجھ رہے ہو کہ ان کا کوئی کچھ نہ بگاڑ سکے گا؟(مختصر ابن کثیر:1968/2)

سوال 2: اللہ تعالیٰ کے آگے جھکنے سے کیا چیز روکتی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے آگے جھکنے سے تعداد کی کثرت اور وسائل کی قوت روکتی ہے جیسے یہاں اللہ تعالیٰ نے دل کی چُھپی بیماری کو کھولا ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم ایسی جماعت ہیں جو بدلہ لے کر رہنے والی ہے۔

سوال 3:''بدلہ لے کر رہنے والی جماعت'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) س سے مراد یہ ہے کہ کوئی اور ہم پر غالب نہیں آ سکتا۔ (2) ہم دشمن سے انتقام لینے پر قدرت رکھتے ہیں۔

﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (45)﴾

''جلد ہی اُس جماعت کو شکست دی جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے'' (45)

سوال: ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ﴾ ''جلد ہی اُس جماعت کو شکست دی جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ﴾ ''جلد ہی اُس جماعت کو شکست دی جائے گی'' ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ بدر کے دن کفار نے کہا کہ ہماری ایسی جماعت ہے جو غالب ہی رہے گی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن عباس: 313/3) (2) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن آپ ﷺ ایک خیمہ میں مقیم تھے۔ آپ ﷺ نے یوں دعا فرمائی: یااللہ! میں تجھے تیرے عہد اور وعدہ کی قسم دیتا ہوں، یااللہ! اگر تو چاہے تو (ان تھوڑے سے مسلمانوں کو ہلاک کردے) تو پھر آج کے بعد کوئی تیری پرستش کرنے والا نہ رہے گا''۔ پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا ہاتھ تھام لیا اور کہا: یارسول اللہ ﷺ اب بس کیجئے، آپ نے اپنے پروردگار سے التجا کرنے میں حد کردی۔ آپ ﷺ اس دن زرہ پہنے ہوئے چل رہے تھے۔ آپ خیمہ سے باہر نکلے تو یہ آیت پڑھ رہے تھے۔ ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ﴾ (بخاری: کتاب التفسیر) (3) اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اسی طرح واقع ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی۔ پس اس نے ان کی بہت بڑی جماعت کو غزوہ بدر کے روز زبردست ہزیمت سے دوچار کیا، ان کے بڑے بڑے بہادر اور ان کے سرکردہ سردار قتل ہوکر ذلیل وخوار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین، اپنے نبی اور اہل ایمان پر مشتمل اپنے گروہ کو فتح ونصرت سے سرفراز فرمایا۔ (تفسیر سعدی: 2666/3)

﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ (46)﴾

''بلکہ قیامت اُن کے وعدے کا وقت ہے اور قیامت زیادہ بڑی آفت اور زیادہ تلخ ہے'' (46)

سوال1: ﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ﴾ ''بلکہ قیامت اُن کے وعدے کا وقت ہے اور قیامت زیادہ بڑی آفت اور زیادہ تلخ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ﴾ ''بلکہ قیامت اُن کے وعدے کا وقت ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لانے والوں کو دنیا میں تو جو سزا ملی اور اصل سزا تو قیامت کو ملنے والی ہے جو اس سزا سے زیادہ دہشت ناک ہوگی اور دردناک بھی ہوگی۔ (تیسیر القرآن: 342/4) (2) قیامت کے دن انہیں جزا دی جائے گی جو مصائب میں مبتلا رہے اور جنہیں لذات والی زندگی دی گئی رب العزت ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کریں گے

۔(3)﴿وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴾ ''اور قیامت زیادہ بڑی آفت اور زیادہ تلخ ہے''یعنی قیامت اتنی دہشت ناک آفت ہے جونہایت مشقت والی ہے اور ہر اس چیز سے بڑھ کر تلخ ہے جو تصور میں آسکتی ۔(4) یوسف بن ماھک سے روایت ہے کہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر تھا آپ نے فرمایا: جس وقت آیت: ''لیکن ان کا اصل وعدہ تو قیامت کے دن کا ہے اور قیامت زیادہ بڑی اور زیادہ تلخ چیز ہے'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ میں نازل ہوئی تو میں بچی تھی اور کھیلا کرتی تھی ۔(صحیح بخاری:4876)

سوال2: کفار سے قیامت کا وعدہ کیوں کیا گیا؟

جواب: کفار کو یہ بتایا گیا کہ یہ جنگ اور اس میں ہونے والے قتل اور قیدی بنالیا جانا آخری سزانہیں ہے۔اس سے زیادہ سخت سزائیں آخرت میں ملیں گی۔اسی کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔

سوال3: قیامت کی دوصفات یہاں بیان کی گئیں۔ان کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) اَدْهٰى سے مراد سخت رسوا کرنے والا۔(2) اَمَرّ سے مراد نہایت کڑوا، تلخ۔

﴿اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿47﴾﴾

''بلاشبہ مجرم لوگ گمراہی اور دیوانگی میں ہیں''(47)

سوال1:﴿اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴾''بلاشبہ مجرم لوگ گمراہی اور دیوانگی میں ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ ﴾''بلاشبہ مجرم لوگ''یعنی وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا، کبیرہ گناہ کیے اور کثرت سے جرائم کا ارتکاب کیا (2)﴿فِيْ ضَلٰلٍ﴾'' گمراہی میں ہیں''یعنی وہ دنیا میں علم اور عمل کی گمراہی میں مبتلا تھے۔(3)﴿وَّسُعُرٍ ﴾''اور دیوانگی میں ہیں'' قیامت کے دن بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالے جائیں گے۔یہ آگ ان کے جسموں سے بھڑکائی جائے گی جو دلوں تک پہنچے گی۔(4)سُعُر۔سعر بمعنی آگ کا بھڑکنا اور شعلے نکالنا۔پھر یہ لفظ مجازاً اشتعال دلانے اور مشتعل ہونے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور﴿سُعُرٍ﴾ سے مراد ایسی دیوانگی ہے کہ کسی بات پر انسان فوراً مشتعل ہو کر غلط کام کرنے لگے اور اس کی عقل صحیح کام نہ کرے۔یعنی ان مجرموں کی کیفیت ہوگئی ہے کہ ہدایت کی کسی بات پر غور کرنے سے پہلے ہی سیخ پا ہوجاتے ہیں۔(تیسیر القرآن:343/4)

سوال2: مجرموں نے کون سا راستہ گم کردیا ہے؟

جواب: مجرموں نے اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والا راستہ گم کردیا ہے۔

﴿يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِى النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ؕ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿48﴾﴾

’’جس دن اُنہیں چہروں کے بل آگ میں گھسیٹا جائے گا، چکھو آگ کا چھونا‘‘ (48)

سوال1:﴿يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ط ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴾ ’’جس دن اُنہیں چہروں کے بل آگ میں گھسیٹا جائے گا، چکھو آگ کا چھونا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿يَوْمَ﴾ یعنی قیامت کے دن۔(2)﴿يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ﴾ ’’اُنہیں چہروں کے بل آگ میں گھسیٹا جائے گا، چہرہ تمام اعضاء میں سب سے زیادہ بڑھ کر ہے۔ چہرے کو عذاب دے کر انہیں ذلیل ورسوا کیا جائے گا۔ انہیں خبر نہیں ہوگی کہ کہاں گھسیٹ کر لے جایا جارہا ہے۔ رب العزت نے فرمایا:﴿اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ لا اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا (۳۴)﴾ ’’جو لوگ اپنے چہروں کے بل جہنم کی طرف جمع کیے جائیں گے وہی لوگ ٹھکانے میں بدترین اور راستے سے زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔‘‘ (الفرقان:34) (3) سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا، اے اللہ کے رسول! کافر کو قیامت کے دن اس کے چہرے کے بل کس طرح جمع کیا جائے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’کیا وہ ہستی جس نے اس کو (دنیا میں) اس کے دو پیروں پر چلایا، اس بات پر قادر نہیں ہے کہ اس کو قیامت کے دن اس کے چہرے کے بل چلائے؟‘‘ (مسلم:7087) (4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مشرکین قریش رسول ﷺ سے تقدیر کے بارے میں جھگڑا کرنے کے لئے آئے تو یہ آیت نازل ہوئی﴿يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ط ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ(48)اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴾ جس دن اُنہیں چہروں کے بل آگ میں گھسیٹا جائے گا، چکھو آگ کا چھونا، ہم نے بلاشبہ ہر چیز کو ایک اندازے کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ (مسلم:6752) (5)﴿ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴾ ’’چکھو آگ کا چھونا‘‘ انہیں رسوا کرنے کے لیے کہا جائے گا کہ اب آگ میں جلنے کا مزہ چکھو۔ (6) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے روز جہنم کو لایا جائے گا، اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ رہے ہوں گے۔ (مسلم:7164) (8) سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے آتش جہنم کا ذکر کیا اور اپنا چہرہ پھیر لیا اور کراہت ظاہر کی، پھر آپ نے فرمایا: ’’جہنم سے بچو۔‘‘ پھر آپ ﷺ نے (دوبارہ) اس کا ذکر کیا اور اپنا چہرہ پھیر لیا اور کراہت ظاہر کی، یہاں تک ہم نے یہ گمان کیا کہ جیسے آپ اسے دیکھ رہے ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ’’تم جہنم سے بچو، اگرچہ کھجور کا آدھا حصہ صدقہ کر کے ہی اور جس شخص کو یہ بھی نہ ملے تو وہ ایک اچھا کلمہ کہہ کر ہی اپنے آپ کو جہنم سے بچالے۔‘‘ (بخاری:6563)

سوال2: مجرموں کو منہ کے بل آگ میں کیوں گھسیٹا جائے گا؟

جواب: مجرم عقل کے صحیح استعمال نہ کرنے کی وجہ سے آگ میں جائیں گے اس وجہ سے انہیں منہ کے بل کر دیا جائے گا کہ جس کی وجہ سے آگ میں پہنچے ہو، آج وہی سب سے زیادہ تکلیف کاٹے۔

﴿اِنَّا كُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰهُ بِقَدَرٍ (49)﴾

''ہم نے بلاشبہ ہر چیز کو ایک اندازے کے ساتھ پیدا کیا ہے'' (49)

سوال: ﴿اِنَّا كُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰهُ بِقَدَرٍ﴾ ''ہم نے بلاشبہ ہر چیز کو ایک اندازے کے ساتھ پیدا کیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''ہم نے بلاشبہ ہر چیز کو ایک اندازے کے ساتھ پیدا کیا ہے'' یعنی ہم نے ہر چیز کو پہلے سے لکھی گئی تقدیر کے مطابق پیدا کیا ہے اور وہ تحریر لوح محفوظ میں زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے سے موجود ہے۔ ہر چیز اسی طرح واقع ہوتی ہے جیسے اس کی کیت، صورت، وقت، جگہ طے کر دی گئی ہوتی ہے۔ (ایسر التفاسیر:1557) (2) یہ آیت کریمہ، تمام مخلوقات، تمام علوی اور سفلی کائنات کو شامل ہے، تمام کائنات کو اکیلے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ان کا خالق نہیں اور نہ اس کی تخلیق میں کسی کی کوئی شراکت ہی ہے۔ اس نے اس کائنات کو ایسی قضاوقدر کے ساتھ پیدا کیا، جس کے بارے میں اس کا علم سبقت کر گیا، اس کی مقدار، وقت اور اس کے تمام اوصاف کو اس کے قلم نے درج کر لیا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان تھے۔ (تفسیر سعدی:2667/3) (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿الَّذِیۡ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَلَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا وَّلَمۡ یَكُنۡ لَّهٗ شَرِیۡكٌ فِی الۡمُلۡكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیۡءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقۡدِیۡرًا﴾ ''وہ جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور جس نے اولاد نہیں بنائی اور نہ کبھی بادشاہی میں کوئی اس کا شریک رہا ہے اور جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کا اندازہ مقرر کیا، پورا اندازہ''۔ (الفرقان:2) (3) ﴿سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلَی (۱) الَّذِیۡ خَلَقَ فَسَوّٰی (۲) وَالَّذِیۡ قَدَّرَ فَهَدٰی (۳)﴾ ''اپنے رب کے نام کی تسبیح کریں جو سب سے بُلند ہے۔ وہ ذات جس نے پیدا کیا پھر درست بنایا۔ اور وہ ذات جس نے تقدیر بنائی تو راہ دکھائی''۔ (الاعلیٰ:1,3) (5) سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے سب مخلوقات کی تقدیروں کو آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے بھی پچاس ہزار سال قبل لکھا تھا اور اس وقت اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔'' (مسلم:6748) (6) سیدنا طاؤس رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے ملاقات کی۔ وہ کہتے تھے ہر چیز تقدیر سے وابستہ ہے اور میں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر چیز تقدیر سے وابستہ ہے یہاں تک کہ عجز یا قدرت یا قدرت اور عجز۔ (مسلم:6751) (7) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: طاقتور مومن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کمزور مومن سے بہتر اور پسندیدہ ہے اور ہر ایک طرح کا مسلمان بہتر ہے۔ ان چیزوں کی حرص کرو جو تمہارے لئے نفع مند ہوں اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے رہو اور اس سے عاجز مت ہو اور اگر تم پر کوئی مصیبت آ جائے تو یہ نہ کہو، کاش میں ایسا کر لیتا بلکہ یہ کہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہے وہ جیسے چاہتا ہے کرتا ہے کیونکہ کاش شیطان کا دروازہ کھولتا ہے۔ (مسلم:6774) (8) جناب نافع رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا شام میں ایک دوست تھا، جو ان سے خط و کتابت کرتا رہتا تھا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے انھیں لکھا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تم نے

تقدیر کے بارے میں باتیں کی ہیں۔(تم تقدیر کو جھٹلاتے ہو)لہذا میری طرف آئندہ کوئی خط نہ لکھنا، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:''عنقریب میری امت میں سے کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو تقدیر کی تکذیب کریں گے۔''(مسند احمد:5641)(9)سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''خوب جان لو کہ اگر ساری امت تمھیں نفع پہنچانے پر اتفاق کرے، تو وہ تمھیں صرف اتنا ہی نفع پہنچا سکیں گے جتنا اللہ تعالیٰ نے تمھاری قسمت میں لکھ دیا ہے اور اگر وہ سب تمھیں نقصان پہنچانے پر اتفاق کرلیں، تو وہ تمھیں صرف اتنا ہی نقصان پہنچا سکیں گے جتنا اللہ تعالیٰ نے تمھاری قسمت میں لکھ دیا ہے۔ قلمیں خشک ہوگئی ہیں اور صحیفے لپیٹ دیے گئے ہیں۔''(ترمذی:2516)

﴿وَمَآ اَمۡرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمۡحٍ ۭ بِالۡبَصَرِ (50)﴾

''اور ہمارا حکم ایک ہی بار پلک جھپکنے کی طرح ہوتا ہے''۔(50)

سوال:﴿وَمَآ اَمۡرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمۡحٍ ۭ بِالۡبَصَرِ﴾''اور ہمارا حکم ایک ہی بار پلک جھپکنے کی طرح ہوتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَمَآ اَمۡرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ﴾''اور ہمارا حکم ایک ہی بار'' رب العزت نے فرمایا جب ہم کسی چیز کو تخلیق کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہمارا ایک ہی حکم کہ ہو جا اسے مکمل طور پر وجود میں لے آتا ہے۔(2)﴿كَلَمۡحٍ ۭ بِالۡبَصَرِ﴾''پلک جھپکنے کی طرح ہوتا ہے'' یعنی اس کام میں کسی رکاوٹ کے بغیر پلک جھپکنے کی طرح وقت لگتا ہے۔(3)رب العزت نے فرمایا کہ:﴿اِنَّمَآ اَمۡرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيۡـًٔا اَنۡ يَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ﴾''کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اُسے کہہ دیتا ہے''ہو جا''تو وہ ہو جاتی ہے۔''(یٰسین:82)

﴿وَلَقَدۡ اَهۡلَكۡنَآ اَشۡيَاعَكُمۡ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ (51)﴾

''اور بلاشبہ یقیناً تمہارے جیسی جماعتوں کو ہم ہلاک کر چکے، تو کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟''(51)

سوال1:﴿وَلَقَدۡ اَهۡلَكۡنَآ اَشۡيَاعَكُمۡ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ﴾''اور بلاشبہ یقیناً تمہارے جیسی جماعتوں کو ہم ہلاک کر چکے، تو کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَلَقَدۡ اَهۡلَكۡنَآ اَشۡيَاعَكُمۡ﴾''اور بلاشبہ یقیناً تمہارے جیسی جماعتوں کو ہم ہلاک کر چکے'' یعنی تم جیسے اعمال کرنے والے لوگوں کو ہم پہلے ہلاک کر چکے ہیں انہوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا جیسے تم نے جھٹلایا۔(2)﴿فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ﴾''تو کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا'' یعنی کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے اس بات سے کہ پہلے لوگوں اور بعد میں آنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی ایک ہی سنت رہی ہے۔(3)اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو ان کے شرک کی وجہ سے ہلاک کیا تو ان کو ہلاک کرنا ناگزیر ضرورت تھی۔(4)کیا تم اس بات سے نصیحت

حاصل نہیں کرتے کہ دو گروہوں کے رویوں میں کوئی فرق نہیں۔

سوال 2: تم جیسے بہت سوں کو ہلاک کرنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اس کا مطلب ہے کہ پہلی قوموں کے کافروں کو یعنی جن کے درمیان کفر ہی مماثلت کی وجہ تھی۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ نے کس چیز سے نصیحت قبول کرنے کا کہا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے پچھلی قوموں کو ہلاک کرنے سے سبق لینے اور نصیحت قبول کرنے کا کہا ہے۔

﴿وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ (52)﴾

''اور ہر وہ چیز جو اُنہوں نے کی وہ دفتروں میں درج ہے''۔ (52)

سوال: ﴿وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ﴾ ''اور ہر وہ چیز جو اُنہوں نے کی وہ دفتروں میں درج ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور ہر وہ چیز جو اُنہوں نے کی وہ دفتروں میں درج ہے''، یعنی جو کچھ یہ عمل کرتے ہیں سب کتابوں میں لکھ دیا گیا ہے جو فرشتوں کے ہاتھوں میں محفوظ ہیں۔ (2) یعنی وہ جو نیکی بدی کرتے ہیں سب اعمال نامے میں محفوظ ہو جاتا ہے اور وہ سب کچھ صحیفہء تقدیر میں لکھا ہوتا ہے۔

﴿وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ (53)﴾

''اور ہر چھوٹی بڑی بات لکھی ہوئی ہے'' (53)

سوال: ﴿وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ﴾ ''اور ہر چھوٹی بڑی بات لکھی ہوئی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور ہر چھوٹی بڑی بات لکھی ہوئی ہے''، یعنی اعمال نامہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں چھوٹے بڑے تمام اعمال جمع کر دیے جاتے ہیں۔ اس میں ہر چھوٹا بڑا عمل درج کیا جاتا ہے۔ (2) رب العزت نے فرمایا: ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ﴾ ''کوئی لفظ وہ نکال نہیں پاتا مگر ایک تیار نگران اس کے پاس ہوتا ہے''۔ (ق:18) (3) ﴿وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّا اَحْصٰهَا ج وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ط وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴾ اور کتاب اعمال رکھ دی جائے گی، پس آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ وہ اس سے ڈرنے والے ہوں گے جو اس میں ہوگا اور کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی! یہ کتاب کیسی ہے جس نے چھوٹا بڑا کچھ بھی نہیں چھوڑا مگر اس کو شمار کر رکھا ہے اور جو بھی انہوں نے کیا تھا وہ سب اس کو سامنے پائیں گے اور آپ کا رب کسی ایک پر ظلم نہیں کرتا۔ (الکھف:49) (4) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول

اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:''اے عائشہ رضی اللہ عنہا! معمولی سمجھے جانے والے گناہوں سے بچنا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا بھی مؤاخذہ ہوگا۔''(مسند احمد:25231)

﴿ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ (54) ﴾

''بلاشبہ متقی لوگ باغوں اور نہروں میں ہوں گے''(54)

سوال:﴿ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴾''بلاشبہ متقی لوگ باغوں اور نہروں میں ہوں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ ﴾''بلاشبہ متقی لوگ''یعنی اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھ کر اس کی اطاعت کرنے والے اور اس کے عذاب کے خوف سے گناہوں سے رکنے والے جو صغیرہ، کبیرہ گناہوں سے بچتے ہیں۔(2)﴿ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴾''باغوں اور نہروں میں ہوں گے''وہ نعمتوں بھری جنتوں میں ہوں گے جس میں ایسی ایسی نعمتیں ہوں گی جو کسی آنکھ نے دیکھی ہیں نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ کسی آدمی کے حاشیہ خیال ہی میں ان کا گزر رہا ہے۔یعنی ان جنتوں میں پکے ہوئے پھلوں سے لدے ہوئے درخت، بہتی ہوئی نہریں، بلند و بالا محلات، خوبصورت آرام گاہیں، نہایت لذیذ ماکولات و مشروبات، حسین و جمیل حوریں، خوبصورت باغات، جزاوسزا سے نوازنے والے بادشاہ کی رضا اور اس کے قرب کے حصول میں کامیابی، یہ سب کچھ ہوگا۔(تفسیر سعدی:2667,2668/3)(3)﴿اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ (۱۵) اٰخِذِیْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِیْنَ (۱۶)﴾یقیناً پرہیزگار باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ لینے والے ہیں جو کچھ ان کا رب انہیں دے گا، یقیناً وہ اس سے پہلے ہی نیکی کرنے والے تھے۔(الذاریات:15)(4)﴿اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَعِیْمٍ (۱۷) فٰكِهِیْنَ بِمَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ (۱۸) كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓـًٔا ۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۱۹) مُتَّكِـِٕیْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِیْنٍ (۲۰)﴾''متقی لوگ بلاشبہ باغوں اور بڑی نعمتوں میں ہوں گے۔وہ ان نعمتوں سے لطف اندوز ہونے والے ہوں گے اس سے جو ان کے رب نے انہیں دیا، اور ان کے رب نے انہیں بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب سے بچالیا ہے۔خوب مزے سے کھاؤ اور پیو اس کے بدلے میں جو تم عمل کیا کرتے تھے۔وہ صف بہ صف تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے اور ہم نے ان کا نکاح کر دیا سفید رنگت اور بڑی آنکھوں والی حوروں سے۔''(الطور:17,20) **اللّٰھم اجعلنا منھم**

﴿فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ (55) ﴾

''صدق کی مجلس میں، بڑے ذی اقتدار بادشاہ کے پاس''۔(55)

سوال1:﴿فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴾''صدق کی مجلس میں، بڑے ذی اقتدار بادشاہ کے پاس'' کی وضاحت

کریں؟

جواب:(1)﴿فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ ﴾"صدق کی مجلس میں"یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا اور عزت والے گھر اور اس کے احسان اور فضل والے گھر میں۔(2)﴿عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ ﴾"بڑے ذی اقتدار بادشاہ کے پاس"یہ وہ گھر ہے جو اس عظیم بادشاہ کے پاس ہے جو تمام کائنات کا خالق ہے،تمام چیزوں کے اندازے مقرر کرنے والا ہے اور جس چیز کو چاہے اس پر قادر ہے۔جنت والوں کی،متقیوں کی،محسنوں کی،مقرب بندوں کی ہر خواہش پوری کرے گا اور ہر تمنا کو پایہ تکمیل تک پہنچائے گا۔(مختصر ابن کثیر:1970/2)(3)اس کے بعد مت پوچھئے کہ ان کا رب اپنی طرف سے کیسی کیسی عزت وتکریم اور جودوکرم سے نوازے گا اور ان پر اپنے بے پایاں احسانات اور نوازشات میں اضافہ کرتا چلا جائے گا۔اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان لوگوں میں شامل کرے،ہمارے دامن میں جو برائیاں ہیں ان کی بنا پر ہمیں ان بھلائیوں سے محروم نہ کرے جو اس کے سایہ رحمت میں ہیں۔(آمین)(تفسیر سعدی:2668/3)(4)سیدنا عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا:انصاف پسند اللہ تعالیٰ کے پاس نور کے منبروں پر ہوں گے جو رحمان کی سیدھی طرف رکھے ہوئے ہوں گے۔رحمان کے دونوں ہاتھ سیدھے ہی ہیں یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنے حکموں میں بچوں کے ساتھ اور ماتحتوں کے ساتھ انصاف سے کام لیا کرتے تھے۔(مسند احمد،نسائی)

سوال2:﴿ مَقْعَدِ صِدْقٍ ﴾سے کیا مراد ہے؟

جواب:اس سے مراد عزت کی جگہ یا حق کی مجلس ہے جس میں نہ گناہ کی بات ہوگی نہ کسی قسم کی لغوبات۔اس سے مراد جنت ہے۔

سوال3:﴿مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ ﴾سے کیا مراد ہے؟

جواب:(1)اس سے مراد قدرت والا بادشاہ ہے۔(2)ہر چیز پر اختیار رکھنے والا جو چاہے کرسکتا ہے۔

سورۃ الرحمٰن

سوال:یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب:یہ سورت مکی ہے۔اس کے تین رکوع اور 78 آیات ہیں۔

سوال:مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب:مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے یہ 55ویں نمبر ہے اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے 97ویں سورت ہے۔

سوال:اس سورت کا نام"الرحمٰن"کیوں ہے؟

جواب:سورۃ رحمٰن کا نام"الرحمٰن"اس لیے رکھا گیا کیونکہ اس کا آغاز اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک اسم کے ساتھ ہو رہا ہے اور وہ اسم"الرحمٰن"ہے۔یہ رحمت سے اسم مبالغہ ہے جس میں"رحیم"کے مقابلے میں زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ جو منعم(نعمت دینے والا)ہے۔اس نے اپنی تمام مخلوق کو جلیل القدر نعمتوں سے نوازا ہے۔جبکہ"الرحیم"کا معنی یہ ہے کہ وہ منعم جس نے اپنے خاص بندوں یعنی

اہل ایمان کو خاص نعمتوں سے نوازا ہے۔ (تفسیر منیر:205/14)

سوال: اس سورت کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: سورۃ رحمٰن مکی سورتوں میں سے ایسی سورۃ ہے جو عقیدہ اسلامیہ کے اصول وقواعد کا علاج معالجہ کرتی ہے۔ (یعنی عقائد کی اصلاح کرتی ہے) یہ تمام سورتوں میں دلہن کی مانند ہے اسی لیے حدیث میں یہ الفاظ وارد ہیں: ''ہر چیز کی دلہن ہوتی ہے اور قرآن کی دلہن سورۃ رحمٰن ہے۔'' (صفوۃ التفاسیر:274/3) (الاساس فی التفسیر:5639/10) (2) امام طبری نے کہا ہے کہ ''رحمٰن'' تمام خلقت کے لیے ہے جبکہ ''رحیم'' صرف اہل ایمان کے لیے ہے۔ اس سورت کا نام ایک اور حدیث میں امام بیہقی نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کچھ اس طرح مرفوع نقل کیا ہے کہ یہ قرآن کی دلہن ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ہر چیز کی دلہن ہے اور قرآن کی دلہن ''سورۃ رحمٰن'' ہے۔'' (تفسیر منیر:205/14) (3) سیدہ اسماء بنت ابی بکر سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو رکن کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز میں قرآن پڑھتے ہوئے سنا اس وقت آپ ﷺ کو یہ حکم نہیں ملا تھا کہ ''فاصدع بما تؤمر'' چنانچہ مشرکین بھی آپ ﷺ کی قرأت سن رہے تھے اور آپ ﷺ یہ آیت پڑھ رہے تھے ''فبای آلاء ربکما تکذبان''۔ (تفسیر الدر المنثور:189/6) (4) سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کی معیت میں تھے اور آپ ﷺ نے ان کو سورۃ الرحمٰن شروع سے آخر تک پڑھ کر سنائی مگر وہ خاموش رہے تب آپ ﷺ نے فرمایا: کیا بات ہے تم خاموش کیوں کھڑے ہو؟ حالانکہ میں نے اس سورت کو جنات پر تلاوت کیا تھا اور انہوں نے سن کر اچھا جواب دیا تھا کہ میں جب بھی اس آیت 'فبای آلاء ربکما تکذبان'' سے گزرا تو وہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم تیری کسی بھی نعمت کی تکذیب نہیں کرتے اور تمام تر تعریفات کا تو ہی لائق ہے۔'' (تفسیر الدر المنثور:189,190/6) (5) سیدنا انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نو رکعات نماز وتر ادا کرتے تھے پھر جب آپ ﷺ بڑی عمر کو پہنچے اور بھاری بدن والے ہو گئے تو آپ ﷺ سات رکعت نماز وتر ادا کیا کرتے تھے اور دو رکعت بیٹھ کر نماز پڑھتے اور ان میں سورۃ رحمٰن اور سورۃ واقعہ کی قرأت کیا کرتے تھے۔ (تفسیر الدر المنثور:190/6) (6) مہایمی نے کہا ہے کہ: قرآن کی دلہن اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ یہ سورۃ جلیل القدر نعمتوں کے تذکرے سے بھری ہوئی ہے۔ (تفسیر قاسمی:278/15)

رکوع نمبر 11

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿اَلرَّحْمٰنُ (۱)﴾

''وسیع رحمت والے نے''۔(1)

سوال1:﴿اَلرَّحۡمٰنُ﴾ ''وسیع رحمت والے نے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اَلرَّحۡمٰنُ﴾ ''وسیع رحمت والے نے'' اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک نام ہے۔(2)سورۃ کا آغاز﴿اَلرَّحۡمٰنُ﴾ سے ہوا ہے جو اس کی بے پایاں رحمت، عمومی احسان، بے شمار بھلائیوں اور وسیع فضل وکرم پر دلالت کرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان امور کا ذکر فرمایا جو اس کی رحمت اور اس کے آثار، یعنی دینی، دنیاوی اور اخروی نعمتوں پر دلالت کرتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں تک پہنچایا۔ اپنی ان نعمتوں کی ہر جنس اور نوع کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ دونوں جماعتوں یعنی، جن وانس کو تنبیہہ کرتا ہے کہ وہ اس کا شکرادا کریں، چنانچہ فرماتا ہے:﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ (تفسیر سعدی:2668,2669/3)(3)اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت وشفقت کی خبر دی ہے۔(4)رحمت وہ رقتِ قلب ہے جو احسان کرنے کا تقاضا کرے۔(مفردات القرآن)(5)رب العزت نے فرمایا:﴿کَتَبَ عَلٰی نَفۡسِهِ الرَّحۡمَةَ ط لَیَجۡمَعَنَّکُمۡ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ لَا رَیۡبَ فِیۡهِ﴾ ''اس نے رحمت کرنا اپنے اوپر لکھ دیا ہے، وہ قیامت کے دن ضرور بہ ضرور تمہیں جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں جن لوگوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا ہے وہی اس پر ایمان نہیں لاتے۔'' (الانعام:12)(6)اور اس کی رحمانیت میں سے اس کا پرندوں پر لطف وکرم کرنا ہے۔﴿اَوَلَمۡ یَرَوۡا اِلَی الطَّیۡرِ فَوۡقَهُمۡ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقۡبِضۡنَ ط مَا یُمۡسِکُهُنَّ اِلَّا الرَّحۡمٰنُ ط اِنَّهٗ بِکُلِّ شَیۡءٍۭ بَصِیۡرٌ﴾ ''اور کیا اُنہوں نے اپنے اوپر پرندوں کو نہیں دیکھا اس حال میں کہ وہ پر پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں اور کبھی سمیٹ لیتے ہیں رحمان کے سوا انہیں کوئی نہیں تھامتا، بلاشبہ وہ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے۔(الملک:19)سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:﴿اَلرَّاحِمُوۡنَ یَرۡحَمُهُمُ الرَّحۡمٰنُ اِرۡحَمُوۡا مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ یَرۡحَمُکُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ﴾ ''رحم کرنے والوں پر رحمان بھی رحم کرتا ہے۔ زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا''۔(ترمذی:1924)رحمت بے لوث محبت کو کہتے ہیں۔ بغیر کسی مطالبے کے جو شفقت اور عنایت کی جاتی ہے اس کو رحمت کہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی رحمت بندۂ مومن کو اس کا شکرادا کرنے پر ابھارتی ہے۔اسے یہ یقین آجاتا ہے کہ میرا ربّ مجھے، میرے وقت، میرے مال، میری صلاحیتوں اور میری قوتوں کو رائیگاں نہیں جانے دے گا۔ وہ یہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری اس زندگی کے ہر عمل کو فائدہ مند بنا دے گا۔

سوال2: سورۃ کا آغاز الرّحمٰن سے کیا گیا، اس کی کیا وجہ بنی تھی؟

جواب: مشرکینِ مکہ نے یہ سوال کیا تھا کہ الرّحمٰن کیا ہے۔اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں جس میں رحمٰن کے نام سے اللہ تعالیٰ نے واقف کروایا ہے۔

سوال3: الرّحمٰن کون ہے؟

جواب:(1)الرّحمٰن وہ ہے جو وسیع رحمت والا ہے۔(2)الرّحمٰن وہ ہے جس کی رحمت ایمان والوں کے لئے قرآنِ مجید کی صورت میں

آئی۔(3)الرحمٰن وہ ہےجس کی رحمت اولادکو والدین کا فرماں بردار بنا دیتی ہے۔(4)الرحمٰن وہ ہےجس کی رحمت شوہراور بیوی کے رشتے کو مضبوط کر دیتی ہے۔(5)الرحمٰن وہ ہےجس کی رحمت سے بعض لوگ بعض سے زیادہ خاص ہو جاتے ہیں۔(6)الرحمٰن کی رحمت سے محمد رسول اللہ ﷺ رحمت للعالمین بنے۔(7)الرحمٰن وہ ہےجس کی رحمت نے ہر چیز کو اپنے گھیرے میں لیا ہوا ہے۔

﴿عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿2﴾﴾

''قرآن کی تعلیم دی۔''(2)

سوال1:﴿عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴾''قرآن کی تعلیم دی'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(ا)یعنی اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کوقرآن کریم کے علم سے نوازااور محمد ﷺ نے اپنی امت مسلمہ کواس کی تعلیم دی۔(تفسیر مراغی:377/9)(2)زجاج کہتے ہیں﴿عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴾ کا معنی ہے کہ میں نے اسے آسان کر دیا ہے کیونکہ یہ نصیحت ہے۔(معانی القرآن للزجاج ورقۃ:232)(3)اے لوگو!وہ رحمٰن ہے جس نے اپنی رحمت سے تم کوقرآن سکھایا ہے۔تم پراللہ تعالیٰ نے یہ انعام فرمایا ہے۔جب تم نے اس میں غوروغوض اور فکروتدبر کیا تو تم نے اللہ تعالیٰ کی رضاوخوشنودی کو پایا۔اور جب تم نے اس میں غوروفکر کیا تو تم نے اس میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب کی معرفت وآشنائی حاصل کی۔تاکہ جو کچھ اس میں بیان کیا جارہا ہے اس کی اطاعت وپیروی کو بجالاؤ جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے اور جس کا اس نے حکم دیا ہے اس پر عمل پیرا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی،عتاب وعذاب سے اجتناب کیا جاسکے۔تاکہ ان احکام پر عمل پیرا ہونے کی بنا پر اجرعظیم سے نوازا جائے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب وناراضگی سے اجتناب ہو سکے۔(جامع البیان:120/27)(4) رب العزت نے فرمایا:﴿وَقَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اکْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا ﴿5﴾ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴾''آپ کہہ دیں اس کو نازل کیا ہے اُس نے جو آسمانوں اور زمین کے راز جانتا ہے، یقیناً وہ بے حد بخشنے والا،نہایت رحم والا ہے انہوں نے کہا کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جنہیں اس نے لکھوا رکھا ہے پس وہی اس کو صبح وشام پڑھ کر سنائی جاتی ہیں''(الفرقان:5،6)(5)﴿الٓرٰ قف كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِیْمٍ خَبِیْرٍ﴾''الرٰ۔ایک کتاب ہے جس کی آیات پختہ کی گئی ہیں پھر کمال حکمت والے،پوری خبر رکھنے والے کی طرف سے تفصیل سے بیان کی گئی ہیں''(ہود:1)(6)قرآن کریم کی تعلیم جلیل القدر ارفع واعلیٰ مقام کی حامل ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر یہ چیز عیاں کی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نصیحت ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:﴿ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ﴾''پھر ہم نے اس کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب فرمایا چنانچہ اُن میں سے کوئی اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے،اوران میں سے کوئی میانہ رَو ہے اور کوئی اللہ تعالیٰ

کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والا ہے، یہی بہت بڑا فضل ہے۔'' (فاطر:32) (7) اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس چیز کا علم دیا ہے کہ وہ اس نعمت عظمیٰ کی وجہ سے اس کی تعریف کریں جو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی صورت میں نازل فرمائی ہے۔ (اضواء البیان: 489/7) اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ﴾ ''سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی۔ (الکھف:1) ﴿ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴾ ''اور آپ یہ اُمید نہ رکھتے تھے کہ آپ پر کتاب اتاری جائے گی مگر آپ کے رب کی جانب سے رحمت ہے، چنانچہ آپ کافروں کے لیے مددگار نہ بنیں۔ (القصص:86) ﴿ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴾ (الدخان:5,6) (8) وہ قرآن کی تعلیم ہے جو دلوں کی شفا ہے۔ (تفسیر البحر المحیط:54/10) (9) ''رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جو قرآن سیکھتا اور سکھاتا ہے۔'' (بخاری و مسلم) (المحرر الوجیز:223/5) (10) پچھلی سورۃ کا افتتاح ایسے معجزہ سے ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہیبت وعظمت پر دلالت کر رہا ہے اور وہ چاند کا پھٹنا ہے اور اس سورۃ کا افتتاح ایسے معجزہ سے ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت پر دلالت کر رہا ہے اور وہ قرآن کریم جیسی بابرکت کتاب ہے جس میں دلوں کی شفا اور گناہوں سے پاکیزگی کا سامان موجود ہے۔ اور یہ منصب ومقام کے لحاظ سے تمام نعمتوں سے زیادہ صاحب سبقت وجلالت ہے۔ پچھلی سوررۃ اور اس سورۃ میں اس لحاظ سے ایک دوسری مناسبت بھی پائی جاتی ہے کہ اُس (پچھلی) سورۃ میں ایسی باتوں کا تذکرہ ہے جو انتقام الٰہی اور غضب خداوندی کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ جیسا کہ اس کا فرمان ہے: ﴿ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴾ ''سو اب چکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا'' (القمر:39) ﴿ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴾ پھر کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا! (القمر:21) اور اس سورۃ میں ہر نعمت کو شمار کرنے کے بعد ''فبای آلاء ربکما تکذبان'' کا ذکر ہے یعنی نعمت پر نعمت کی یاد دہانی کا، کیونکہ یہ چیز غفلت ونسیان میں مبتلا لوگوں کی غنودگی کو احساس بیداری عطا کرتی ہے۔'' (غرائب القرآن:227/6) (11) اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے قرآن کے الفاظ اور معانی کو اپنے بندوں کے لیے آسان کر دیا ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو ہر بھلائی پر مشتمل ہے اور ہر برائی سے روکتی ہے۔ (12) الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کا سمجھنا اور یاد کرنا آسان کر دیا ہے۔ (13) قرآن کا اتارنا اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا ہے۔ ہر مالک کا اپنے مملوک کو یہ بتانا ضروری ہوتا ہے کہ وہ اس سے کیا کام لینا چاہتا ہے اور کس مقصد کے لیے اسے بنایا گیا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کا انسانوں کو یہ بتانا ضروری تھا کہ ان کا مقصد حیات کیا ہے اور یہ ضرورت قرآن اتار کر پوری کر دی گئی۔ (تیسیر القرآن:345/4)

سوال 2: اس سورت کے آغاز میں ہی قرآنِ مجید سکھانے کی بات کیوں کی گئی ہے؟

جواب: اس سورت کے آغاز میں ہی قرآنِ مجید سکھانے کی بات اس لئے کی گئی کہ اہلِ مکہ کہتے تھے یہ قرآن محمد ﷺ کو کوئی اور سکھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے واضح کیا کہ یہ محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خود سکھایا ہے۔

سوال3: اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اپنی بے شمار نعمتوں کا ذکر کیا۔ سب سے پہلے قرآنِ مجید کی تعلیم کا ذکر کیوں کیا؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کی ضرورت اور اہمیت کی وجہ سے اس کا ذکر آغاز میں کیا۔ (2) انسانی زندگی کے لئے سب سے زیادہ فائدہ مند نعمت قرآنِ مجید ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا آغاز میں ذکر کیا۔ (3) قرآنِ مجید کی تعلیم سے ہی انسان صحیح معنوں میں انسان بن سکتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا آغاز میں ذکر کیا۔

﴿ خَلَقَ الْإِنْسَانَ (٣) ﴾

''اس نے انسان کو پیدا کیا''۔ (3)

سوال1: ﴿ خَلَقَ الْإِنْسَانَ ﴾ ''اُس نے انسان کو پیدا کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اُس نے انسان کو پیدا کیا'' اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین صورت میں، کامل اعضا اور پورے اجزا کے ساتھ نہایت محکم بنیاد پر تخلیق فرمایا، باری تعالیٰ نے انسان کو پوری مہارت کے ساتھ بنایا اور اسے تمام حیوانات پر امتیاز بخشا۔ (تفسیر سعدی: 2669/3) (2) جب تعلیم قرآن کا تذکرہ فرمایا تو معلم کا ذکر نہیں فرمایا۔ اس کا ذکر بعد والے فرمان ''خلق الانسان'' سے کیا، تاکہ جو مقصود تعلیم ہے وہ سکھلائے اور جب انسان کو دین اور تعلیم قرآن کے لیے تخلیق کیا گیا ہے تو گویا ان کی تخلیق کے سبب کو اس کی تخلیق سے قبل ذکر کیا۔'' (تفسیر البحر المحیط: 54/10)

سوال2: انسان کیا ہے؟

جواب: انسان رحمٰن کی تخلیق ہے۔

سوال3: انسان کو رحمٰن نے کیسے بنایا ہے؟

جواب: انسان اپنی تخلیق کے وقت ایک خلیہ ہوتا ہے جو باپ کی پیٹھ سے ماں کے رحم میں منتقل ہوتا ہے اور انتہائی کمزوری سے اس کی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ cell سے کئی cell، پھر جما ہوا خون، پھر گوشت کی بوٹی، پھر ہڈیاں، عُضلات اعصاب وغیرہ بنتے ہیں۔ پھر حیرت انگیز سننے، دیکھنے، چکھنے، سونگھنے اور چھونے کے کام شروع ہو جاتے ہیں۔ پھر شعور ملتا ہے اسی cell کو جو نہ نظر آتا تھا نہ اظہار کر سکتا تھا۔ یہ cell کہاں سے آیا؟ خلیے سے انسان کیسے بنا؟ انسان رحمٰن کے پاس سے آیا ہے۔ انسان کو رحمٰن نے تخلیق کیا ہے۔

سوال4: انسان کی تخلیق کے بارے میں ڈارون کا نظریۂ ارتقاء کیا کہتا ہے؟

جواب: انسان کے بارے میں ڈارون کا نظریۂ ارتقاء کہتا ہے کہ انسان بندر سے ترقی کرتے کرتے اس مقام تک پہنچا ہے۔

سوال5: اسلام کا نظریۂ انسان کیا ہے؟

جواب: اسلام کا نظریۂ انسان یہ ہے کہ وہ: (1) اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ (2) جانوروں سے مختلف مخلوق ہے۔ (3) اللہ تعالیٰ نے اسے ایسے

ہی پیدا کیا جس شکل وصورت میں وہ اب ہے۔

﴿ عَلَّمَهُ الْبَيَان (4) ﴾

''اُسے بولنا سکھایا''(4)

سوال:﴿عَلَّمَهُ الْبَيَان﴾''اُسے بولنا سکھایا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اُسے بولنا سکھایا'' قرآن مجید کی تعلیم کا بیان ہے اور تعلیم زبان سے ادا کرنے پر موقوف ہے،جس کا دارومدار قوت گویائی کو آسان بنانے پر اور حلق،زبان اور ہونٹوں سے ہر حرف کو اس کے مخرج سے نکالنے کو آسان کرنے پر ہے۔مخارج مختلف ہیں اور زبان سے ادا کیے جاتے ہیں۔مختلف قسم کے مخرجوں کو ادا کرنا اللہ تعالیٰ نے انسان کو بتا دیا۔اب آسانی سے زبان مخرج ادا کر دیتی ہے۔خواہ وہ ہونٹوں سے نکل رہا ہو،یا حلق سے یا نوک زبان سے۔(مختصر ابن کثیر:1972/2)(2)یعنی اللہ تعالیٰ نے جنس انسان کی تخلیق کی اور اسے نطق اور مافی الضمیر بیان کرنے کی قوت عطا فرمائی تاکہ وہ دیگر انسانوں کے ساتھ مخاطب ہو سکے۔اور معاشرے کے امور کو سمجھے اور ان کے درمیان باہمی تعاون،اخوت اور محبت کی فضا قائم ہو۔تعلیمی عناصر بھی اس سے مکمل ہوتے ہیں۔(تفسیر منیر:212/14)(3)اور جب انسان بنیادی طور پر مدنی الطبع اور معاشرت پسند ہے تو پھر اس کے لیے کسی بات کے افہام کے لیے کسی زبان کی ضرورت ہے جس سے وہ اپنی جنس کی بات کو سمجھے اور اس سے اپنی خط وکتابت کا سلسلہ جاری وساری رکھے خواہ وہ اسی ملک میں ہو یا بیرون ملک یا دوسرے شہروں میں ہو اور علوم سلف کو اس کے لیے محفوظ کیا جائے تاکہ خلف (بعد میں آنے والے)اس سے مستفید ہوں اور ان چیزوں کو محفوظ کیا جائے جو تاریخی ہیں،جو پہلے ہو چکی ہیں۔(تفسیر المراغی:377/9)(4)**البیـــان** سے مراد نطق،کتابت،خط اور کلام کو سمجھنا اور سمجھانا ہے۔یعنی یہ امر واضح ہو جائے کہ متکلم کیا کہنا چاہتا ہے اور اسے کیا کہا جا رہا ہے۔یہ قول ابوالعالیہ،مرۃ،حسن اور السدی کا ہے۔(تفسیر وسیط:217/4)(5)سیدنا قتادہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں فرماتے ہیں''**علـمه البيان** ''اللہ تعالیٰ نے دنیا وآخرت کا بیان حلال وحرام کے درمیان سکھایا تاکہ مخلوق کے خلاف اس کو حجت بنایا جائے۔(تفسیر جامع البیان الطبری:120/27)(6)سیدنا قتادہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان''علمہ البیان'' کے بارے میں فرماتے ہیں:اور اللہ تعالیٰ نے خیر وشر کو واضح کر دیا جس کا ارتکاب کیا جاتا ہے اور جس سے اجتناب کیا جاتا ہے۔(تفسیر جامع البیان الطبری:121/27)(7)''**علـمه البيان**'' ابن زید کا قول ہے بیان سے مراد کلام ہے (اس کو کلام کرنا سکھایا)۔(تفسیر جامع البیان:121/27)(8)اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں جو صحیح اور درست قول ہے وہ یہ ہے کہ اس کا معنی اور مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی حاجت وضرورت کا بیان کرنا سکھایا خواہ وہ امور دنیا سے تعلق رکھتی ہو یا آخرت کے امور سے یا وہ حلال سے تعلق رکھتی ہو یا حرام سے،خواہ اقتصاد ومعیشت کے متعلق ہو یا بولنے کے گویا انسان کی ہر حاجت وضرورت جو بھی اس کو پیش آسکتی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی چیز سے خاص نہیں کیا۔کہ اس نے بعض چیزوں کی تعلیم

دے دی اور بعض کو خیر باد کہہ دیا بلکہ اسے عام رکھا ہے۔فرمایا:''**علمه البیان**''(تفسیر جامع البیان:121/27)

﴿ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ(5) ﴾

''سورج اور چاند ایک حساب سے ہیں''(5)

سوال:﴿ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ﴾''سورج اور چاند ایک حساب سے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)سورج اور چاند ایک حساب سے ہیں''یعنی سورج اور چاند متعین کردہ برجوں میں رواں دواں رہتے ہیں اور بندوں کی مصلحت کی خاطر اپنی منازل میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کے مقررہ نظام کے تحت رواں دواں رہتے ہیں اور اس سے تجاوز نہیں کرتے۔(صفوۃ التفاسیر:276/3)(2)﴿ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ط وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴾''نہ ہی سورج کے لائق ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ ہی رات دن سے پہلے آنے والی ہے اور سب ایک ایک مدار میں تیر رہے ہیں۔''(یٰسین:40)(3)ایک خاص حساب اور باضابطہ نظام ہے جس میں یہ دونوں عظیم الشان سیارے جکڑے ہوئے ہیں چنانچہ ایک خاص وقت میں طلوع اور غروب ہوتے ہیں۔ایک معین راستہ پر چلتے ہیں۔اسی وجہ سے انسان اس قابل ہوا ہے کہ وقتوں،دنوں،تاریخوں اور موسموں کا حساب رکھ سکے۔(ابن کثیر)(4)﴿ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ج وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ط ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴾''وہ صبح کو پھاڑ نکالنے والا ہے اور اس نے رات کو سکون کا باعث بنایا اور سورج اور چاند کو حساب کا ذریعہ بنایا ہے،یہ سب پر غالب،سب کچھ جاننے والے کا اندازہ ہے۔''(الانعام:96)

﴿ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ (6) ﴾

''اور بے تنے کے پودے اور درخت سجدہ کر رہے ہیں''(6)

سوال:﴿ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ﴾''اور بے تنے کے پودے اور درخت سجدہ کر رہے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اور بے تنے کے پودے اور درخت سجدہ کر رہے ہیں''یعنی ستارے اور درخت دونوں ہی اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں۔ستارے مختلف ابراج میں منتقل ہونے اور درخت پھل دینے میں حکم الٰہی کے پابند ہیں۔(صفوۃ التفاسیر:276/3)(2)مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:ان کے سجدہ کرنے سے مراد تذلل اور فرمانبرداری ہے۔(تفسیر الثعالبی:346/5)(3)**یسجدان** سے مراد ان کے سائے کا سجدہ ہے۔جیسا کہ فرمایا:﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴾ اور کیا وہ دیکھتے نہیں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے ان کے

سائے اللہ تعالیٰ کوسجدہ کرتے ہوئے دائیں بائیں ڈھلتے ہیں اس حال میں کہ وہ سب عاجزی کرنے والے ہیں۔(النحل:48)﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ط وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ط وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ط اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کوسجدہ کرتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے لوگ بھی ،اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جن پر عذاب ثابت ہو چکا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ ذلیل کر دیتا ہے اسے پھر کوئی عزت دینے والا نہیں یقیناً اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔(الحج:18)(الوسیط:218/14) (4) آسمان کے ستارے اور زمین کے درخت سب اپنے رب کو پہچانتے ہیں،اس کوسجدہ کرتے ہیں،اس کی اطاعت کرتے ہیں،اس کے سامنے سرنگوں ہوتے ہیں اور اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے مصالح اور منافع کے لیے ان کومسخر کر رکھا ہے۔(تفسیر سعدی:2669/3) (5) سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے جب سورج غروب ہوا تو ان سے پوچھا کہ تم کو معلوم ہے کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے؟ میں نے عرض کی اللہ اور اس کے رسول کو ہی علم ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: یہ جاتا ہے اور عرش کے نیچے پہنچ کر پہلے سجدہ کرتا ہے پھر (دوبارہ آنے کی) اجازت چاہتا ہے اور اسے اجازت دی جاتی ہے اور وہ دن بھی قریب ہے جب یہ سجدہ کرے گا تو اس کا سجدہ قبول نہ ہوگا اور اجازت چاہے گا لیکن اجازت نہ ملے گی بلکہ اس سے کہا جائے گا کہ جہاں سے آیا تھا وہیں واپس چلا جا چنانچہ اس دن وہ مغرب ہی سے نکلے گا۔(صحیح بخاری:3199) (6) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کی مطیع اور فرمانبردار ہیں لہٰذا تم بے دین لوگوں کی طرح ستاروں اور درختوں کی عبادت نہ کرو۔(قرطبی:114/9)

﴿وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ﴿7﴾﴾

''اور آسمان کو اُس نے بلند کیا اور میزان قائم کر دی''۔(7)

سوال:﴿وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ﴾ ''اور آسمان کو اُس نے بلند کیا اور میزان قائم کر دی'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا﴾ '' اور آسمان کو اس نے بلند کیا''یعنی زمین والوں کے لیے آسمان کو بلند کیا۔(2)﴿وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ﴾'' اور میزان قائم کر دی''لفظ میزان کی تفسیر اس آیت میں سیدنا قتادہ،مجاہد،سدی وغیرہ نے عدل سے کی ہے کیونکہ میزان کا اصل مقصد عدل ہی ہے ،اور بعض حضرات مفسرین نے یہاں میزان کو اپنے معروف معنی میں لیا ہے اور حاصل اس کا بھی وہی ہے کہ حقوق میں عدل وانصاف سے کام لیا جائے۔اور میزان کے معنی میں ہر وہ آلہ داخل ہے جس سے کسی چیز کی مقدار معین کی جائے خواہ وہ کوئی دو پلڑے والی ترازو ہو یا کوئی جدید آلہ پیمائش۔(معارف القرآن:245/8) (3) امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان

سمیت ہر شے کو عدل کے ساتھ پیدا کیا ہے۔(الاساس فی التفسیر:5647/10)(4)اور اللہ تعالیٰ نے ترازو وضع کیا، یعنی بندوں کے درمیان اقوال وافعال میں عدل جاری کیا۔اس سے مراد صرف معروف میزان ہی نہیں بلکہ وہ معروف میزان، ناپ تول جس کے ذریعے سے اشیاء اور دیگر مقداروں کو ناپا جاتا ہے، دیگر پیمانے جن کے ذریعے سے مجہولات کو منضبط کیا جاتا ہے اور اس میں وہ حقائق بھی داخل ہیں جن کے ذریعے سے مخلوقات میں فرق کیا جاتا ہے اور ان کے ذریعے سے ان کے درمیان عدل قائم کیا جاتا ہے۔(تفسیر سعدی:2669/3)(5)رب العزت نے فرمایا:﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ج وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ط اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴾ ’’بلاشبہ یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلیلوں کے ساتھ بھیجا۔اور اُن کے ساتھ ہم نے کتاب اور میزان بھی نازل کی تاکہ لوگ انصاف قائم کریں اور ہم نے لوہا اُتارا جس میں سخت لڑائی کا (سامان) اور لوگوں کے لیے فوائد ہیں اور تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ کون بن دیکھے اُس کی اور اُس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے؟ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا، سب پر غالب ہے‘‘۔(الحدید:25)(6)اس آیت میں میزان سے اکثر مفسرین نے میزان عدل مراد لی ہے جس کے سہارے یہ زمین وآسمان قائم ہیں۔اس صورت میں ان کے عدل سے مراد وہ توازن وتناسب ہے۔جو ہر سیارے میں قوت جاذبہ یعنی کشش ثقل اور مرکز گریز قوت کے درمیان رکھ دیا گیا ہے۔علاوہ ازیں ہر سیارے کا درمیانی فاصلہ، ان کی رفتار اور ان میں باہمی تعلق بھی شامل ہے اور یہ اتنا لطیف اور خفیف تعلق ہے جو انسان کی سمجھ سے باہر ہے اور اس توازن وتناسب کو میزان کے لفظ سے اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ انسان کو سمجھانے کے لیے اس لفظ کے مفہوم کے قریب تر کوئی لفظ نہ تھا۔(تیسیر القرآن:346/4)

﴿ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ (8) ﴾

’’کہ تم ناپ تول میں حد سے تجاوز نہ کرو‘‘۔(8)

سوال:﴿اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ﴾ ’’کہ تم ناپ تول میں حد سے تجاوز نہ کرو‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اَلَّا تَطْغَوْا﴾ ’’کہ تم حد سے تجاوز نہ کرو‘‘، یعنی انصاف سے تجاوز نہ کرو۔(تفسیر بیضاوی:273/5)(2)﴿اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ﴾ پہلی آیت میں جو میزان پیدا کرنے کا ذکر تھا اس جملے میں اس کے مقصد کو واضح کیا گیا ہے۔تطغوا طغیان سے مشتق ہے جس کے معنی بے انصافی اور ظلم کے ہیں۔مراد یہ ہے کہ میزان کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے بنایا کہ تم وزن میں کمی بیشی کر کے ظلم وجور میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔(تفسیر معارف القرآن: 8 / 245)(3)یعنی اللہ تعالیٰ نے میزان نازل فرمائی تاکہ تم حقوق اور دیگر معاملات میں حد سے تجاوز نہ کرو۔اگر معاملہ تمھاری عقل اور آراء کی طرف لوٹتا تو ایسا خلل واقع ہوتا جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور آسمان، زمین اور ان کے رہنے والے فساد کا شکار ہو جاتے۔(تفسیر سعدی:2669/3)(4)اللہ تعالیٰ نے دنیا حق واعتدال پر پیدا کی ہے تاکہ تمام چیزیں اعتدال پر آجائیں۔(مختصر ابن

کثیر:1972/2)

﴿وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ﴾ (9)

''اورانصاف کے ساتھ وزن قائم کرواورناپ تول میں گھاٹا نہ دو''۔(9)

سوال1:﴿وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ﴾ ''اورانصاف کے ساتھ وزن قائم کرواورناپ تول میں گھاٹا نہ دو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ﴾ ''اورانصاف کے ساتھ وزن قائم کرو''یعنی عدل قائم کرو۔(2)یعنی جہاں تک تمھاری قدرت،طاقت اورتمھارے امکان میں ہے،وزن کوانصاف کے ساتھ قائم رکھو۔(تفسیر سعدی:2669/3)(3)امام قتادہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:اے ابن آدم عدل کر!جس طرح تجھے پسند ہے کہ تیرے ساتھ عدل کیا جائے اور پوراپورادے جس طرح تجھے پسند ہے کہ تجھے پوراپورادیا جائے بے شک عدل کرنے میں لوگوں کی اصلاح ہے۔(تفسیر منیر:215/14)(4)سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کودیکھا جو جھکے ہوئے ترازو کے ساتھ وزن کم کرتا انہوں نے اسے فرمایا:ترازو کے دستے کوسیدھا کر کے وزن کرجس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے :"واقیموا الوزن بالقسط" (تفسیر الدرالمنثور:191/6)(5)﴿وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ﴾ ''اورناپ تول میں گھاٹا نہ دو''یعنی وزن میں کمی بیشی نہ کرو۔رب العزت نے فرمایا:﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ط ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾ اورجب ماپ کروتوپوراپوراماپ کرواورسیدھی ترازو سے تولاکرو یہی بہتر ہےاورانجام کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہے۔(بنی اسرائیل:35)(6)یعنی اسے کم نہ کروکہ اس کی ضد پر عمل کرنے لگو،اس سے مراد ظلم وجوراورسرکشی ہے۔(تفسیر سعدی:2669,2670/3)

سوال2:تول میں کمی نہ کرنے کا حکم کیوں دیا گیا؟

جواب:(1)تول میں کمی سے ہی بے انصافی کا آغاز ہوتا ہے۔(2)تول میں کمی کی وجہ سے معاشی معاملات خراب ہوتے ہیں۔(3)تول میں کمی کی وجہ سے زمین میں فساد پھیلتا ہے۔

﴿وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ﴾ (10)

''اورزمین کواُس نے مخلوق کے لیے بچھادیا''(10)

سوال1:﴿وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ﴾''اورزمین کواُس نے مخلوق کے لیے بچھادیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا﴾ ''اورزمین کواُس نے بچھادیا''یعنی خالق نے جیسے آسمان بلند کیے ایسے ہی زمین بچھادی اوراس میں

سر بفلک پہاڑوں کی میخیں ٹھونک دیں تاکہ جاندار چل سکیں اور راحت سے زندگی بسر کرسکیں پھر انسان بھی مختلف شکل و رنگ والے، مختلف زبانوں والے زمین کے تمام گوشوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔(مختصر ابن کثیر:1972/2)(2) یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کو اس کی کثافتوں، اس کے استقرار اور اس کے اوصاف و احوال سمیت بنایا۔(3)﴿ لِلۡاَنَامِ ﴾ ''مخلوق کے لیے'' تاکہ وہ زمین کو ٹھکانہ بنائے، زمین ان کے لیے ہموار فرش کا کام دے، یہ اس پر عمارتیں تعمیر کریں، زمین پر کھیتی باڑی کریں، باغات لگائیں، کنویں کھودیں، اس کے راستوں پر چلیں، اس کی معدنیات اور ان تمام چیزوں سے فائدہ اٹھائیں جن کی انھیں حاجت اور ضرورت ہو۔(تفسیر سعدی:2670/3)(4) انام سے مراد ہر وہ جاندار مخلوق ہے جو روئے زمین پر پائی جاتی ہے۔ خواہ وہ چرند ہوں، یا پرند، مویشی ہوں یا درندے، انسان ہوں یا جن اور انام سے مراد انسان اور جن لینا اس لحاظ سے زیادہ مناسب ہے کہ آگے انہیں دو انواع کا ذکر آ رہا ہے۔(تیسیر القرآن:346/4)

سوال2: مخلوقات کے لئے زمین بچھانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے کہ زمین کو مخلوق کے کام میں لگا دیا ہے۔ زمین اللہ تعالیٰ کے حکم سے مخلوق کی خدمت میں مصروف ہے، کمی نہیں کرتی۔

﴿فِيۡهَا فَاكِهَةٌ ۙ وَّالنَّخۡلُ ذَاتُ الۡاَكۡمَامِ (11)﴾

''اس میں پھل ہیں اور کھجور کے درخت غلافوں والے (خوشوں پر) ہیں''۔(11)

سوال1: ﴿فِيۡهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخۡلُ ذَاتُ الۡاَكۡمَامِ﴾ ''اس میں پھل ہیں اور کھجور کے درخت غلافوں والے (خوشوں پر) ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿فِيۡهَا فَاكِهَةٌ ﴾ ''اس میں پھل ہیں'' یعنی زمین سے مختلف قسم کے رنگوں، ذائقوں اور خوشبوؤں والے پھل پیدا کر دیے ہیں۔(2) ﴿وَّالنَّخۡلُ﴾ ''اور کھجور کے درخت'' یعنی خوشے والی کھجوریں بھی۔ کھجور کو خاص طور پر اس لیے بیان کیا گیا کہ اسے پھلوں پر یک گونہ فوقیت حاصل ہے اس سے لوگ، لگنے کے بعد سے خشک ہونے تک فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں۔(مختصر ابن کثیر:1972/2)(3)﴿ ذَاتُ الۡاَكۡمَامِ﴾ ''غلافوں والے (خوشوں پر) ہیں'' اکمام وہ غلاف ہیں جن میں کھجور کا خوشہ پھوٹنے کے وقت چھپا ہوتا ہے۔(احسن التفاسیر:66/7)
(4) یعنی غلاف والی کھجوریں جو گچھے سے پھوٹتی ہیں جو تھوڑی تھوڑی کر کے نکلتی ہیں یہاں تک کہ مکمل ہو جاتی ہیں، تب وہ خوراک بن جاتی ہیں جس کو کھایا جاتا ہے، اس کو ذخیرہ کیا جاتا ہے، مقیم اور مسافر اس کو توشہ بناتے ہیں۔ کھجور بہترین پھلوں میں سے نہایت لذیذ پھل ہے۔(تفسیر سعدی:2670/3)

سوال2: پھل اور کھجوریں اللہ تعالیٰ کی رحمت ہیں، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: پھل انسان کی خوراک کا بہترین حصہ ہیں۔ان میں مزہ،حُسن ،خوشبواورقوت ہے۔اللہ تعالیٰ نے اتنی خصوصیات کو پیدا کر کے انسان پر رحمت کی ہے۔

﴿وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ﴿۱۲﴾﴾

''اور بھوسے والا اناج ہےاور خوشبودار پھول ہیں''(12)

سوال:﴿وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ﴾ ''اور بھوسے والا اناج ہےاور خوشبودار پھول ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَالْحَبُّ ﴾ ''اوراناج ہے''یعنی اناج اوردانے جوانسان کی خوراک بنتے ہیں۔(2)﴿ذُو الْعَصْفِ﴾ ''اور بھوسے والا''یعنی جانوروں کے بھوسے کے لیے اس سے فائدہ اٹھایا جا تا ہے۔اس میں گیہوں،چاول،مکئی،جو،چناوغیرہ شامل ہیں ۔(3)﴿وَالرَّيْحَانُ﴾ ''اورخوشبودار پھول ہیں''اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے رزق کی تمام اقسام مراد ہوں جس کو آدمی کھاتے ہیں۔تب یہ خاص طور پرعطف عام کے باب میں شمار ہوگا اوراس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کوعمومی اورخصوصی خوراک اور رزق سے نوازا ہے۔یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مرادمعروف ریحان ہو۔اللہ تعالیٰ نے مختلف انواع کی خوش کن اورفاخرہ خوشبوؤں کوزمین میں سے مہیا کر کے،ان سے اپنے بندوں کونوازا ہے جوروح کومسرت عطا کرتی ہیں اوران سےنفوس میں انشراح پیدا ہوتا ہے۔(تفسیرسعدی: 2670/3)

﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿13﴾﴾

''تواے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کوجھٹلاؤ گے؟''(13)

سوال1:﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ ''تواے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کوجھٹلاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''تواے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کوجھٹلاؤ گے''قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ ''فبای آلاء ربکما تکذبان'' میں جنوں اورانسانوں دونوں مخلوقات کوخطاب ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی کس کس نعمت کوجھٹلاؤ گے۔(تفسیر جامع البیان:130/27)
(2) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے پاس آئے اوران کے سامنے سورت الرحمٰن پڑھنا شروع سے آخر تک پڑھی۔لوگ (سن کر) چپ رہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: میں نے یہ سورت اپنی جنوں سے ملاقات والی رات میں جنوں کو پڑھ کر سنائی تو انہوں نے مجھے تمہارے مقابلے میں اچھا جواب دیا۔جب بھی میں پڑھتا﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ تو وہ کہتے:''لَابِشَیْءٍ مِّنْ

نِعَمِکَ رَبَّنَا نُکَذِّبُ فَلَکَ الْحَمْدُ" اے ہمارے رب تیری نعمتوں میں سے کسی نعمت کا بھی انکار نہیں کرتے، تیرے ہی لیے ساری تعریفیں ہیں۔ (ترمذی:3291) (3) ﴿اٰلَآءِ رَبِّکُمَا﴾ "اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو" آلاء سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو انسان کی ضرورت مہیا کرتی ہیں اور پے در پے آتی رہتی ہیں اور اسے زندگی بسر کرنے کے لیے کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہوتی۔ (فقہ اللغہ) اور یہ لفظ بالعموم جمع ہی استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسی نعمت ایک تو ہے نہیں لہٰذا ہمیشہ ﴿آلاء﴾ آتا ہے۔ اور یہ آیت اس سورۃ میں اکتیس مرتبہ دہرائی گئی ہے۔ کہیں آلاء کا لفظ عظیم الشان نعمتوں کے معنوں میں اور کہیں قدرت کی نشانیوں کے معنوں میں اور کہیں بیک وقت دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ (تفسیر تیسیر القرآن:4/347) (4) ﴿تُکَذِّبٰنِ﴾ "تم دونوں جھٹلاؤ گے" تکذیب نعم سے مراد اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا ہے کیونکہ عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ان کے کفر پر دلالت کرتا ہے۔ نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے اور شکریہ ادا کرنا عبادت الٰہی ہے۔ (تفسیر المراغی:9/380) (5) اللہ تعالیٰ نے یہ سوال شہادت قائم کرنے کے لئے کیا ہے ورنہ کوئی جن اور انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو جھٹلا نہیں سکتا۔ (6) اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں گنوا کر پوچھا ہے کیونکہ اس نے مسلسل احسانات کئے ہیں: کیا تمہیں میری فلاں نعمت یاد نہیں؟ کیا تم اس نعمت کا بھی انکار کرتے ہو؟ (7) یہ آیت اس سورۃ میں اکتیس بار آئی ہے۔ اسے سن کر "لابشیء من نعمک ربنا نکذب ولک الحمد" کہنا مستحب ہے۔ (ابن کثیر)

﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ (14)﴾

اُس نے انسان کو کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا جو ٹھیکری جیسی تھی۔ (14)

سوال1: ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ﴾ "اُس نے انسان کو کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا جو ٹھیکری جیسی تھی" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) "اُس نے انسان کو کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا جو ٹھیکری جیسی تھی" بڑے جہان زمین و آسمان کو پیدا کرنے اور بنی آدم پر اپنی نعمتیں گنوانے کے بعد اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کی توضیح کر رہے ہیں۔ ان نعمتوں میں سے عظیم الشان نعمت تخلیق جن و انس ہے۔ اس طرح مشرق و مغرب سمندر اور اس میں موجود موتیوں اور زمین میں موجود پہاڑوں کی تخلیق بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں جو اس کی قدرت و وحدت پر دلالت کرتی ہیں۔ (تفسیر منیر:14/218) (2) یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر نعمت ہے کہ اس نے انھیں اپنی قدرت اور کاریگری کے آثار دکھائے کہ ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ﴾ انسان کے جد امجد سیدنا آدم علیہ السلام کو گیلی مٹی سے پیدا کیا، جس کے نم کو مہارت کے ساتھ محکم کیا گیا تھا یہاں تک کہ وہ خشک ہوگئی اور اس میں آگ پر پکائے گئے ٹھیکرے کی آواز کے مانند کھنکھنانے کی آواز پیدا ہوگئی۔ (تفسیر سعدی:3/2671) (3) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فرشتے نور سے، جنات آگ سے اور انسان اس مٹی

سے پیدا کیے گئے ہیں جس کا ذکر تمہارے سامنے ہو چکا ہے۔''(مسند احمد:25248)(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ﴾ اور ہم نے انسان کو بدبودار کیچڑ سے بجنے والی مٹی سے پیدا کیا۔(الحجر:26)(5) امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ ''من صلصال کالفخار'' ''ٹھیکری کی مانند آواز دینے والی مٹی سے'' اوران آیات مبارکہ ''من حمأ مسنون'' سڑے ہوئے گارے سے ''من طین لازب'' ''لیس دار مٹی سے''من تراب'' ''مٹی سے'' کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ ان سب کا ایک ہی معنی ہے وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے مٹی سے پیدا کیا پھر اس مٹی کو لیس دار بنایا پھر اسے سڑے ہوئے گارے کی مانند بنایا پھر اسے آواز دینے والے ٹھیکری کی مانند تیار کر دیا۔(الاساس فی التفسیر:5650/10)

سوال2: اللہ تعالیٰ نے کس انسان کو ٹھیکری کی طرح کھنکھنانے والی خشک مٹی سے پیدا کیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا۔ پہلے ان کا پُتلا مٹی سے بنایا، پھر اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی روح پھونکی۔

سوال3: سیدنا آدم علیہ السلام کے بعد باقی انسان کیسے وجود میں آئے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے سیدہ حوا علیہا السلام کو پیدا کیا۔ پھر ان دونوں سے انسانی نسل چلائی۔

﴿وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِن مَّارِجٍ مِّن نَّارٍ (15)﴾

''اور اُس نے جن کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔''(15)

سوال: ﴿وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِن مَّارِجٍ مِّن نَّارٍ﴾ ''اور اس نے جن کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَخَلَقَ الْجَآنَّ﴾ ''اور اس نے جن کو پیدا کیا'' اور جنات کے باپ ابلیس کو۔(2) ﴿مِن مَّارِجٍ مِّن نَّارٍ﴾ ''آگ کے شعلے سے'' آگ کے صاف شعلے سے یعنی لکڑی اور کوئلے سے پیدا ہونے والی عام آگ سے نہیں بلکہ گرم تر لطیف حصے سے بنایا گیا۔(3) یہ آیت کریمہ انسان کے شرف پر دلالت کرتی ہے جسے مٹی سے پیدا کیا گیا جس میں وقار،، بوجھ اور منافع کا مقام ہے جب کہ آگ میں طیش، شر اور فساد کا مقام ہے۔

﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ (16)﴾

''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''؟(16)

سوال1: ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''تواے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کوجھٹلاؤ گے''اللہ تعالیٰ ان الفاظ''فبای آلاء ربکما تکذبان'' کوتاکید کرنے،دلوں کو بیدار کرنے،اورنفوس کومتحرک کرنے کے لیےمکرر لاتے ہیں اور یہ طریقہ بلاغت میں عام استعمال ہوتا ہے۔کلام عرب حدیث نبوی ﷺ اور کتاب اللہ میں متعدد مقامات پراس کی مثالیں موجود ہیں۔بعض اہل علم کی رائے کے مطابق مذکورہ تکرار اس لیے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کی نعمتوں کا تذکرہ کیا ہے،اوران نعمتوں میں سے ہرنعمت کوذکر کرنے کے بعد یہ الفاظ لائے ہیں اور یہی قول بہتر ہے۔(المحرر الوجیز:226/5)(2)حسین بن فضیل فرماتے ہیں یہ تکرار تاکید کرنے اورغفلت دور کرنے کے لیے ہے۔(تفسیر الثعالبی:349/5)

سوال2:اللہ تعالیٰ نے یہاں انسانوں اورجنوں سے کس نعمت کے جھٹلانے کا سوال کیا ہے؟

جواب:پیدائش نعمت ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسانوں اورجنوں سے اُن کی پیدائش کے بارے میں سوال کیا ہے کہ کس کس نعمت کوجھٹلاؤ گے۔

﴿رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ (17)﴾

''دونوں مشرقوں کا وہی رب ہےاوردونوں مغربوں کا وہی رب ہے''(17)

سوال:﴿رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ﴾''دونوں مشرقوں کا وہی رب ہےاوردونوں مغربوں کا وہی رب ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿رب المشرقین﴾''دومشرقوں کا ربّ''دومشرقوں سے مراد سردی اورگرمی دونوں موسموں میں سورج طلوع ہونے کی جگہ ہے۔(تفسیر جامع البیان:134/27)(2)﴿رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ہراس چیز کا رب ہے جس پرسورج،چانداورروشن ستارے طلوع اورغروب ہوتے ہیں اوروہ سب کچھ جس کے اندر چاندسورج ہیں تووہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اوراس کے دست تدبیر کے تحت ہیں۔اللہ تعالیٰ نے یہاں مشرق اورمغرب کوسورج کے گرمیوں اورسردیوں کے مقامات طلوع وغروب کے مختلف ہونے کے اعتبار سے تثنیہ ذکر کیا ہے۔واللہ اعلم۔(تفسیر سعدی:2671/3)(3)حسین بن فضیل فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مشرقین اورمغربین کوخصوصاً اس لیے بیان کیا کیونکہ یہ دونوں تمام مخلوقات سے عظیم مخلوق ہیں۔(تفسیر الثعالبی:349/5)

﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (18)﴾

''اے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کوجھٹلاؤ گے؟''(18)

سوال1:﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾''اے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کوجھٹلاؤ گے'' کی وضاحت

کریں؟

جواب:''اے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کوجھٹلاؤ گے''''لَا بِشَـيْءٍ مِّـنْ نِـعَـمِکَ رَبَّـنَـا نُـكَـذِّبُ فَـلَـکَ الْحَمْدُ''اے ہمارے رب!ہم تیری کسی نعمت کونہیں جھٹلاتے چنانچہ توہی ہرقسم کی حمدوثنا کا مستحق ہے۔(ترمذی:3291)

سوال2:اللہ تعالیٰ نے یہاں کس نعمت کے جھٹلانے کی بات کی ہے؟

جواب:اللہ تعالیٰ نے یہاں مشرق ومغرب کی وجہ سے وجود میں آنے والے دنوں اور موسموں اور دیگر مصلحتوں کونعمت قرار دیا ہے اوران کے بارے میں سوال کیا ہے کہ تم کس کس نعمت کوجھٹلاؤ گے؟

﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ (19)﴾

''دوسمندروں کواُس نے ملادیا، جوایسے باہم مل جاتے ہیں۔(19)

سوال1:﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ﴾''دوسمندروں کواُس نے ملادیا، جوایسے باہم مل جاتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''دوسمندروں کواُس نے ملادیا، جوایسے باہم مل جاتے ہیں''اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نظارہ ہے دو دریا مل کر بہہ رہے ہیں لیکن عجیب بات ہے دونوں کا پانی آپس میں نہیں ملتا۔(2)''بحرین ''سے مراد میٹھے پانی کا سمندر ہے اور نمکین پانی کا سمندر ہے جو آپس میں مل جاتے ہیں۔(3)اس سے مراد دو الگ الگ دریا ہیں جیسے میٹھے پانی کے دریا جن سے فصلیں اُگتی ہیں،کھیتیاں سیراب ہوتی ہیں اور انسان پینے اور دیگر ضروریات کے لئے استعمال کرتا ہے۔دوسری قسم سمندروں کا پانی ہے جو کھارا ہے جس کے اپنے فوائد ہیں۔یہ دونوں آپس میں نہیں ملتے۔

سوال2:مرج سے مراد کیسے ملنا ہے؟

جواب:مرج کا مطلب ہے دو چیزوں کا آپس میں اس طرح ملنا کہ ان کی انفرادی حیثیت برقرار رہے۔

﴿بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ (20)﴾

''کہ اُن دونوں کے درمیان پردہ ہے کہ وہ آگے نہیں بڑھتے۔''(20)

سوال1:﴿بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ﴾''کہ اُن دونوں کے درمیان پردہ ہے کہ وہ آگے نہیں بڑھتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اُن دونوں کے درمیان پردہ ہے کہ وہ آگے نہیں بڑھتے''دونوں کے درمیان ایک ایسا پردہ حائل ہے جس کی وجہ سے دونوں دریا اپنی حد میں رہتے ہیں۔(2) دریا کا میٹھا پانی نمکین سمندر میں گرتا ہے پھر دونوں قسم کے پانی ایک دوسرے کے ساتھ مل جاتے

ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے درمیان زمین کو ایک رکاوٹ بنا رکھا ہے، ایک پانی دوسرے پانی پر سرکشی نہیں کرتا اور یوں دونوں پانیوں کی منفعت حاصل ہوتی ہے۔ لوگ میٹھے پانی کو خود پیتے ہیں اور اس سے اپنے باغات اور کھیتی باڑی کو سیراب کرتے ہیں، کھاری پانی فضا کو پاک صاف کرتا ہے، اس میں وہیل، مچھلیاں، موتی اور گھونگے پیدا ہوتے ہیں اور یہ کشتیوں اور دیگر بحری سواریوں کے لیے مستقر اور مسخر ہوتا ہے۔
(تفسیر سعدی:2672/3)

سوال 2: دو دریاؤں کے آپس میں نہ ملنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اس سے مراد سمندروں میں ہی میٹھے پانیوں کے دریاؤں کا بہنا ہے۔ کھارا اور میٹھا پانی ایک جگہ موجود رہتا ہے لیکن آپس میں نہیں ملتا۔ (2) اس سے مراد یہ بھی ہے کہ بسا اوقات کھارے پانیوں کے نیچے میٹھے پانیوں کے چشمے ہوتے ہیں اور وہ آپس میں نہیں ملتے۔ (3) اس سے یہ بھی مراد ہے کہ جن مقامات پر دریاؤں کا پانی سمندروں میں گرتا ہے تو کھارا اور میٹھا پانی میلوں تک ساتھ چلتا ہے وسیع و عریض سمندر میں یہ نہیں ملتا۔

سوال 3: کھارے اور میٹھے پانیوں کے نہ ملنے کا کیا سبب بتایا گیا ہے؟

جواب: ربّ العزت نے فرمایا کہ ان دونوں میں آڑ ہے جس کی وجہ سے وہ حد سے تجاوز نہیں کرتے۔ میٹھا اپنی جگہ اور کھارا اپنی جگہ رہتا ہے۔

﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (21)﴾

''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''؟ (21)

سوال: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے کھارے اور میٹھے پانیوں کے الگ الگ فوائد انسانوں کو پہنچائے ہیں۔ یقیناً یہ ایسے انعامات ہیں جن کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

﴿يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ (22)﴾

''اُن دونوں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں''۔ (22)

سوال: ﴿يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ﴾ ''اُن دونوں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اُن دونوں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں''یعنی دونوں دریاؤں سے مونگے اور موتی نکلتے ہیں جب کسی ایک میں سے نکلتے

ہیں تو کہنا درست ہوگا کہ مجموعہ میں سے برآمد ہوئے۔(2)موتی اور مونگے کھارے پانی میں پائے جاتے ہیں موتی تو مشہور اور معروف ہے اور مرجان چھوٹا موتی یا بڑا عمدہ آب دار موتی یا سرخ جواہر یا سرخ مہرہ ہے۔ (مختصرابن کثیر:1974/2)(3)مرجان دراصل جمادات اور نباتات کے درمیان برزخی پیدائش ہے۔جس طرح سب موتی پتھروں ہی کی قسم ہوتے ہیں، مرجان بھی پتھر ہی کی قسم ہے لیکن یہ نباتات کی طرح بڑھتا ہے جمادات کی طرح جامد نہیں۔مرجان کا ایک چھوٹا سا پودا ہوتا ہے جس کی شاخیں بھی ہوتی ہیں۔موتی اور مرجان عموماً کھاری پانی کی پیداوار ہے مگر اسی کھاری پانی کے نیچے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے میٹھے پانی کے چشمے بھی ابل رہے ہوتے ہیں۔یا ساتھ ساتھ دریا رواں ہوتے ہیں۔اسی لیے منھما کا لفظ ارشاد فرمایا یعنی یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے حیرت انگیز تخلیقی کارناموں کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہیں جن سے انسان فائدہ اٹھا رہا ہے۔(تیسیر القرآن:348/4)

﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (23)﴾

''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''(23)

سوال:﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''موتی اور مونگے اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں کیونکہ یہ زیب وزینت اور خوبصورتی کا اظہار کرتے ہیں۔ان کو حُسن اور خوب صورتی میں اضافے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے موتی اور مونگوں کی نعمت کا ذکر کر کے سوال کیا ہے کہ یہ بتاؤ اور کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے یعنی یہ سب تو تم پر رحمٰن کی رحمتیں ہیں۔

﴿وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ (24)﴾

''اور سمندر میں پہاڑوں جیسے بلند کھڑے جہاز اُسی کے ہیں''(24)

سوال:﴿وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ﴾ ''اور سمندر میں پہاڑوں جیسے بلند کھڑے جہاز اُسی کے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِی الْبَحْرِ﴾ ''اور سمندر میں کھڑے جہاز اسی کے ہیں'' ﴿الْمُنْشَئٰتُ﴾ وہ کشتیاں ہیں جن کا بادبان اٹھا دیا گیا ہو یا مخلوقات یا وہ جو نمایاں نظر آئیں۔(2)﴿كَالْاَعْلَامِ﴾ ''پہاڑوں جیسے'' اعلام یعنی پہاڑ، جہاز سمندر میں پہاڑوں کی طرح کھڑے معلوم ہوتے ہیں جو سینکڑوں من وزنی مال ادھر سے ادھر منتقل کرتے ہیں جس سے لوگوں کو بہت فائدہ پہنچتا ہے کیونکہ ان کی وجہ

سے ان کی ضروریات دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل جاتی ہیں اور ہر شخص آسانی سے اپنی ضرورتیں مہیا کر لیتا ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کے قبضہ تصرف میں ہیں۔ یہ کتنی جلیل الشان نعمت ہے۔(مختصرابن کثیر:1974/2)(3) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے سمندروں میں چلنے والی کشتیوں کو مسخر کیا جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے سمندر کے سینے کو چیرتی چلی جاتی ہیں جن کو آدمیوں نے بنایا ہے، جو اپنی عظمت کی وجہ سے بڑے بڑے پہاڑوں کے مانند دکھائی دیتی ہیں۔ لوگ ان کشتیوں پر سواری کرتے ہیں اور ان پر اپنا سامان، مال تجارت اور دیگر اشیاء لادتے ہیں جن کی وہ ضرورت اور حاجت محسوس کرتے ہیں۔ آسمانوں اور زمین کی حفاظت کرنے والی ہستی ان کشتیوں کی حفاظت کرتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی جلیل القدر نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔(تفسیر سعدی:2672/3)

﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (25)﴾

’’تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے‘‘؟(25)

سوال: ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ ’’تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)’’تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ کی جلیل القدر نعمتیں ہیں اب بتاؤ تم کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (2) عمرہ بن سوید کہتے ہیں کہ میں ساحل فرات پر علی کے ساتھ تھا۔ اتنے میں ایک بہت بڑی کشتی آئی جس کے بادبان اٹھے ہوئے یعنی کھلے ہوئے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے یہ آیت پڑھ کر فرمایا: اس کی قسم جس نے ان پہاڑوں جیسی کشتیوں کو سمندر کی موجوں میں چلایا۔(مختصرابن کثیر:1974/2)

رکوع نمبر 12

﴿کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ (26)﴾

’’جو زمین پر ہے ہر ایک چیز فانی ہے‘‘(26)

سوال1: ﴿کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ﴾ ’’جو زمین پر ہے ہر ایک چیز فانی ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)’’جو زمین پر ہے ہر ایک چیز فانی ہے‘‘ یعنی زمین کے تمام باشندے فنا ہو جائیں گے۔ آسمان والے بھی ختم ہو جائیں گے مگر جس کو اللہ تعالیٰ چاہیں تو وہ زندہ رکھیں۔(2) زمین پر ہر ذی روح ہلاک ہو جائے گا نہ اس کی روح رہے گی، نہ ذات۔(ایسر التفاسیر:1561,1562)

سوال2: ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ اس کے باوجود اس کا موجود ہونا کیا ثابت کرتا ہے؟

جواب: ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔اس کے باوجود اس کا موجود ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا غیر فانی ہے۔

﴿وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ (27)﴾

''اور آپ کے رب ہی کا چہرہ باقی رہ جائے گا جو بڑی شان والا اور عزت والا ہے'' (27)

سوال1: ﴿وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾ ''اور آپ کے رب ہی کا چہرہ باقی رہ جائے گا جو بڑی شان والا اور عزت والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ﴾ ''اور آپ کے رب ہی کا چہرہ باقی رہ جائے گا'' یعنی اللہ تعالیٰ کی زندہ جاوید ہستی وہ عزت والی ذات ہمیشہ باقی رہے گی۔(2) سیدنا شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾ پڑھو تو خاموش نہ ہو جاؤ جب تک ﴿وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾ نہ پڑھ لے۔(مختصر ابن کثیر: 1975/2) (3) رب العزت فرماتے ہیں: ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ط لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ ''ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کے چہرے کے، فیصلہ اُسی کا ہے اور تم اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔(القصص: 88) (4) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ کہا کرتے تھے: ﴿اَعُوْذُ بِعِزَّتِكَ، الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ، وَالْجِنُّ وَ الْاِنْسُ يَمُوْتُوْنَ﴾ ''تیری عزت کی پناہ مانگتا ہوں کہ کوئی معبود تیرے سوا نہیں، تیری ایسی ذات ہے جسے موت نہیں اور جن وانس فنا ہو جائیں گے''۔(بخاری: 7383) (5) ﴿يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ يَا بَدِيْعَ السَّمٰوٰاتِ وَالارضِ ، يَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ، بِرَحْمَتِكَ نَسْتَغِيْثُ ، اَصْلِحْ لَنَا شَأْنَنَا كُلَّهٗ ، وَلَا تَكِلْنَا اِلٰى اَنْفُسِنَا طَرْفَةَ عَيْنٍ ، وَلَا اِلٰى اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ﴾ ''اے ہمیشہ زندگی والے! اے کائنات کو سنبھالنے والے! اے آسمان اور زمین کو ایجاد کرنے والے اور اے جلال و عزت والے اللہ! تیرے سوا کوئی عبادت کا حق دار نہیں۔ہم تیری رحمت مانگتے ہیں ہماری پوری حالت سنوار دے، ہمیں ایک لمحے کے لیے بھی ہمارے نفسوں کے حوالے نہ کرنا اور نہ اپنی مخلوق میں سے کسی کے حوالے کرنا۔(مختصر ابن کثیر) (6) ﴿ذُو الْجَلَالِ﴾ جو عظمت اور کبریائی کی مالک ہے جو مجد اور بزرگی کی مالک ہے جس کی بنا پر اس کی تعظیم اور عزت کی جاتی ہے اور اس کے جلال کے سامنے سر تسلیم خم کیا جاتا ہے۔﴿وَالْاِكْرَامِ﴾ سے مراد بے پایاں فضل اور جود ہے جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء وخواص کو مختلف انواع واکرام کے ذریعے سے تکریم بخشتا ہے جس کی بنا پر اس کے اولیاء وخواص اس کی تکریم کرتے، اس کے جلال کا اقرار کرتے ہیں، اس کی تعظیم کرتے ہیں، اس سے محبت کرتے ہیں، اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس کی عبادت کرتے ہیں۔(تفسیر سعدی: 2673,2672/3) (7) حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ان اسماء الحسنیٰ کے ذریعہ سے دعا کیا کرو اور بعض آثار میں ہے کہ یاذالجلال و الاکرام کے ساتھ دعا قبول ہوتی ہے۔(قرطبی) (اشرف الحواشی: 635/1) (8) ربیعہ ابن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿اَلِظُّوا بِيَا ذاالجلال و الاكرام

﴾ جس کے معنی لازم پکڑنے کے ہیں مراد حدیث کی یہ ہے کہ اپنی دعاؤں میں یاذالجلال والاکرام کو یاد رکھو اور اس کے ساتھ یہ دعا کیا کرو۔(کیونکہ وہ اقرب الی القبول ہے)(ترمذی)(مظہری)

سوال2: دنیا کی ہر چیز کا خالق کیسا ہے؟

جواب: دنیا کی ہر چیز کا خالق غیر فانی ہے۔اگر ہر چیز کا خالق غیر فانی نہ ہوتا تو اشیاء کا وجود نہ ہوتا اور اگر ہوتا بھی تو اب تک مٹ چکا ہوتا۔

سوال3: اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَام ہونے کا کیسے شعور دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے فانی ہونے سے اور اپنے باقی ہونے سے اپنی عظمت کا شعور دلایا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ جو چیز فنا ہو جانے والی ہے اس کی عزت بھی ختم ہونے والی ہے۔عزت تو اُسی کے لئے ہے جو باقی رہنے والا ہے۔

﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (28)﴾

تو اے جن و انس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟(28)

سوال1: ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن و انس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''تو اے جن و انس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' چونکہ لوگوں کی موت اور قیامت کے دن انصاف کی خبر دی گئی اور موت و زندگی بعد موت ایک نعمت عظمیٰ ہے کیونکہ انصاف سے عملوں کا بدلہ موت و زندگی بعد الموت ہی کے بعد پورا پورا ملتا ہے اس لیے فرمایا کہ رب کی کس کس نعمت سے منہ موڑو گے؟(مختصر ابن کثیر:1975/2)

﴿یَسْئَلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ (29)﴾

''آسمانوں میں اور زمین میں جو بھی ہے سب اُسی سے مانگ رہا ہے۔وہ روزانہ ایک نئی شان میں ہے''۔(29)

سوال1: ﴿یَسْئَلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ﴾ ''آسمانوں میں اور زمین میں جو بھی ہے سب اُسی سے مانگ رہا ہے۔وہ روزانہ ایک نئی شان میں ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿یَسْئَلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''آسمانوں میں اور زمین میں جو بھی ہے سب اُسی سے مانگ رہا ہے'' اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں، وہ بے نیاز ہے اور ساری مخلوقات اس کی محتاج ہیں۔اس جود و کرم والے کی بے شمار نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہی ہے۔ہر کسی کے ہاتھ اپنی ضروریات کے لیے اسی کے آگے اٹھتے ہیں۔ہر کوئی اسی کے سامنے گڑگڑاتا ہے کوئی بھی لمحہ بھر اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔

(2)﴿ كُلَّ يَوۡمٍ هُوَ فِيۡ شَاۡنٍ ﴾ ''وہ روزانہ ایک نئی شان میں ہے''ایک دفعہ رسول ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی تو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے سوال کیا کہ نبی ﷺ وہ شان کیا ہے؟ فرمایا: گناہوں کا بخشنا، دکھ کو دور کرنا، کسی کو عروج دینا اور کسی کو پست کرنا۔(ابن کثیر:234)(3) مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ہر روز وہ دعائیں قبول کرتا ہے، کرب دور کرتا ہے، بے قرار کی سنتا ہے، گناہوں کو معاف کرتا ہے ۔(4) یعنی وہ محتاج کو غنی کرتا ہے۔(تفسیر سعدی:2673/3)(5) ہر وقت وہ کسی نہ کسی کام میں مصروف ہے۔ کسی کو زندگی دیتا ہے کسی کو موت دیتا ہے، کسی کو صحت دیتا ہے کسی کو بیمار کر دیتا ہے، کسی کو مال دیتا ہے کسی کو فقیر کر دیتا ہے، کسی کو بلندیوں تک لے جا رہا ہے کسی کو پستیوں میں گرا رہا ہے۔ ساری کائنات میں ہر لمحہ اُس کے کام جاری وساری ہیں۔

سوال2: ''آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں'' اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد آسمانوں اور زمین کی ساری مخلوقات ہیں۔ انسان، جن، جانور، پرندے، فرشتے اور تمام وہ مخلوقات جن کو ہم نہیں جانتے۔

سوال3: آسمان اور زمین والے اُسی سے مانگتے ہیں۔ اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد یہ ہے کہ سب اس کے محتاج ہیں۔ سب ہی اُس کے دَر کے فقیر ہیں۔

سوال4: كُلَّ يَوۡمٍ ''ہر روز'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہر وقت ہے۔

﴿ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (30) ﴾

''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟''(30)

سوال: ﴿ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یہاں نعمت سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات کا ہر وقت اپنے بندوں کے معاملات کی تدبیر میں لگے رہنا ہے۔ کہاں وہ عظیم ذات اور کہاں اُس کے فانی بندے۔ یقیناً یہ اس کی بہت بڑی نعمت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سوال کیا ہے کہ کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

﴿ سَنَفۡرُغُ لَـكُمۡ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ (31) ﴾

''اے دو بھاری گروہو! ہم جلد ہی تمہارے لئے فارغ ہوئے چاہتے ہیں''۔(31)

سوال1: ﴿سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ﴾ ''اے دو بھاری گروہو! ہم جلد ہی تمہارے لئے فارغ ہوئے چاہتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اے دو بھاری گروہو! ہم جلد ہی تمہارے لئے فارغ ہوئے چاہتے ہیں'' امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے، ہم تمہارا محاسبہ کریں گے، کیونکہ اسے کوئی چیز کسی دوسری چیز کی طرف خیال کرنے سے باز نہیں رکھ سکتی، یہ تو محاورہ کلام عرب میں مشہور ہے، کہا جاتا ہے کہ میں فارغ ہو کر تجھ سے نبٹ لوں گا، حالانکہ اسے کوئی مشغولیت نہیں ہوتی، وہ کہتا ہے کہ میں تجھے اچانک پکڑ لوں۔ (بخاری 4878:) (2) یہاں جنوں اور انسانوں کے لئے ''ثـقـلان'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں ''زمین کے دو بوجھ'' ان کی قدر و منزلت اور وقار کی وجہ سے ان کو ثـقـلان فرمایا یہ کہ دوسری مخلوق پر ان کا درجہ بھاری ہے۔ (اشرف الحواشی: 635/1) (3) یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندوں کے لیے وعید ہے۔

سوال2: جنوں اور انسانوں کو الثَّقَلٰنِ کیوں کہا گیا ہے؟

جواب: (1) جنوں اور انسانوں کو زمین کے بوجھ اس لئے کہا گیا ہے کہ ان کو شریعت کا پابند کیا گیا ہے۔ اس پابندی یا بوجھ سے دوسری مخلوق آزاد ہے۔ (2) ان کو اس لئے بھی بوجھ کہا گیا ہے کہ زندہ ہوں یا مُردہ زمین پر بوجھ ہیں۔

سوال3: فارغ ہونے سے یہاں کیا مراد ہے؟

جواب: فراغت سے مراد یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو فراغت نہیں ہے۔ یہ وعید کے لئے بولا گیا ہے۔

﴿فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (32)﴾

''تو اے جن و انس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''؟ (32)

سوال1: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن و انس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''تو اے جن و انس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' یعنی تم اپنے رب سے غافل ہو کر کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے کہ تم شکر کرو، نہ عبادت کرو، نہ تقویٰ اختیار کرو گویا کہ نہ حساب ہے اور نہ رب حساب لینے والا ہے۔

سوال2: اللہ تعالیٰ نے نعمتوں کو جھٹلانے کا سوال کس فضا میں کیا ہے؟

جواب: یہ سوال غضب اور انتقام کی فضا میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے دھمکی دی ہے کہ ہم تم سے حساب لینے کے لئے فارغ ہوئے جاتے ہیں۔ یہ بتاؤ تم اپنے ربّ کی کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

﴿يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ (33)﴾

''اے گروہِ جن وانس! اگر تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ، کسی غلبے کے سوا تم نہیں نکلو گے''(33)

سوال: ﴿يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ﴾ ''اے گروہِ جن وانس! اگر تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ، کسی غلبے کے سوا تم نہیں نکلو گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''اے گروہِ جن وانس! اگر تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل سکتے ہو'' جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو جمع کرے گا تو ان کی کمزوری اور بے بسی کو ظاہر کرنے کے لیے فرمائے گا کہ اگر تمہیں زمین اور آسمان میں کوئی راستہ، کوئی سوراخ ملتا ہے جہاں تم اللہ تعالیٰ کی بادشاہت سے بھاگ سکتے ہو تو بھاگ دیکھو۔ (2) ﴿فَانْفُذُوْا﴾ ''تو نکل جاؤ'' نفذ بمعنی آر پار نکل جانا جیسے لوہے کی سلاخ کے ایک سرے کو آگ پر گرم کیا جائے تو تھوڑی دیر بعد حرارت دوسرے سرے تک ازخود جا پہنچتی ہے۔ اور نفاذ بمعنی قوت سے کسی چیز کا اجراء ہونا، جیسے کہتے ہیں کہ اس ملک میں کل سے فلاں قانون نافذ ہو چکا ہے اور بمعنی چیز کا بسرعت داخل ہونا اور آر پار ہو جانا جیسے برقی رو آر پار نکل جاتی ہے۔ (تفسیر تیسیر القرآن: 350/4) (3) ﴿لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ﴾ ''کسی غلبے کے سوا تم نہیں نکلو گے'' سُلْطٰنٍ '' بمعنی غلبہ اور شدید قوت بھی اور اتھارٹی لیٹر یا پروانہ راہداری بھی۔ اب اگر اس آیت کا اطلاق اس مادی دنیا پر کیا جائے، تو مطلب یہ ہوگا کہ زمین وآسمان کے کناروں تک پہنچنے کے لیے انتہائی قوت کی ضرورت ہے، جیسے انسان چاند پر، جو زمین کا سب سے قریبی سیارچہ ہے، پہنچنے میں کامیاب ہوا ہے اور اس کے لیے انتہائی قوت اور بل بوتے کی ضرورت ہے۔ (تفسیر تیسیر القرآن: 350/4) (4) یعنی انسان اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کے حکم سے نہیں بھاگ سکتا اللہ تعالیٰ سب کو گھیرے ہوئے ہے اس کا فیصلہ نافذ ہو کر رہے گا۔ جدھر بھاگ کر جاؤ گے پکڑے جاؤ گے۔ میدان محشر میں ساری مخلوق کو چاروں طرف سے فرشتے گھیرے ہوئے ہوں گے۔ کوئی شخص اپنی جگہ سے ہل نہیں سکے گا اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ایک قدم نہیں اٹھا سکے گا۔ (5) رب العزت نے فرمایا: ﴿يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ (۱۰) كَلَّا لَا وَزَرَ (۱۱) اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ نِ الْمُسْتَقَرُّ (۱۲)﴾ اس دن انسان کہے گا: ''بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟'' ہرگز نہیں، کوئی پناہ کی جگہ نہیں ہے۔ اُس دن تیرے رب کے پاس ہی ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ (القیامۃ: 10,12) (6) ﴿وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ ۭ بِمِثْلِهَا لا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ج كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ اور جن لوگوں نے بُرائیاں کمائیں تو

بُرائی کا بدلہ اُس جیسا ہوگا اور اُن کو رسوائی ڈھانپے ہوگی، کوئی اُنہیں اللہ تعالیٰ سے بچانے والا نہ ہوگا، گویا اُن کے چہرے سیاہ رات کے ٹکڑوں سے ڈھانپ دیے گئے ہیں۔ یہی لوگ آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔(یونس:27)(7)اللہ تعالیٰ نے یہ بات اس لئے کی ہے کہ بُرے لوگ برائیوں سے باز آجائیں اور نیک لوگ زیادہ نیکیاں کمائیں۔

﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (34) ﴾

''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' (34)

سوال1:﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''یعنی موت کے بعد زندگی کی نعمت کو یا صالحین کی عزت واکرام کو اور فاسدوں کی اہانت کو جھٹلاؤ گے اور یہ اللہ تعالیٰ کا عدل ہے جس کے برابر دنیا کی زندگی میں نہ کوئی رحمت ہے اور نہ نعمت۔(ایسر التفاسیر:1562)

سوال2: یہاں کون سی نعمتوں کو جھٹلانے کی بات کی گئی ہے؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ نے حساب کتاب کے لئے فارغ ہونے کی دھمکی دی ہے۔ یہ نعمت ہے کیونکہ اس کی وجہ سے انسان زندگی میں سنبھلتا ہے۔(2)اللہ تعالیٰ نے انسان کو قضا سے بھاگ نہ سکنے کا شعور دلایا ہے جو نعمت ہے کیونکہ انسان خود کو بے اختیار سمجھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے آگے جھکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سوال کیا ہے: یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

﴿يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ (35)﴾

''تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑ دیا جائے گا، پھر تم مقابلہ نہ کر سکو گے'' (35)

سوال1:﴿يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ﴾ ''تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑ دیا جائے گا، پھر تم مقابلہ نہ کر سکو گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑ دیا جائے گا، پھر تم مقابلہ نہ کر سکو گے''یعنی تم پر آگ کے شعلے اور دھواں ملے شعلے چھوڑے جائیں گے جو انہیں گھیر لیں گے۔(2)سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ شواظ سے مراد وہ شعلہ ہے جس میں دھواں نہ ہو۔ سیدنا مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نحاس سے مراد پیتل ہے جو پگھلایا جائے گا اور ان کے سروں پر بہایا جائے گا۔(ابن کثیر:236)(3)شواظ: بمعنی خالص

آگ کا شعلہ جس میں دھوئیں کی آمیزش نہ ہواور اگر آمیزش ہوتو اسے نحاس کہتے ہیں۔مگراس کی بھی صورت یہ ہونی چاہیے کہ آگ زیادہ اور دھواں کم ہو۔ایسی آگ کی رنگت تانبے جیسی ہوجاتی ہےاور نحاس تانبے کو بھی کہتے ہیں۔(4)﴿فَلَا تَنْتَصِرٰنِ﴾ ''پھر تم مقابلہ نہ کر سکو گے'' پھر نہ تم خود مدد کرسکو گے اور نہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی تمہارا مددگار رہوگا۔(5) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں کا حشر تین فرقوں میں ہوگا، ایک (فرقہ میں) توامید رکھنے والے اور ڈرنے والے لوگ ہوں گے اور (دوسرا فرقہ) ان لوگوں کا ہوگا جو دو دو، تین تین، چار چار اور دس دس ایک ایک اونٹ پر سوار ہوں اور باقی لوگوں کو آگ اکٹھا کرے گی۔ جہاں وہ آرام کریں گے وہیں وہ آگ بھی ان کے ساتھ ٹھہر جائے گی اور جہاں وہ رات گزاریں گے وہیں وہ بھی ان کے ساتھ رات گزارے گی اور جہاں وہ صبح کریں گے وہیں وہ آگ بھی ان کے ساتھ صبح کرے گی اور جہاں وہ شام کریں گے وہیں وہ بھی ان کے ساتھ شام کرے گی۔(اور بالآخر ان کو میدان حشر تک پہنچا کر دم لے گی)۔'' (بخاری:6522) (6) یعنی انسان مجبور اور بے بس ہوگا حساب وکتاب یا اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بھاگنے کی کوشش میں کامیاب نہ ہوگا۔

سوال 2: قیامت کے دن بھاگنے والوں کو کیسے روکا جائے گا؟

جواب: (1) قیامت کے دن آگ کے شعلے اور دھواں بھاگنے والوں پر چھوڑا جائے گا۔(2) قیامت کے دن پگھلا ہوا تانبا سروں پر ڈال کر واپس لایا جائے گا۔

﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (36)﴾

''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' (36)

سوال: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' چونکہ اپنے بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی تخویف، اس کی طرف سے ان کے لیے ایک نعمت اور ایک کوڑا ہے جو انھیں بلند ترین اور بہترین مواہب کے حصول کے لیے رواں دواں رکھتا ہے۔اس لیے اپنے احسان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ (تفسیر سعدی:3/2674,2675)

﴿فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ (37)﴾

''پھر جب آسمان پھٹ جائے گا تو وہ سُرخ چمڑے جیسا سُرخ ہوجائے گا'' (37)

سوال:﴿فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ﴾ ''پھر جب آسمان پھٹ جائے گا تو وہ سُرخ چمڑے جیسا سُرخ ہو جائے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ﴾ ''پھر جب آسمان پھٹ جائے گا'' جب قیامت کے روز آسمان پھٹ جائے گا، سورج اور چاند بے نور ہو جائیں گے، جب تارے جھڑ جائیں گے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ (۱) وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ (۲)﴾ ''جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور جب ستارے بکھر جائیں گے۔(الانفطار:1,2)(2)﴿اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ (۱) وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ (۲)﴾ ''جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور وہ اپنے رب کے حکم پر کان لگائے گا اور یہی اُس کا حق ہے۔(الانشقاق:1,2)(3)﴿وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا﴾ اور جس دن آسمان بادل کے ساتھ پھٹ جائے گا اور فرشتے نازل کیے جائیں گے، لگا تار نازل کیا جانا۔(الفرقان:25)﴿فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ﴾ ''تو وہ سُرخ چمڑے جیسا سُرخ ہو جائے گا'' تو خوف اور گھبراہٹ کی شدت کی وجہ سے تانبے اور پگھلے ہوئے سیسے کی طرح لال ہو جائے گا، تب سیاروں کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ عالم بالا میں یوں لگے گا کہ آگ لگی ہوئی ہے۔(5) مسند احمد کی حدیث میں ہے لوگ قیامت کے دن اُٹھائے جائیں گے اور آسمان ہلکی بارش کی طرح برستا ہوگا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرخ چمڑے کی طرح ہو جائے گا۔ ابو صالح فرماتے ہیں کہ پہلے گلابی رنگ ہوگا پھر سرخ ہو جائے گا۔(ابن کثیر)

﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (38)﴾

''تو اے جن و انس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''(38)

سوال:﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن و انس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے یہاں اس جہان کی ہر چیز کے فنا ہونے کو نعمت قرار دیا ہے کیونکہ فانی جہان کے خاتمے کے بعد ابدی جہان کا آغاز ہوگا۔ اس اعتبار سے یہ نعمت ہے اور رب العزت نے سوال کیا ہے کہ تم کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

﴿فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ (39)﴾

''پھر اس دن نہ کسی انسان سے اور نہ کسی جن سے اُس کے گناہ کا پوچھا جائے گا''(39)

سوال:﴿فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ﴾ ''پھر اُس دن نہ کسی انسان سے اور نہ کسی جن سے اُس کے گناہ

کا پوچھا جائے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَيَوْمَئِذٍ﴾ '' پھر اُس دن'' یعنی جس دن قبروں سے نکلیں گے۔ (2) ﴿لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ﴾ '' نہ کسی انسان سے اور نہ کسی جن سے اُس کے گناہ کا پوچھا جائے گا'' ان کے گناہوں کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا لوگ اپنی سیاہ یا سفید رنگت سے پہچانے جائیں گے اور حساب کتاب کے وقت سوال کیے جائیں گے۔ (ایسر التفاسیر:1563) (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿٣٦﴾﴾ یہ دن ہے جس میں وہ کچھ نہیں بولیں گے۔ اور نہ ہی اُنہیں اجازت دی جائے گی کہ وہ معذرت پیش کریں۔ (المرسلات:35,36) (4) سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ ہنسے اور (ہم سے) پوچھا: '' کیا تم جانتے ہو میں کیوں ہنسا ہوں؟'' ہم نے عرض کی، اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: '' (قیامت کے روز) بندے کی اپنے رب سے ہونے والی گفتگو پر مجھے ہنسی آئی ہے۔ انسان کہے گا، اے میرے رب! کیا تو نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی (یعنی تیرا وعدہ ہے کہ میں کسی پر ظلم نہیں کروں گا)؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، ہاں! کیوں نہیں۔ انسان کہے گا، میں اپنے خلاف کسی دوسرے کی گواہی جائز نہیں سمجھتا، سوائے اپنی ذات کی گواہی کے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، اچھا آج تیری ذات کی گواہی ہی تیرے لیے کافی ہے اور کراماً کاتبین کی گواہی (اس پر زائد ہوگی) چنانچہ انسان کے منہ پر مہر لگادی جائے گی اور اس کے اعضا کو حکم دیا جائے گا، بولو۔ چنانچہ وہ انسان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ اس کے بعد انسان کو بات کرنے کی اجازت دی جائے گی اور وہ اپنے اعضا سے مخاطب ہوکر کہے گا، ہلاکت ہو تمھارے لیے اور دوری ہو، میں تمھاری خاطر ہی جھگڑا کر رہا تھا (کہ تم جہنم سے بچ جاؤ)۔'' (مسلم:7439) (6) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٩٢﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٣﴾﴾ سو قسم ہے آپ کے رب کی! یقیناً ہم ضرور ان سب سے پوچھیں گے۔ اس کے متعلق جو وہ عمل کرتے تھے۔ (الحجر:92,93)

﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿40﴾﴾

'' تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (40)

سوال: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ '' تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اعمال کے ریکارڈ کو نعمت قرار دیا ہے جس کے مطابق مجرموں کو پہچان لیا جائے گا۔

﴿يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴿41﴾﴾

''مجرموں کوان کی علامت ہی سے پہچان لیا جائے گا، پھر اُنہیں ان کی پیشانی کے بالوں اورقدموں سے پکڑا جائے گا''(41)

سوال:﴿يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ﴾ ''مجرموں کوان کی علامت ہی سے پہچان لیا جائے گا، پھر اُنہیں ان کی پیشانی کے بالوں اورقدموں سے پکڑا جائے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ﴾ ''مجرموں کوان کی علامت ہی سے پہچان لیا جائے گا''رب العزت نے قیامت کے دن اچھے برےلوگوں کی کچھ ایسی علامات رکھی ہیں جو چہروں پر ظاہر ہوں گی۔فرمایا:﴿يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ج فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ قف اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴾ جس دن کچھ چہرے روشن ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے،تو وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے(اُن سے پوچھا جائے گا کہ) کیا تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا؟ تو اب عذاب چکھواس وجہ سے کہ تم کفر کیا کرتے تھے۔(آل عمران:106)(2)﴿وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا﴾ ''اوراس دن ہم اس حال میں مجرموں کوجمع کریں گے کہ وہ نیلی آنکھوں والے ہوں گے''۔(طٰہٰ:102)(3)﴿فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ﴾ ''پھر اُنہیں ان کی پیشانی کے بالوں اورقدموں سے پکڑا جائے گا''مجرم اس دن جکڑ دیے جائیں گے۔دوزخ کے فرشتے ان کے قدموں کو پیشانی کے پاس لاکر جکڑ دیں گے اور دوزخ میں دھکیل دیں گے،سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان کی پیشانیوں اور پیروں کو پکڑ کر لکڑی کی طرح توڑ کر جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔(مختصرابن کثیر:1978/2)

﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (42)﴾

''تو اے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کوجھٹلاؤ گے''؟(42)

سوال:﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کوجھٹلاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''تو اے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کوجھٹلاؤ گے''یہاں اللہ تعالیٰ نے مجرموں پر اپنی گرفت کو نعمت قرار دیا ہے۔اس وقت اللہ تعالیٰ ان سے سوال کریں گے کہ اب بتاؤ کون کون سی نعمت کوجھٹلاؤ گے!

﴿هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ (43)﴾

''یہ وہی جہنم ہے جس کومجرم لوگ جھٹلایا کرتے تھے''(43)

سوال1:﴿هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ﴾ ''یہ وہی جہنم ہے جس کومجرم لوگ جھٹلایا کرتے تھے'' کی وضاحت

کریں؟

جواب:﴿هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ﴾''یہ وہی جہنم ہے جس کولوگ جھٹلایا کرتے تھے''اس وقت ان سے کہا جائے گا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور وعیدوں کو جھٹلایا کہ یہی جہنم ہے جس کے تم قائل نہیں تھے دیکھو موجود ہے! اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔اس وقت رسوا کرنے کے لیے ان سے یہ سب کچھ کہا جائے گا۔

سوال2:اللہ تعالیٰ نے انسان کو جہنم کا یقین شعوری طور پر کس ماحول میں لے جا کر دلایا ہے؟

جواب:اللہ تعالیٰ نے مجرموں کو جہنم پہنچا کر اس کا یقین دلایا ہے کہ یہ ہے وہ جہنم جس کو تم جھوٹ قرار دیا کرتے تھے۔اب تو تم نے نظروں سے دیکھ لی۔

﴿یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ (44)﴾

''اُس کے اور کھولتے گرم پانی کے درمیان میں وہ چکر کھاتے رہیں گے''(44)

سوال1:﴿یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ﴾''اُس کے اور کھولتے گرم پانی کے درمیان میں وہ چکر کھاتے رہیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَاوَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ﴾''اُس کے اور کھولتے گرم پانی کے درمیان میں وہ چکر کھاتے رہیں گے''یعنی وہ جہنم اور اس کے شعلوں کے درمیان گھومیں گے۔(2)کبھی انہیں سخت کھولتے ہوئے پانی کے درمیان گھمایا جائے گا جس کی حرارت انتہا کی ہو گی۔(3)حمیم پگھلے ہوئے تانبے جیسا مشروب جو آنتوں کو کاٹ ڈالے گا۔(4)رب العزت کا فرمان ہے:﴿اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ؕ یُسْحَبُوْنَ (۷۱) فِی الْحَمِیْمِ ۙ۵ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ (۷۲)﴾جب طوق اور زنجیریں ان کی گردنوں میں ہوں گے، وہ گھسیٹے جا رہے ہوں گے۔کھولتے ہوئے پانی میں، پھر وہ آگ میں جھونک دیے جائیں گے۔(المؤمن:71,72)(5)﴿هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ ۫ فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ (۱۹) یُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ﴾ یہ دو جھگڑنے والے (گروہ) ہیں جنہوں نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا ہے، تو جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے آگ کے کپڑے کاٹے جا چکے، کھولتا ہوا پانی اُن کے سروں کے اوپر ڈالا جائے گا۔جس سے وہ سب پگھلا دیا جائے گا جو ان کے پیٹوں میں ہوگا اور ان کی کھالیں بھی۔(الحج:19,20)(6)سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''کھولتا ہوا پانی کافروں کے سروں پر ڈالا جائے گا، جو سر کو چھید کر پیٹ تک پہنچے گا اور پیٹ میں جو کچھ ہوگا اسے کاٹ ڈالے گا اور وہ سب کچھ (اس کی پیٹھ سے نکل کر) قدموں میں جا گرے گا''(مسند احمد:8886)(7)سیدنا قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:آسمان اور زمین کی ابتدائی پیدائش کے وقت سے

آج تک وہ گرم کیا جا رہا ہے۔ محمد بن کعب فرماتے ہیں: بدکار شخص کی پیشانی کے بال پکڑ کر اسے اس گرم پانی میں ایک غوطہ دیا جائے گا تمام گوشت گل جائے گا اور ہڈیوں کو چھوڑ دے گا۔ (ابن کثیر)

سوال 2: جہنم اور اس کے کھولتے ہوئے پانی میں لوگ کیسے گردش کرتے رہیں گے؟

جواب: یہ اس طرح ہوگا کہ کبھی انہیں سخت کھولتا ہوا گرم پانی پینے کو دیا جائے گا جو انتڑیوں کو کاٹ دے گا اور کبھی جہنم کا عذاب دیا جائے گا۔

﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (45) ﴾

''پس اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' (۴۵)

سوال: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ ''پس اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے مجرموں کے انجام تک پہنچنے کو نعمت قرار دیا ہے۔ (2) کبھی جہنم میں جھونک کر کبھی گرم کھولتے ہوئے پانی میں گھما کر ان سے پوچھا جائے گا تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

رکوع نمبر 13

﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ (46)﴾

''اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اُس کے لیے دو باغ ہیں'' (46)

سوال: ﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ﴾ ''اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اُس کے لیے دو باغ ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اُس کے لیے دو باغ ہیں'' یعنی اس شخص کے لیے جو اپنے رب اور اس کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا، اس نے نواہی کو ترک کر دیا اور جس کام کا اسے حکم دیا گیا، اس کی تعمیل کی، دو جنتیں ہیں جن کے برتن، زیورات، عمارتیں اور ان میں موجود تمام چیزیں سونے کی ہوں گی۔ ایک جنت ان کو اس امر کی جزا کے طور پر عطا کی جائے گی کہ انھوں نے منہیات کو ترک کیا اور دوسری نیکیوں کی جزا ہوگی۔ (تفسیر سعدی: 2677/3) (2) صحیح بخاری تفسیر سورۃ الرحمٰن میں ہے ''دو باغ چاندی کے ہیں جن میں برتن اور جو کچھ ہے سب کچھ چاندی کے ہوں گے دو باغ سونے کے ہیں جن میں برتن اور جو کچھ ان میں ہے سب سونے

کے ہوں گے۔سونے کے باغ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہنے والے خاص یعنی مقرب مومنوں کے لئے ہوں گے اور چاندی کے باغ عام مومنوں یعنی اصحاب الیمین کے لئے ہوں گے۔(3)ایک جنت عدن اور دوسری جنت نعیم یا ایک بلند اور دوسرا پائیں باغ یا ایک روحانی اور دوسرا جسمانی باغ۔یا ایک مردانہ باغ اور دوسرا زنانہ باغ ایک اطاعت کے بدلہ میں اور دوسرا ترک معصیت کے بدلہ میں یا ایک باغ صحت عقیدہ کے بدلہ میں اور دوسرا نیک عمل کے بدلہ میں۔دو باغوں کے مفسرین نے یہ سب معنی بیان کئے ہیں۔واللہ اعلم (شوکانی)
(4)﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى (٤٠) فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (٤١)﴾''لیکن جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور جس نے نفس کو بری خواہشات سے روکا۔تو یقیناً جنت اُس کا ٹھکانہ ہوگی''(النازیات:40,41)

﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ(47) ﴾

''تو اے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟''(47)

سوال:﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾''تو اے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''تو اے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' یہاں اللہ تعالیٰ نے،اللہ تعالیٰ سے خوف رکھنے والوں کے لئے تیار کیے گئے باغات کو اپنی نعمت قرار دے کر یہ سوال کیا ہے کہ تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

﴿ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ (48) ﴾

''دونوں ہی بہت شاخوں والے ہیں''(48)

سوال:﴿ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴾''دونوں ہی بہت شاخوں والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''دونوں ہی بہت شاخوں والے ہیں''افـــنـــان۔فن کی جمع ہے یعنی بہت بڑا اور لمبا ٹہنا یعنی ان دو باغوں کے جتنے درخت ہوں گے ان سب کے دو بڑے بڑے ٹہنے ہوں گے پھر ان ٹہنوں کی چھوٹی چھوٹی ٹہنیاں نکلیں گی۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا اظہار ہے کہ ان باغوں کے درختوں کی نشو ونما میں ایک دوسرے سے پوری طرح یکسانیت اور ہم آہنگی ہوگی۔(تیسیر القرآن:353/4)
(2)افنان۔لمبی شاخ کو کہتے ہیں یہاں حقیقی معنی ہیں یا کنایہ ہے ہر قسم کی نعمتوں پر مشتمل ہونے سے۔(تفسیر کمالین جلالین:390/6)

﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ(49) ﴾

''تواے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کوجھٹلاؤ گے؟'' (49)

سوال: ﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴾ ''تواے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کوجھٹلاؤ گے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''تواے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کوجھٹلاؤ گے؟'' اللہ تعالیٰ نے بہت سی شاخوں والے، بہت پھلوں والے، بہت گھنے سائے والے باغات کی نعمت کوجھٹلانے کی بات کی ہے۔

﴿فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ (50)﴾

''اُن دونوں میں دوچشمے بہہ رہے ہیں۔'' (50)

سوال: ﴿فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴾ ''اُن دونوں میں دوچشمے بہہ رہے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اُن دونوں میں دوچشمے بہہ رہے ہیں'' جنتوں کے اندر دوچشمے جاری ہوں گے۔ایک کا نام تسنیم اور دوسرے کا سلسبیل۔ یہ کبھی خشک نہیں ہوں گے۔

﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (51)﴾

''تواے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کوجھٹلاؤ گے؟'' (51)

سوال: ﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴾ ''تواے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کوجھٹلاؤ گے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''تواے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کوجھٹلاؤ گے؟'' یہاں اللہ تعالیٰ نے دو بہتے چشموں تسنیم اور سلسبیل کی نعمت کا ذکر کیا ہے جن کا پانی رواں ہوگا، بکثرت ہوگا۔

﴿فِیْهِمَا مِنْ کُلِّ فَاکِهَةٍ زَوْجٰنِ (52)﴾

''دونوں میں ہر پھل کی دو دو قسمیں ہیں۔'' (52)

سوال: ﴿فِیْهِمَا مِنْ کُلِّ فَاکِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴾ ''دونوں میں ہر پھل کی دو دو قسمیں ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿فِیْهِمَا مِنْ کُلِّ فَاکِهَةٍ زَوْجٰنِ﴾ ''دونوں میں ہر پھل کی دو دو قسمیں ہیں'' ان جنتوں میں ہر قسم کے پھلوں کی دو دو قسمیں ہیں۔ ہر ایک کا اپنا رنگ، اپنی لذت، اپنا رنگ، اپنا مزہ اور اپنی خوشبو ہوگی، جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا۔

﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰن(53) ﴾

''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (53)

سوال: ﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: رب العزت نے پھلوں اور ذائقوں کی نعمتوں کے تذکرے کے بعد سوال کیا ہے کہ یہ بتاؤ تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

﴿مُتَّکِئِیۡنَ عَلٰی فُرُشٍ ۭ بَطَآئِنُهَا مِنۡ اِسۡتَبۡرَقٍ ؕ وَجَنَا الۡجَنَّتَیۡنِ دَانٍ (54)﴾

''وہ مسندوں پر تکیہ لگائے ہوں گے جن کے اُستر موٹے ریشم کے ہوں گے اور دونوں باغوں کے تروتازہ پھل بالکل ہی قریب ہوں گے۔'' (54)

سوال: ﴿مُتَّکِئِیۡنَ عَلٰی فُرُشٍ ۭ بَطَآئِنُهَا مِنۡ اِسۡتَبۡرَقٍ ؕ وَجَنَا الۡجَنَّتَیۡنِ دَانٍ ﴾ ''وہ مسندوں پر تکیہ لگائے ہوں گے جن کے اُستر موٹے ریشم کے ہوں گے اور دونوں باغوں کے تروتازہ پھل بالکل ہی قریب ہوں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مُتَّکِئِیۡنَ عَلٰی فُرُشٍ ۭ بَطَآئِنُهَا مِنۡ اِسۡتَبۡرَقٍ﴾ ''وہ مسندوں پر تکیہ لگائے ہوں گے جن کے اُستر موٹے ریشم کے ہوں گے'' اہل جنت کے بچھونوں اور ان بچھونوں پر ان کے بیٹھنے کا وصف ہے، نیز یہ کہ وہ تکیے لے کر ان بچھونوں پر بیٹھیں گے، یعنی ان کا بیٹھنا تمکنت، قرار اور راحت کا بیٹھنا ہوگا، جیسے بادشاہ تختوں پر بیٹھتے ہیں ان بچھونوں کا وصف اور حسن اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا حتیٰ کہ ان کے نیچے والے حصے جو زمین کے ساتھ لگے ہوئے ہوتے ہیں، استبرق کے ہوں گے جو ریشم کی خوبصورت ترین اور اعلیٰ ترین قسم ہے تب ان بچھونوں کے ظاہری حصے جن پر بیٹھا جاتا ہے ان کی خوبصورتی کیسی ہوگی؟ (تفسیر سعدی:2677/3) (2) ﴿ وَجَنَا الۡجَنَّتَیۡنِ دَانٍ ﴾ ''اور دونوں باغوں کے تروتازہ پھل بالکل ہی قریب ہوں گے'' ان باغوں کے پھل اتنے جھکے ہوئے ہوں گے کہ جب چاہیں جو چاہیں پکے ہوئے پھل توڑ لیں۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَدَانِیَةً عَلَیۡهِمۡ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتۡ قُطُوۡفُهَا تَذۡلِیۡلًا ﴾ '' اور جنت کے سائے اُن پر جھکے ہوں گے۔ اور اُس کے خوشے اُن کے بالکل تابع کر دیے جائیں گے، خوب تابع کیا جانا'' (الدھر:14) (3) ﴿ قُطُوۡفُهَا دَانِیَةٌ ﴾ ''جس کے پھل قریب ہوں گے۔'' (الحاقۃ:23)

﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (55) ﴾

''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (55)

سوال: ﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴾ '' تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' کی وضاحت

کریں؟

جواب: رب العزت نے جنتیوں کے فرش کی نعمت اور پھلوں کے قریب ہونے کی نعمت کا احساس دلا کر سوال کیا ہے کہ اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ یعنی اس انعام واکرام کو جھٹلاؤ گے؟

﴿فِيهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لا لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ (56)﴾

''اُن میں نیچی نگاہ والی عورتیں ہوں گی، جنہیں اُن سے پہلے کسی انسان یا جن نے چھوا تک نہیں۔'' (56)

سوال 1: ﴿فِيهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لا لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ﴾ ''اُن میں نیچی نگاہ والی عورتیں ہوں گی، جنہیں اُن سے پہلے کسی انسان یا جن نے چھوا تک نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فِيهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ﴾ ''اُن میں نیچی نگاہ والی عورتیں ہوں گی'' یعنی ان کی نگاہیں، اپنے حسن و جمال اور اپنے شوہروں کے ساتھ کامل محبت کی بنا پر صرف انہی پر لگی ہوئی ہوں گی، اسی طرح ان کے شوہروں کی نگاہیں بھی ان کے حسن و جمال، ان کے وصل کی لذت اور ان کے ساتھ شدید محبت کی بنا پر صرف انہی پر جمی ہوئی ہوں گی۔ (تفسیر سعدی: 2678/3) (2) رب العزت نے فرمایا: ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًا م بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (١٩) مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ج وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ﴾ ''خوب مزے سے کھاؤ اور پیو اُس کے بدلے میں جو تم عمل کیا کرتے تھے۔ وہ صف بہ صف تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے اور ہم نے ان کا نکاح کر دیا سفید رنگت اور بڑی آنکھوں والی حوروں سے۔'' (الطور: 19۔20) (3) ﴿وَحُوْرٌ عِيْنٌ (٢٢) كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ (٢٣) جَزَآءً م بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ ''اور گورے جسم، سیاہ بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں (ہوں گی)۔ گویا چھپا کر رکھے ہوئے موتی ہوں۔ اُن کاموں کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے۔'' (الواقعہ: 22۔24) (4) ﴿لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ﴾ ''جنہیں اُن سے پہلے کسی انسان یا جن نے چھوا تک نہیں'' یہ دوشیزائیں بالکل اچھوتی ہوں گی۔ ان کے شوہروں سے پہلے ان کو کسی انسان یا جن نے چھوا نہیں ہو گا۔ ہم عمر اور دل ربا ہوں گی۔

سوال 2: جنتی عورت کی کیا خصوصیات بیان کی گئی ہیں؟

جواب: (1) جنتی عورت نگاہیں نیچے رکھنے والی اور شرمیلی ہو گی۔ اس کی نگاہ اپنے شوہر کے علاوہ کسی اور پر نہیں پڑے گی۔ اس کو اپنے شوہر سے زیادہ نہ کوئی حسین لگے گا، نہ محبوب ہو گا۔ (2) جنتی عورت کو کسی انسان یا جن نے نہ چھوا ہو گا۔

سوال 3: یہاں جنوں کے نہ چھونے کا تذکرہ کیا گیا۔ اس سے کیا حقیقت کھلتی ہے؟

جواب: اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ایمان والے جن بھی جنت میں جائیں گے اور ان کے لئے بھی وہاں وہی نعمتیں ہوں گی جو مومن انسانوں

کے لئے ہوں گی۔

﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (57) ﴾

''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (57)

سوال: ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' یعنی تم اس انعام کو جھٹلاؤ گے۔ (2) یہاں جنتی عورت کی پاکیزگی کی نعمت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سوال کیا ہے کہ آخر کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

﴿ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ (58) ﴾

''گویا کہ وہ عورتیں یاقوت اور مرجان ہیں۔'' (58)

سوال: ﴿ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴾ ''گویا کہ وہ عورتیں یاقوت اور مرجان ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''گویا کہ وہ عورتیں یاقوت اور مرجان ہیں''، جنتی عورت کا حسن، صفائی اور پاکیزگی یاقوت کی طرح ہوگی۔ گورے پن میں اور سفیدی میں موتی کی طرح ہوگی۔ (2) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنت میں داخل ہونے والی پہلی جماعت چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوگی اور اس کے بعد والی جماعت آسمان میں سب سے زیادہ چمکنے والے ستارے کی مانند، ان میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ دو دو بیویاں عطا فرمائے گا کہ ان کی پنڈلیوں کا گودا گوشت کے اوپر سے نظر آ رہا ہوگا اور جنت میں کوئی شخص بھی بیوی کے بغیر نہیں ہوگا۔'' (مسلم:2834) (3) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر اہل جنت میں سے کوئی عورت (یعنی حور) زمین والوں کی طرف جھانک لے تو وہ تمام فضا کو جو آسمان وزمین کے درمیان ہے، روشن کردے اور اس کو خوشبو سے بھر دے اور بے شک اس کا دوپٹا جو اس کے سر پر ہے تمام دنیا والوں اور جو کچھ اس میں ہے، سے بہتر ہے۔'' (بخاری:2796)

﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (59) ﴾

''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (59)

سوال: ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے جنتی عورت کے حسن کا تذکرہ کر کے یہ سوال کیا ہے کہ یہ بتاؤ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (60)﴾

''نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہے'' (60)

سوال: ﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ﴾ ''نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ﴾ ''نیکی کا بدلہ'' یعنی ایمان، اطاعت اور عبادت کی جزا۔ (2) ﴿اِلَّا الْاِحْسَانُ﴾ ''نیکی ہی ہے'' یعنی کیا اس شخص کی جزا جس نے بہترین طریقے سے اپنے رب کی عبادت کی اور اس کے بندوں کو فائدہ پہنچایا، اس کے سوا کچھ اور ہوسکتی ہے کہ ثواب جزیل، فوز کبیر، نعمتیں، اور تکدر سے سلامت زندگی عطا کر کے اس کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے؟ پس یہ دو بلند مرتبہ جنتیں مقربین کے لیے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 2678/3)

﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (61) ﴾

''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (61)

سوال: ﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یعنی اے جن وانس نیکی کے بدلے یعنی جنت کی کون کون سی نعمتوں کو کب تک جھٹلاؤ گے؟

﴿وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ (62)﴾

''اور اُن دو کے علاوہ اور بھی دو باغ ہیں۔'' (62)

سوال: ﴿وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ﴾ ''اور اُن دو کے علاوہ اور بھی دو باغ ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور اُن دو کے علاوہ اور بھی دو باغ ہیں'' عربی زبان میں ''دون'' کا لفظ اگرچہ ماسوا اور علاوہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے لیکن اس کا زیادہ تر استعمال ایک چیز کے دوسری چیز کے مقابلہ میں نیچے یا بلحاظ مرتبہ کم ہونے کے معنی میں ہوتا ہے اس لئے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو باغ پہلے دو باغوں سے نیچے یا ان کے مقابلے میں کم مرتبہ ہوں گے۔ ایک حدیث میں ہے کہ دو جنتیں مع اپنے ساز و سامان کے۔ شاید پہلی جنتیں مقرب لوگوں کے لیے ہیں اور دوسری اصحاب الیمین کے لئے۔ واللہ اعلم (ابن کثیر) (اشرف الحواشی: 636/1) (2) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں وہ اللہ تعالیٰ نے جہاد فی سبیل اللہ کرنے والوں کے لیے تیار کیے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان ہے۔ پس جب تم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو تو اس سے فردوس طلب کرو کیونکہ وہ جنت کا افضل اور اعلیٰ حصہ ہے۔'' (بخاری: 2790)

﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (63) ﴾

''تو اے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (63)

سوال: ﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴾ ''تو اے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: رب العزت نے سوال کیا ہے کہ دو باغوں جیسی عظیم نعمت کو جس کا یقین دل کے اندر نہیں بیٹھ رہا کب تک جھٹلاؤ گے؟

﴿ مُدْهَآمَّتٰنِ (64) ﴾

''دونوں سیاہی مائل گہرے سبز ہیں۔'' (64)

سوال: ﴿ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴾ ''دونوں سیاہی مائل گہرے سبز ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''دونوں سیاہی مائل گہرے سبز ہیں'' ان دونوں باغوں کے پتے اپنی سیرابی کی وجہ سے اتنے گہرے سبز ہوں گے کہ سیاہ ہو رہے ہوں گے۔

﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (65) ﴾

''تو اے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (65)

سوال: ﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴾ ''تو اے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے جنت کے دو دوسرے باغوں کی سرسبزی اور شادابی کی نعمت کا ذکر کیا ہے کہ آخر کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

﴿ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ (66) ﴾

''اُن دونوں میں جوش مارتے ہوئے دو چشمے ہیں۔'' (66)

سوال: ﴿ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴾ ''اُن دونوں میں جوش مارتے ہوئے دو چشمے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اُن دونوں میں جوش مارتے ہوئے دو چشمے ہیں'' نضخ کا معنی پانی کا چشمہ سے زور سے پھوٹنا۔ مگر نضخ میں جوش مارنے کی وجہ کثرت آب اور دباؤ ہوتی ہے نہ کہ حرارت، اور نضاخ موسلا دھار بارش کو بھی کہتے ہیں۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ چشموں کے سوراخ تنگ اور پانی کی کثرت روانی کی تیزی کی وجہ سے وہ چشمے جوش مار رہے ہوں گے۔ (تیسیر القرآن:354/4) (2) یعنی ان جنتوں میں ابلتے ہوئے چشمے یعنی فوارے ہوں گے۔ (3) مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں خیر و برکت سے جوش مار رہے ہوں گے۔ (تفسیر مراغی:395/9)

﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (67) ﴾

''تو اے جن وانس !تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (67)

سوال: ﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴾ ''تو اے جن وانس !تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یہاں اللہ تعالیٰ نے جوش سے اُبلنے والے پانی کی نعمت کا ذکر کیا ہے کہ تم کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

﴿فِیْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ(68) ﴾

''ان دونوں میں پھل اور کھجوروں کے درخت اور انار ہیں۔'' (68)

سوال1: ﴿فِیْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴾ ''ان دونوں میں پھل اور کھجوروں کے درخت اور انار ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''ان دونوں میں پھل اور کھجوروں کے درخت اور انار ہیں'' فكه بمعنی خوش طبعی، خوش مزاجی اور ہنسنے ہنسانے والا ہونا اور فكه کے معنی کسی کو میوہ کھلانا بھی اور اپنے شریں کلام سے کسی کو خوش کرنا اور فواکہ سے مراد ایسے پھل ہیں جن کے کھانے کا اصل مقصد لذت وسرور اور لطف حاصل کرنا ہو نہ کہ غذائیت حاصل کرنا۔ (تیسیر القرآن:355/4) (2) کھجور کے ساتھ انار کا پانی مل جائے تو کھانا پینا اور لطف وسرور سب حاصل ہو جاتا ہے۔

سوال2: دوسرے دو باغوں میں جنت کے کن پھلوں کا ذکر کیا گیا ہے؟

جواب: دوسرے دو باغوں میں کھجور اور انار کا ذکر کیا گیا ہے جب کہ پہلے دو باغوں میں ہر پھل کی دو قسموں کا ذکر ہے۔

﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (69)﴾

''تو اے جن وانس !تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (69)

سوال: ﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴾ ''تو اے جن وانس !تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے یہاں کھجور، انار اور دوسرے پھلوں کی نعمت کا ذکر کیا ہے کہ تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

﴿فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ (70)﴾

''اُن میں کئی خوب سیرت، خوب صورت عورتیں ہیں'' (70)

سوال: ﴿فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ ﴾ ''اُن میں کئی خوب سیرت، خوب صورت عورتیں ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)''اُن میں کئی خوب سیرت، خوب صورت عورتیں ہیں''، یعنی جنت میں بہترین اخلاق اور خوب صورت چہروں والی عورتیں ہوں گی۔ ان کا ظاہری اور باطنی حسن ،ان کا حسن خلق اور حسن خلقت اپنے کمال پر ہوگا۔(2)سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں موٹی موٹی آنکھوں والی حوریں یہ ترانہ گاتی ہیں ہم خوبصورت اور نیک سیرت حوریں اپنے محبوب شوہروں کے لئے محفوظ کی گئی ہیں۔(طبرانی)(3) سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''جب کوئی عورت اپنے شوہر کو تکلیف پہنچاتی ہے تو موٹی آنکھوں والی حوروں میں سے اس آدمی کی بیوی کہتی ہے: اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کرے اسے تکلیف نہ دے یہ چند روز کے لیے تیرے پاس ہے عنقریب تجھے چھوڑ کر ہمارے پاس آنے والا ہے۔(ابن ماجہ)

﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (71) ﴾

''تو اے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟''(71)

سوال:﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴾''تو اے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے یہاں نیک کردار اور خوب صورت عورت کی نعمت کا ذکر کیا ہے کہ آخر کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

﴿حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ (72)﴾

''گوری سیاہ آنکھوں والی عورتیں،خیموں میں روکی ہوئی ہیں۔''(72)

سوال: ﴿حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ ﴾''گوری سیاہ آنکھوں والی عورتیں،خیموں میں روکی ہوئی ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)''گوری سیاہ آنکھوں والی عورتیں،خیموں میں روکی ہوئی ہیں''،یعنی وہ حوریں موتیوں کے خیموں میں مستور ہوں گی جنھوں نے اپنے آپ کو اپنے شوہروں کے لیے تیار کر رکھا ہوگا۔ان کا خیموں میں مستور ہونا،ان کے جنت کے باغات میں نکلنے کے منافی نہیں،جیسا کہ باپردہ شہزادیوں کی عادت ہے۔(تفسیر سعدی:2679/3)(2) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''جنت میں موتیوں کے خیمے ہوں گے۔ان کا عرض ساٹھ میل ہوگا۔اس کے ہر کونے میں جنتی کے گھر والے ہوں گے جس کو دوسرے کونے والے نہیں دیکھ سکیں گے۔مومن اس میں گھومے گا۔''(صحیح مسلم)

﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ(73) ﴾

''تو اے جن وانس!تم دونوں اپنے ربّ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟''(73)

سوال:﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴾''تو اے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:اللہ تعالیٰ نے یہاں گوری رنگت کی خیموں میں ٹھہرائی ہوئی حور کی نعمت کا ذکر کیا ہے کہ تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

﴿لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ(74)﴾

''ان سے پہلے کسی انسان اور کسی جن نے اُنہیں چھوا تک نہیں۔'' (74)

سوال: ﴿لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ﴾ ''ان سے پہلے کسی انسان اور کسی جن نے اُنہیں چھوا تک نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''ان سے پہلے کسی انسان اور کسی جن نے اُنہیں چھوا تک نہیں'' اہل جنت کو ملنے والی حوریں کنواری ہوں گی۔ طمث کے معنی حیض کا خون بھی ہے اور عورت کا حیض والا ہونا بھی اور مرد کا، عورت کا پردہ بکارت زائل کرنا بھی۔ گویا یہ لفظ پہلی بار مجامعت سے مخصوص ہے۔ (تیسیر القرآن:4/355) (2) رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾﴾ یقیناً اللہ تعالیٰ سے ڈر جانے والوں کے لیے کامیابی کا ایک مقام ہے۔ باغات اور انگور ہیں۔ اور نوخیز ہم عمر لڑکیاں ہیں۔ اور چھلکتے ہوئے جام ہیں۔ (النبأ:31-34) (3) ﴿اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾﴾ ''بلاشبہ ہم نے انہیں نئے سرے سے پیدا کیا ہے۔ پس ہم نے انہیں کنواریاں بنایا ہے۔ شوہر کی محبوب، ان کی ہم عمر ہیں۔'' (الواقعہ:35۔37)

﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ(75)﴾

''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (75)

سوال: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے یہاں جنتی عورت کی نعمت کی بات کی ہے کہ تم کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

﴿مُتَّكِئِيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ(76)﴾

''نادر و نفیس، خوب صورت سبز قالینوں پر تکیہ لگائے ہوں گے۔'' (76)

سوال: ﴿مُتَّكِئِيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ﴾ ''نادر و نفیس، خوب صورت سبز قالینوں پر تکیہ لگائے ہوں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مُتَّكِئِيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ﴾ ''نادر و نفیس، خوب صورت سبز قالینوں پر تکیہ لگائے ہوں گے'' زخرف، گدے، مسندیں اور جنت کے باغات۔ اہل جنت سبز رنگ کے بیش بہا قالینوں اور مسندوں پر ٹیک لگا کر آرام سے بیٹھے یا لیٹے ہوں گے۔ یہ وہ جگہیں ہیں جو بلند جگہوں کے نیچے ہوں گی۔ ان کے بیٹھنے کی جگہ کے پیچھے خوب صورت پردے لٹک رہے ہوں گے۔ (2) ﴿وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ﴾ غالیچہ

،قالین منقش ریشم۔عبقری ہراس بنے ہوئے کپڑے کو کہتے ہیں جسے خوب صورت طریقے سے بنا گیا ہو۔اس کے لمس میں ملائمت ہواور دیکھنے میں ورطۂ حیرت میں گم کردینے والا ہو۔(3)﴿عبقری﴾عرب کے دور جاہلیت کے انسانوں میں جنوں کے دارالسلطنت کا نام عبقر تھا جہاں صرف جن اور پریاں ہی رہتے تھے جسے ہم اردو میں پرستان بھی کہتے ہیں یعنی پریوں کے رہنے کی جگہ۔پھر لفظ عبقری کا اطلاق ہر نفیس اور نادر چیز پر ہونے لگا تو یہ پرستان کی چیز ہے جس کا مقابلہ دنیا کی عام چیزیں نہیں کرسکتیں۔پھر اس لفظ کا اطلاق ایسے آدمی پر بھی ہونے لگا جو غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک ہو۔اسی لیے اہل عرب کو جنت کے سروسامان کی غیر معمولی نفاست اور خوبی کا تصور دلانے کے لیے یہاں عبقری کا لفظ آیا ہے۔(تیسیر القرآن:355/4)﴿عَبْقَرِيٍّ﴾ہر نفیس اور اعلیٰ چیز کو کہا جاتا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لئے یہ لفظ استعمال کیا تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا:''میں نے کوئی ایسا عبقری نہیں دیکھا جو عمر کی طرح کام کرتا ہو۔''(بخاری)

﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ(77) ﴾

''تو اے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟''(77)

سوال:﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾''تو اے جن وانس!تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:اللہ تعالیٰ نے یہاں جنتیوں کے فرش کی بات کی ہے کہ آخر کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

﴿تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ(٧٨) ﴾

''آپ کے رب کا نام بڑا ہی بابرکت ہے جو بڑی شان والا اور بڑی عزت والا ہے۔''(78)

سوال:﴿تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴾''آپ کے رب کا نام بڑا ہی بابرکت ہے جو بڑی شان والا اور بڑی عزت والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ﴾ ''آپ کے رب کا نام بڑا ہی بابرکت ہے''یعنی اللہ تعالیٰ کی مقدس ذات کا بابرکت نام الرحمٰن (2)﴿ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴾ ''جو بڑی شان والا اور بڑی عزت والا ہے''اپنے اولیاء کے لیے عظمت واکرام والا اور اپنے بندوں پر احسان کرنے والا۔(ایسر التفاسیر:1566)(3)سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی نماز سے سلام پھیرتے تو (پہلے)تین بار استغفار پڑھتے،پھر یہ دعا پڑھتے:﴿اللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ﴾''یا اللہ!تو ہی سلامتی والا ہے اور تجھی سے سلامتی ہے،اے بزرگی اور عزت والے!تو بڑی برکت والا ہے۔''(صحیح مسلم:1334)(4) اللہ تعالیٰ بڑی بزرگی اور عزت والا ہے،عزت عطا کرنے والا ہے،لطف واحسان کرنے والا ہے۔اس کا نام بابرکت ہے تو اس کی ذات کتنی با

برکت ہوگی۔یاالرحم الراحمین ہمیں اپنی خیر وبرکت اور رحمت میں رکھیے۔آمین۔الحمدللہ رب العالمین

سورۃ الواقعہ

سوال: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ مکی سورت ہے۔اس کے تین رکوع اور 96 آیات ہیں۔

سوال: مصحف میں ترتیب اورنزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے یہ 56 ویں سورت ہےاورنزولی ترتیب کے اعتبار سے 46 ویں سورت ہے۔

سوال: اس سورت کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: (1) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی،اے اللہ کے رسول! آپ توبوڑھے ہوگئے ہیں،آپ ﷺ نے فرمایا:''مجھے سورہ ہود،سورہ واقعہ،سورہ مرسلات،سورہ نبااورسورہ تکویر نے بوڑھا کردیا ہے۔''(ترمذی:3297) (2) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:''جس نے رات کوسورہ واقعہ کی تلاوت کی اسے کبھی فاقہ کی نوبت نہ آئے گی''۔سورہ واقعہ سورۃ الغنٰی (تونگری کی سورہ ہے) تم اسے خود بھی پڑھا کرواوراپنے بچوں کو بھی سکھاؤ۔''(ابن عساکر)(اشرف الحواشی:637/1)

رکوع نمبر 14

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ (۱)﴾

''جب واقع ہونے والی واقع ہوجائے گی''(1)

سوال:﴿اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ﴾''جب واقع ہونے والی واقع ہوجائے گی'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)'''جب واقع ہونے والی واقع ہوجائے گی'' واقعہ قیامت کے ناموں میں سے ہے کیونکہ اس کے قیام اور وقوع میں یقین ہے۔(مختصرابن کثیر:1982/2)(2)(i) قیامت کے لازماً واقع ہونے کی وجہ سے اس کا نام الواقعہ ہے۔(ii) الواقعہ ہرقسم کے شک کوختم کردیتا ہے۔اس لئے الواقعہ کے نام سے قیامت کوموسوم کیا گیا۔(iii) الواقعہ کا نام انسان کو یقین دیتا ہے۔اس لئے قیامت کا نام الواقعہ ہے کیونکہ قیامت یقینی امر ہے۔رب العزت نے فرمایا:﴿فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ﴾''تو اُس دن واقع ہونے والی واقع ہوجائے گی۔''(الحاقۃ:15)

﴿لَيۡسَ لِوَقۡعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿2﴾﴾

''اُس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں ہے''۔(2)

سوال:﴿ لَيۡسَ لِوَقۡعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴾''اُس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)''اُس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں ہے''، یعنی جب اللہ تعالیٰ قیامت قائم کرنا چاہے گا تو کوئی اسے ٹالنے والا اور جھٹلانے والا نہ ہوگا۔ رب العزت نے فرمایا:﴿اسۡتَجِيبُوا لِرَبِّكُم مِّن قَبۡلِ أَن يَأۡتِيَ يَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَهُۥ مِنَ اللَّهِ ۚ مَا لَكُم مِّن مَّلۡجَإٍ يَوۡمَئِذٍ وَمَا لَكُم مِّن نَّكِيرٍ ﴿47﴾﴾ اپنے رب کی پکار پر لبیک کہو قبل اس سے کہ وہ دن آئے جس کے اللہ تعالیٰ سے ٹلنے کی کوئی صورت نہیں۔ اُس دن تمہارے لیے نہ کوئی جائے پناہ ہوگی اور نہ ہی انکار کی کوئی صورت ہوگی۔ (الشوریٰ:47) (2)﴿سَأَلَ سَآئِلُۢ بِعَذَابٖ وَاقِعٖ ﴿1﴾ لِّلۡكَٰفِرِينَ لَيۡسَ لَهُۥ دَافِعٌ﴾ سوال کرنے والے نے واقع ہونے والے عذاب کا سوال کیا ہے۔ کافروں کے لیے، اُس کو ہٹانے والا کوئی نہیں۔ (المعارج:1,2)

﴿خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿3﴾﴾

''پست کرنے والی، بلند کرنے والی ہے۔''(3)

سوال1:﴿خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴾''پست کرنے والی، بلند کرنے والی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ابن ابی حاتم نے عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قیامت اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو آگ میں گرائے گی اور اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو جنت کی بلندی تک پہنچائے گی۔ (فتح القدیر:186/5) (2) یعنی قیامت کا واقعہ کچھ لوگوں کو اسفل السافلین تک پہنچا دے گا اور کچھ کو اعلیٰ علیین کی بلندیوں تک پہنچائے گا۔

سوال2: پستی اور بلندی کا کیا مطلب ہے؟

جواب: پستی کا مطلب ذلت اور بلندی کا مطلب عزت ہے۔

سوال3: قیامت کس کو پست کردے گی؟

جواب: قیامت اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کو پست کردے گی یعنی کفر کرنے والوں کو قیامت ذلیل ورسوا کردے گی۔

سوال4: قیامت کس کو بلند کردے گی؟

جواب: قیامت اللہ تعالیٰ کے فرماں برداروں کو بلند کردے گی۔ یعنی اہلِ ایمان کو، اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزاروں کو وہاں معزز مقام ملے گا۔

﴿اِذَا رُجَّتِ الۡاَرۡضُ رَجًّا(4)﴾

''جب زمین سخت ہلا دی جائے گی۔''(4)

سوال:﴿اِذَا رُجَّتِ الۡاَرۡضُ رَجًّا﴾''جب زمین سخت ہلا دی جائے گی'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''جب زمین سخت ہلا دی جائے گی''یعنی جب قیامت آئے گی تو زمین پر خوب زلزلے آئیں گے جو مقامی طور پر نہیں بلکہ عالمی طور پر آئیں گے۔تب ساری زمین ہچکولے کھانے لگے گی۔(2)رب العزت نے فرمایا:﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ ۚ اِنَّ زَلۡزَلَةَ السَّاعَةِ شَیۡءٌ عَظِیۡمٌ﴾ اے لوگو!اپنے رب سے ڈرو،یقیناً قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے۔(الحج:1)(3)﴿اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا﴾جب زمین پوری شدت سے ہلا دی جائے گی اس کا سخت ہلایا جانا۔(الزلزال:1)

﴿وَّبُسَّتِ الۡجِبَالُ بَسًّا(5)﴾

''اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے،خوب ریزہ ریزہ کیا جانا''۔(5)

سوال:﴿وَّبُسَّتِ الۡجِبَالُ بَسًّا﴾''اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے،خوب ریزہ ریزہ کیا جانا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے،خوب ریزہ ریزہ کیا جانا''یعنی پہاڑوں کی زمین پر گرفت ڈھیلی پڑ جائے گی۔رب العزت نے فرمایا:﴿یَوۡمَ تَرۡجُفُ الۡاَرۡضُ وَ الۡجِبَالُ وَ كَانَتِ الۡجِبَالُ كَثِیۡبًا مَّهِیۡلًا﴾ جس دن زمین اور پہاڑ کانپیں گے اور پہاڑ بھربھری ریت کے ٹیلے ہو جائیں گے۔(المزمل:14) (2)﴿فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ نَفۡخَةٌ وَّاحِدَةٌ (۱۳) وَّ حُمِلَتِ الۡاَرۡضُ وَ الۡجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً (۱۴)﴾ چنانچہ جب صور میں پھونکا جائے گا،ایک بار پھونکنا۔اور زمین اور پہاڑوں کو اُٹھایا جائے گا اور دونوں ٹکرا دیے جائیں گے،ایک ہی بار ٹکرا دینا۔(الحاقۃ:13,14)

﴿فَكَانَتۡ هَبَآءً مُّنۡۢبَثًّا(6)﴾

''چنانچہ وہ اڑتا ہوا غُبار بن کر رہ جائیں گے''(6)

سوال:﴿فَكَانَتۡ هَبَآءً مُّنۡۢبَثًّا﴾''چنانچہ وہ اڑتا ہوا غُبار بن کر رہ جائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''چنانچہ وہ اڑتا ہوا غُبار بن کر رہ جائیں گے''یعنی پہاڑوں کے پتھر ایک دوسرے پر گر کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر ہوا پہاڑوں کے ذرات کو اڑا لے جائے گی۔اس طرح ان کا وجود غبار ہو جائے گا۔رب العزت نے فرمایا:﴿وَ تَكُوۡنُ الۡجِبَالُ كَالۡعِهۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ﴾ اور پہاڑ دُھنکی ہوئی رنگین اُون کی طرح ہو جائیں گے۔(القارعہ:5) کیا اس وقت زمین پر کسی کا رہنا ممکن ہوگا؟(2)زمین پر نہ

پہاڑ رہے گا نہ کھائیاں بس ہموار چٹیل میدان ہوگا۔

﴿وَّ كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً (7)﴾

''اور تم تین قسموں میں ہو جاؤ گے''۔(7)

سوال:﴿وَّ كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً﴾''اور تم تین قسموں میں ہو جاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اور تم تین قسموں میں ہو جاؤ گے'' یعنی تم اپنے اعمال کے اعتبار سے تین گروہوں میں تقسیم ہو جاؤ گے۔(2)رب العزت نے فرمایا:﴿ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ج فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ج وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ج وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴾ ''پھر ہم نے اس کتاب کا وارث اُن لوگوں کو بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب فرمایا چنانچہ اُن میں سے کوئی اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے، اور ان میں سے کوئی میانہ رَو ہے اور کوئی اللہ تعالیٰ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والا ہے، یہی بہت بڑا فضل ہے۔(فاطر:32)(3) قیامت کے دن لوگ مقرب، اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال میں تقسیم ہو جائیں گے۔

﴿ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ (8)﴾

''پس دائیں ہاتھ والے، کیا ہی خوب ہیں دائیں ہاتھ والے!''(8)

سوال1:﴿ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ،﴾ '' پس دائیں ہاتھ والے، کیا ہی خوب ہیں دائیں ہاتھ والے!'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ﴾'' پس دائیں ہاتھ والے'' یعنی جن لوگوں کو ان کے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔(2)﴿ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ﴾ یعنی دائیں ہاتھ والے کیا ہی خوب ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو آدم علیہ السلام کی دائیں کروٹ سے نکلے۔ یہ تمام جنتی ہیں جو دائیں جانب چلائے جائیں گے۔(3)دائیں ہاتھ والوں یعنی اہل جنت کی خوش نصیبی اور خیر و برکت کا کیا کہنا۔ اور ان کے حالات کی برتری کو یہ سوال ظاہر کر رہا ہے۔ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دائیں جانب جگہ ملے گی۔

سوال2: دائیں ہاتھ والوں سے کون لوگ مراد ہیں؟

جواب: دائیں ہاتھ والوں سے مراد مومن ہیں۔

سوال3: مومنوں کو دائیں ہاتھ والا کیوں کہا گیا ہے؟

جواب: (1) مومنوں کا اعمال نامہ اُن کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اس لئے انہیں دائیں ہاتھ والے کہا گیا ہے۔(2) دایاں ہاتھ خوش بختی کی علامت ہے اور دائیں ہاتھ والے کامیاب ہونے کی وجہ سے خوش بخت ہوں گے۔

﴿وَاَصۡحٰبُ الۡمَشۡئَمَةِ ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡئَمَةِ (۹)﴾

''اور بائیں ہاتھ والے کیا ہی برے ہیں بائیں ہاتھ والے''!(9)

سوال1: ﴿وَاَصۡحٰبُ الۡمَشۡئَمَةِ ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡئَمَةِ﴾ ''اور بائیں ہاتھ والے کیا ہی برے ہیں بائیں ہاتھ والے!'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاَصۡحٰبُ الۡمَشۡئَمَةِ﴾ ''اور بائیں ہاتھ والے'' یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کے اعمال نامے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔اور بائیں جانب چلائے جائیں گے۔یہ عام جہنمی لوگ ہوں گے۔(اللّٰھُمَّ اَجِرۡنَا مِنَ النَّارِ اے اللہ ہمیں جہنم سے بچا)۔(2)﴿مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡئَمَةِ ﴾ ''کیا ہی برے ہیں بائیں ہاتھ والے!'' بد بخت گروہ والوں کی شقاوت کا نہ پوچھو، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ بائیں جانب کھڑا کرے گا۔

سوال2: بائیں ہاتھ والوں سے کون لوگ مراد ہیں؟

جواب: بائیں ہاتھ والوں سے مراد کافر ہیں۔

سوال3: کافروں کو بائیں ہاتھ والا کیوں کہا گیا ہے؟

جواب: کافروں کو بائیں ہاتھ والا اس لئے کہا گیا کہ اُن کا نامۂ اعمال انہیں بائیں ہاتھ میں پکڑایا جائے گا۔

﴿وَالسّٰبِقُوۡنَ السّٰبِقُوۡنَ (۱۰)﴾

''اور جو سبقت لے جانے والے تو سبقت لے جانے والے ہی ہیں''(10)

سوال: ﴿وَالسّٰبِقُوۡنَ السّٰبِقُوۡنَ﴾ ''اور جو سبقت لے جانے والے تو سبقت لے جانے والے ہی ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)''اور جو سبقت لے جانے والے تو سبقت لے جانے والے ہی ہیں'' اس سے مراد خاص مومن ہیں۔یہ تیسری قسم کے لوگ ہیں جو دوسروں سے سبقت لے جانے والے ہیں۔سابقون ایمان میں سبقت لے جانے والے ہیں۔سابقون نیکی کے کاموں میں دوسروں سے بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے ہیں۔(2) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ تم جانتے ہو کہ قیامت کے روز ظلِ اللہ کی طرف سبقت کرنے والے کون لوگ ہوں گے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا: اللہ و رسولہ

اعلم آپ ﷺ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کوحق کی طرف دعوت دی جائے تو اس کو قبول کریں اور جب ان سے حق مانگا جائے تو ادا کردیں اور لوگوں کے معاملات میں وہ فیصلہ کریں جو اپنے حق میں کرتے ہیں۔(مسند احمد)(3) مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ سابقین سے مراد انبیاء ہیں، ابن سیرین نے فرمایا کہ جن لوگوں نے دونوں قبلوں یعنی بیت المقدس اور بیت اللہ کی طرف نماز پڑھی ہے وہ سابقین ہیں اور سیدنا حسن وقتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہرامت میں سابقین ہوں گے، بعض مفسرین نے فرمایا کہ مسجد کی طرف سب سے پہلے جانے والے سابقین ہوں گے۔(تفسیر معارف القرآن:270/8)(4) یہ وہ لوگ ہیں جو انبیاء کی دعوت میں سبقت کرنے والے، بھلائیوں میں سبقت کرنے والے ہیں۔رب العزت نے فرمایا:﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾''اور اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑ و جس کی وسعت آسمانوں اور زمین جتنی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔''(آل عمران:133)(5)﴿ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴾ دوڑو اپنے رب کی مغفرت اور اُس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی جتنی ہے، اُن لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور اُس کے رسولوں پر ایمان لائے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے ہی فضل والا ہے۔(الحدید:21)

﴿ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ (۱۱) ﴾

''یہی لوگ مقرب ہیں''۔(11)

سوال:﴿ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴾''یہی لوگ مقرب ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)''یہی لوگ مقرب ہیں'' سابقون کو ربّ تعالیٰ کے قرب کی نعمت سے نوازا جائے گا۔یہ قرب سب سے بڑا اعزاز ہے۔(2) سابقون سدابہار جنتوں میں ہوں گے۔اعلیٰ علیین میں بلند مقام پر ہوں گے۔

﴿ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ (12) ﴾

''نعمت بھری جنتوں میں ہیں''(12)

سوال:﴿ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴾''نعمت بھری جنتوں میں ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)''نعمت بھری جنتوں میں ہیں''یعنی نعمتوں بھرے دائمی باغات میں ہوں گے۔(2) مقرب لوگوں کی بہت عزت کی جائے گی۔(ایسر التفاسیر:1568) ان کے درجات اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلند ہوں گے۔(فتح القدیر:183/5)(3) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت

ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک خیمے میں تقریباً چالیس آدمی ہوں گے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم اس بات سے خوش ہو کہ تمھاری تعداد اہل جنت کی چوتھائی ہو؟'' ہم نے کہا، ہاں! (ہم خوش ہیں)۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ''کیا تم اس بات پر خوش ہو کہ تمہاری تعداد اہل جنت کی ایک تہائی ہو؟'' ہم نے کہا، ہاں! (ہم خوش ہیں)۔ آپ ﷺ نے (تیسری بار) فرمایا: ''اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! مجھے امید ہے کہ تمہاری تعداد اہل جنت کی نصف ہوگی۔ اور یہ اس لیے کہ جنت میں صرف وہی جائے گا جو مسلما ن ہے اور مسلمان مشرکوں کے اندر ایسے ہیں جیسے ایک سفید بال سیاہ بیل کی کھال میں ہو یا ایک سیاہ بال ایک لال بیل کی کھال میں ہو '' (مسلم:530) (4) سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کا سب زمانوں سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر ان لوگوں کا جو اس زمانہ کے بعد آئیں گے، پھر ان لوگوں کا جو اس زمانہ کے بعد آئیں گے۔'' (بخاری:3650) (5) سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ (حق پر رہ کر) غالب رہے گی۔ (ان کے دشمن انہیں نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، ان کے مخالف انہیں رسوا اور پست نہیں کر سکیں گے) یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی اور وہ لوگ غالب ہی رہیں گے۔'' (بخاری:7311۔ مسلم:395) (6) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں سے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔'' (مسلم:520)

﴿ثُلَّـةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ (13)﴾

''پہلے لوگوں میں سے بڑی جماعت ہیں''۔ (13)

سوال: ﴿ثُلَّـةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ﴾ ''پہلے لوگوں میں سے بڑی جماعت ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ثُلَّـةٌ﴾ سے مراد ایسا گروہ ہے جس کو گننا ناممکن ہے۔ (2) ﴿مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ﴾ سے مراد سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر محمد رسول اللہ ﷺ کی اُمت کے لوگ ہیں۔ (3) امام احمد بن منذر اور ابن ابی حاتم نے سند غیر معروف کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿ثُلَّـةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۱۳ لا وَقَلِيْـلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ﴾ تو یہ چیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہ پر گراں گزری اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿ثُلَّـةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۱۳ لا وَقَلِيْـلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ.﴾ (4) ابن عسا کر نے ''تاریخ دمشق'' میں اسی سند کے ساتھ جس میں نظر ہے بطریق عروہ بن رویم جابر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ جس وقت سورہ واقعہ نازل ہوئی اور اس میں ﴿ثُـلَّـةٌ مِّـنَ الْاَوَّلِيْـنَ ۱۳ لا وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ﴾ یہ آیت نازل ہوئی تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: رسول اللہ ﷺ ایک بڑا گروہ اگلوں میں سے اور تھوڑا سا ہم میں سے تو اس پر سورت کا آخری حصہ ایک سال تک رکا رہا تب یہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿ثُـلَّـةٌ مِّـنَ الْاَوَّلِيْـنَ ۱۳ لا وَقَلِيْـلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ﴾ تب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: عمر آ ؤ اور جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اسے سنو یعنی ﴿ثُـلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۱۳ لا

وَقَلِيلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْن ﴾اورابن ابی حاتم نے عروہ بن رویم سے مرسلاً اورسعید بن منصور نے اپنی سنن میں اوربیہقی نے بعث میں عطاء مجاہد سے روایت نقل کی ہے۔کہ جب اہل طائف نے اس وادی کی درخواست کی جو کہ ان کے لیے تیار کی جائے اوراس میں شہد ہو چنانچہ ایسا ہی ہوااوروہ بہت اچھی وادی تھی تو لوگوں کو کہتے ہوئے سنا کہ جنت میں ایسی ایسی چیزیں ہیں اس پر اورلوگوں نے کہا کاش جنت میں ہمارے لیے اس وادی کی طرح وادی ہواس پر یہ آیت نازل ہوئی یعنی ''اور جو دائیں والے ہیں۔وہ دائیں والے کچھ اچھے ہیں'' اورامام بیہقی نے دوسرے طریق سے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ لوگ وادی بوج اوراس کے سایہ اوراس کے کیلوں اور بیروں پر تعجب کیا کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور جو داہنے والے ہیں۔۔۔۔(الخ)(تفسیرابن عباس:3/ 323,324)

﴿ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ (14) ﴾

''اور پچھلے لوگوں میں سے کم ہیں'' (14)

سوال: ﴿وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْن﴾ ''اور پچھلے لوگوں میں سے کم ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)''اور پچھلے لوگوں میں سے کم ہیں'' یہ آیت کریمہ اولین کی آخرین پر فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔(2) ان آیات میں اولین اور آخرین کی تعیین میں اختلاف کی بناء پر ان آیات کے تین مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اولین سے مراد سابقہ امتوں کے لوگ لیے جائیں اور آخرین سے مراد اس امت کے۔اس لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ سابقہ انبیاء پر ایمان لانے والوں ،حق کے معرکہ میں دوسروں سے آگے نکل جانے والوں اور خیر و بھلائی کے کاموں میں سبقت کرنے والوں کی تعداد اس امت کے سابقین کی تعداد سے بہت زیادہ ہوگی۔دوسرے یہ کہ اولین اور آخرین سے مراد ہماری ہی امت مسلمہ کے لوگ ہوں۔اس لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ اس کے اولین یعنی صحابہ کرام تابعین، تبع تابعین میں سے سابقین کی تعداد آخرین سے بہت زیادہ ہوگی۔تیسرے یہ کہ اولین اور آخرین سے مراد ہر نبی کی امت کے اولین اور آخرین لیے جائیں۔اس لحاظ سے یہ ایک اصل بن جائے گا۔یعنی ہر نبی کی امت کے اولین میں سے سابقین کی تعداد آخرین میں سابقین کی تعداد سے زیادہ ہوا کرتی ہے۔(تیسیر القرآن:4/358)(3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ہم دنیا میں تمام امتوں کے بعد ہونے کے باوجود قیامت میں سب سے آگے رہیں گے۔فرق صرف یہ ہے کہ کتاب انہیں ہم سے پہلے دی گئی تھی۔یہی (جمعہ) ان کا بھی دن تھا جو تم پر فرض ہوا ہے لیکن ان کا اس کے بارے میں اختلاف ہوا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ دن بتا دیا اس لئے لوگ اس میں ہمارے تابع ہوں گے۔یہود دوسرے دن ہوں گے اور نصاریٰ تیسرے دن۔(صحیح بخاری:876)

﴿عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ (15)﴾

''سونے اور جواہرات سے بنے ہوئے تختوں پر ہوں گے۔'' (15)

سوال: ﴿عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ﴾ ''سونے اور جواہرات سے بنے ہوئے تختوں پر ہوں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''سونے اور جواہرات سے بنے ہوئے تختوں پر ہوں گے'' ﴿مَّوْضُوْنَة﴾ باریک بنی ہوئی یا سونے کے تاروں سے بنی ہوئی چیز کو کہتے ہیں۔ (2) مقربین جو اللہ تعالیٰ کے خاص لوگ ہیں وہ سونے اور موتیوں اور یاقوت سے بُنے ہوئے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

﴿مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ (16)﴾

''تکیہ لگائے ہوئے اُن پر وہ آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے''۔ (16)

سوال: ﴿مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ﴾ ''تکیہ لگائے ہوئے اُن پر وہ آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''تکیہ لگائے ہوئے اُن پر'' یعنی وہ ان تختوں پر انتہائی اطمینان اور آرام سے ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے۔ (2) ﴿مُتَقٰبِلِيْنَ﴾ ''وہ آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے'' باہمی محبت اور ایک دوسرے کا ادب اور لحاظ رکھنے کی وجہ سے کوئی کسی کی طرف پشت نہیں کرے گا۔ ہر ایک کا چہرہ دوسرے کی طرف ہوگا۔ (3) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ (۴۵) اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ (۴۶) وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ (۴۷)﴾ بلاشبہ متقی باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ سلامتی اور امن کے ساتھ ان میں داخل ہو جاؤ۔ اور ان کے سینوں میں سے کینہ ہم کھینچ نکالیں گے، وہ آمنے سامنے تختوں پر بھائی بھائی ہوں گے۔ (الحجر:45-47)

﴿يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ (17)﴾

''ان پر نوخیز لڑکے چکر لگائیں گے جو ہمیشہ (لڑکے ہی) رکھے جائیں گے۔'' (17)

سوال: ﴿يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ﴾ '' ان پر نوخیز لڑکے چکر لگائیں گے جو ہمیشہ (لڑکے ہی) رکھے جائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) '' ان پر نوخیز لڑکے چکر لگائیں گے جو ہمیشہ (لڑکے ہی) رکھے جائیں گے'' جنت میں اہل جنت کی خدمت کے لئے انتہائی حسین وجمیل لڑکے گھومیں گے۔ (2) جن کے بارے میں رب العزت نے فرمایا: ﴿وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ﴾ '' اور اُن کے لیے نوعمر غلام پھر رہے ہوں گے گویا وہ چھپا کر رکھے موتی ہوں''۔ (الطور:24) (3) ﴿مُّخَلَّدُوْن﴾ ''جو ہمیشہ (لڑکے ہی) رکھے

جائیں گے''یعنی ایک ہی عمر میں رہنے والے۔ نہ ان کی شکلیں بدلیں گی نہ ان پر جوانی آئے گی نہ بڑھاپا۔ وہ ہمیشہ رہنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔(4) جنت کے خدمت گار مشروبات لے کر ان کے درمیان گھومیں گے۔

﴿ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿18﴾﴾

''اُن پر جاری چشمے کی شراب کے ساغر، صراحیاں اور جام پیش کریں گے''۔(18)

سوال:﴿بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ﴾''اُن پر جاری چشمے کی شراب کے ساغر، صراحیاں اور جام پیش کریں گے''کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿بِاَكْوَابٍ﴾''ساغر''یعنی ایسے پیالوں کے ساتھ جن کے ہینڈل نہیں ہوتے۔(2)﴿وَّاَبَارِيْقَ﴾''صراحیاں''اور ایسی صراحیوں کے ساتھ جن کے ہینڈل ہوتے ہیں۔(3)﴿وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ﴾''اور جام پیش کریں گے جاری چشمے کی شراب کے''اور ایسے جام جن میں شراب طہور چھلک رہی ہوگی۔ جو شراب کی جاری نہر سے بھرے جائیں گے۔(4) یہ شراب انتہائی لذیذ ہوگی جس میں نشہ نہیں ہوگا۔(5) اس شراب کو نازک اندام ساقی اہل جنت کو پیش کریں گے۔

﴿ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴿19﴾﴾

''اس سے نہ وہ سر درد میں مبتلا ہوں گے اور نہ وہ بہکیں گے۔''(19)

سوال:﴿لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ﴾''اس سے نہ وہ سر درد میں مبتلا ہوں گے اور نہ وہ بہکیں گے''کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا﴾''اس سے نہ وہ سر درد میں مبتلا ہوں گے''سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کی شراب کو چار عیبوں سے محفوظ رکھا ہے۔ نشہ، سر درد، قے، پیشاب۔(2) دنیا کی شراب کی طرح جنت کی شراب سر درد میں مبتلا نہیں کرے گی۔(3) اس شراب کو پینے سے عقل زائل ہوگی نہ ہوش و حواس ساتھ چھوڑیں گے۔(4) یہ بے پناہ سرور اور کیف کرنے والی پاک شراب ہوگی۔(5) رب العزت کا فرمان ہے:﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ڬ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۭ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَاۗءَهُمْ ﴿15﴾﴾''جنت کی مثال جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے اس میں پانی کی نہریں ہیں جو بدلنے والا نہیں اور دودھ کی نہریں ہیں جس کا مزہ تبدیل نہیں ہوا اور شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لیے لذیذ ہیں اور خوب صاف کیے ہوئے شہد کی نہریں ہیں اور اُن کے لیے اس میں ہر طرح کے پھل ہیں اور اُن کے رب کی طرف سے بخشش

ہے، کیا وہ اُس کی طرح ہیں جو آگ میں ہمیشہ رہنے والا ہے؟ اور اُن کو گرم کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا تو وہ اُن کی آنتیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دے گا۔(محمد:15)(6)﴿يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَأْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿٤٥﴾ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿٤٦﴾ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿٤٧﴾﴾ ''ان پر صاف بہتی ہوئی شراب کے ساغر پھرائے جائیں گے۔ سفید، پینے والوں کے لیے لذیذ ہوگی۔ نہ اُس میں دردِ سر ہوگا اور نہ وہ پی کر مدہوش کیے جائیں گے۔(الصافات:47-45)

﴿وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ﴿20﴾﴾

''اور پھل بھی جو وہ پسند کریں گے''(20)

سوال:﴿وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ﴾''اور پھل بھی جو وہ پسند کریں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَفَاكِهَةٍ﴾'' اور پھل''اہل جنت کو ان کی پسند کے پھل پیش کیے جائیں گے۔(2)﴿مِمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ﴾ جو وہ پسند کریں گے۔ وہ لذیذ اور خوش ذائقہ پھل منتخب کریں گے۔ انہیں یہ پھل انتہائی قرینے سے پیش کیے جائیں گے۔

﴿وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ﴿21﴾﴾

''اور پرندوں کا گوشت بھی جس کی وہ خواہش کریں گے''۔(21)

سوال:﴿وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ﴾'' اور پرندوں کا گوشت بھی جس کی وہ خواہش کریں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَلَحْمِ طَيْرٍ﴾''اور پرندوں کا گوشت''اہل جنت کو ہر قسم کے پرندوں کا گوشت پیش کیا جائے گا۔(2)﴿مِمَّا يَشْتَهُوْنَ﴾''جس کی وہ خواہش کریں گے'' جنتی جس قسم کا گوشت چاہیں گے انہیں سلیقے سے پیش کیا جائے گا۔(3) سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''جنت کے پرندے بختی اونٹوں کی طرح ہوں گے اور وہ جنت کے درختوں سے چریں گے۔'' ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! یہ پرندے تو خوب موٹے تازے ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:''انہیں کھانے والے ان سے بھی بڑھ کر صحت مند ہوں گے۔'' یہ آپ نے تین بار فرمایا:''البتہ مجھے امید ہے کہ تم بھی اے ابوبکر! ان کھانے والوں میں سے ہو گے۔'' (مسند احمد:13316)(4) پرندوں کا گوشت لذت، غذائیت اور قوت تینوں اعتبار سے چوپاؤں کے گوشت سے اعلیٰ اور عمدہ ہوتا ہے۔ لہٰذا بالخصوص پرندوں کے گوشت کا ذکر کیا گیا۔(تیسیر القرآن:359/4)

﴿وَحُوْرٌ عِيْنٌ﴿22﴾﴾

''اور گورے جسم، سیاہ بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں(ہوں گی)''(22)

سوال:﴿وَحُوۡرٌ عِیۡنٌ﴾'' اور گورے جسم، سیاہ بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں (ہوں گی)'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَحُـوۡرٌ﴾'' اور گورے جسم والی عورتیں'' جنت میں بڑی بڑی آنکھوں والی، گوری عورتیں اہل جنت کے لئے ہوں گی۔(2) اَلۡحَوۡرَاء اس عورت کو کہا جاتا ہے جس کی آنکھیں سرمگیں ہوں اور ان میں ملاحت اور حسن و جمال ہو۔ بڑی بڑی حسین آنکھوں والی عورتوں کو کہا جاتا ہے۔(3)﴿عِیۡنٌ﴾ عورت کی آنکھوں کا حسن، اس کے حسن و جمال کی سب سے بڑی دلیل ہے۔(تفسیر سعدی:2684/3)

﴿کَاَمۡثَالِ اللُّؤۡلُؤِ الۡمَکۡنُوۡنِ ﴿23﴾﴾

''گویا چھپا کر رکھے ہوئے موتی ہوں۔''(23)

سوال:﴿کَاَمۡثَالِ اللُّؤۡلُؤِ الۡمَکۡنُوۡنِ﴾''گویا چھپا کر رکھے ہوئے موتی ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)''گویا چھپا کر رکھے ہوئے موتی ہوں''چھپے ہوئے موتیوں کو سنبھال کر رکھا جاتا ہے جن کو نہ چھوا جاتا ہے نہ اُن پر نظر پڑتی ہے۔جنتی عورت کی پاکیزگی کو واضح کرنے کے لئے چھپے ہوئے موتی سے تشبیہ دی گئی کہ اُس عورت کو نہ کسی نے چھوا ہے نہ اُس پر کسی کی نظر پڑی ہے۔اس سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ اسلام کے نزدیک عورت قیمتی متاع ہے جس تک نہ ہر نظر کی رسائی ہونی چاہئے نہ ہاتھوں کی رسائی ممکن ہونی چاہئے۔عورت قیمتی ہے، چھپا کر رکھے جانے کے لائق ہے۔قیمتی چیز کی حفاظت ضروری ہے۔اسی لئے اسلام نے عورت کو باہر نکلنے کی صورت میں حجاب کا اور بصورتِ دیگر گھروں میں وقار کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے۔(2) سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کہا ے: رسول اللہ حور عین کی خبر مجھے دیجئے آپ ﷺ نے فرمایا: وہ گورے رنگ کی ہیں، بڑی بڑی آنکھوں والی ہیں، سخت سیاہ اور بڑے بڑے بالوں والی ہیں جیسے گدھ کا پر۔ میں نے کہا: لـو لـو مکـنـون کی بابت خبر دیجئے۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان کی صفائی اور جوت مثل اس موتی کے ہیں جو سیپ سے ابھی ابھی نکلا ہو جسے کسی کا ہاتھ بھی نہ لگا ہو، میں نے کہا خیـــرات حســـان کی کیا تفسیر ہے؟ فرمایا: خوش خلقی خوبصورت۔ میں نے کہا بیض مکنون سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: ان کی نزاکت اور نرم انڈے کی اس جھلی کی مانند ہوں گے جو اندر ہوتی ہے، میں نے عربا اترابا کے معنی دریافت کئے، فرمایا اس سے مراد دنیا کی مسلمان جنتی عورتیں ہیں جو بالکل بڑھیا پھوس تھیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں نئے سرے سے پیدا کیا اور کنواریاں خاوندوں کی چہیتیاں اور خاوندوں سے عشق رکھنے والیاں اور ہم عمر بنا دیں، میں نے پوچھا یا رسول اللہ دنیا کی عورتیں افضل ہیں یا حور عین؟ فرمایا دنیا کی عورتیں حور عین سے بہت افضل ہیں جیسے استر سے ابر بہتر ہوتا ہے، میں نے کہا اس فضیلت کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: نمازیں، روزے اور اللہ تعالیٰ کی عبادتیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے چہرے نور سے اور ان کے جسم ریشم سے سنوار دیئے ہیں۔(ابن کثیر:255)

﴿جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿24﴾﴾

''اُن کاموں کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے''۔(24)

سوال: ﴿جَزَآءً م بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾''اُن کاموں کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اُن کاموں کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے۔'' اہل جنت کو تحفے اور انعام میں جنت دی جائے گی۔ (2) جو ان کے رب کی طرف سے ایمان لانے کے بعد نیک اعمال، توحید اور نافرمانیوں کو چھوڑنے کی جزا ہوگی۔(ایسر التفاسیر: 1569) (3) ﴿كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ (١٧) وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (١٨) وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (١٩)﴾ ''رات کو وہ بہت کم سویا کرتے تھے۔ اور سحری کے اوقات میں وہ بخشش مانگا کرتے تھے۔ اور اُن کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق تھا۔'' (الذاریات: 17-19)

﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا(25)﴾

''نہ اُس میں وہ بے ہودہ گفتگو سُنیں گے اور نہ کوئی گناہ میں ڈالنے والی بات۔''(25)

سوال: ﴿ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴾'' نہ اُس میں بے ہودہ گفتگو سُنیں گے اور نہ کوئی گناہ میں ڈالنے والی بات'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا ﴾''نہ اس میں وہ سنیں گے'' یعنی وہ نعمتوں بھری جنت میں کوئی ایسی چیز نہیں سنیں گے جو ان کی زندگی کی لذتوں کو مکدر کر دے۔ (2) ﴿ لَغْوًا ﴾''بے ہودہ گفتگو'' یعنی فحش کلام: لغو بیکار باتیں، کمزوری یا برائی کا کوئی کلام ان کے کانوں نہیں پڑے گا۔ (3) ﴿ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً (١١) ﴾''اُس میں وہ کوئی لغو بات نہ سنیں گے۔'' (الغاشیہ: 11) (4) ﴿وَّلَا تَاْثِيْمًا﴾'' اور نہ کوئی گناہ میں ڈالنے والی بات'' جو کہنے سننے والے کو گناہ گار کر دے۔ (5) جنت کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت جس کا قرآن مجید میں بہ تکرار ذکر آیا ہے، یہ ہے کہ وہاں کی سوسائٹی نہایت پاکیزہ اخلاق والی ہوگی۔ ان میں بدتمیزی اور بدزبانی کا نام ونشان تک نہ ہوگا۔ ان کی گفتگو ہر قسم کے عیوب سے پاک ہوگی۔ (تفسیر ترجمان القرآن: 440،439/3)

﴿ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا (26)﴾

''مگر یہ کہنا کہ سلام ہے، سلام ہے''۔(26)

سوال: ﴿اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴾ ''مگر یہ کہنا کہ سلام ہے، سلام ہے'' کی وضاحت کریں ؟

جواب: (1) ''مگر یہ کہنا کہ سلام ہے، سلام ہے'' اہل جنت کو چاروں طرف سے سلام پر سلام کی آواز آئے گی۔ (2) اہل جنت آپس میں ایک دوسرے کو سلام کریں گے تو اس کی آوازیں کانوں میں پڑیں گی۔ (2)﴿دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ج

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ ''اُن کی دعا اس میں یہ ہوگی ''پاک ہے تو اے اللہ''! ان کی آپس کی دعا اس میں سلام ہوگی اور اُن کی دعا کا اختتام یہ ہوگا کہ ''سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے''۔(یونس: 10) (3) اہل جنت کی ہر بات گناہ سے سلامتی والی ہوگی۔(4) یعنی سوائے اچھی بات کے، کوئی بات نہیں سنیں گے کیونکہ یہ پاک لوگوں کا گھر ہوگا، اس میں صرف پاک چیزیں ہوں گی۔ یہ آیات کریمہ دلالت کرتی ہیں کہ اہل جنت ایک دوسرے سے مخاطب ہونے میں حسن ادب سے کام لیں گے، ان کا کلام بہترین کلام اور دلوں کوخوش کرنے والا ہوگا، ہر قسم کی لغویات اور گناہ سے پاک ہوگا، ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں بھی اہل جنت میں شامل کرے۔(تفسیر سعدی: 2685/3)

﴿وَاَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ۙ۵ مَآ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ (27)﴾

''اور دائیں ہاتھ والے، کیا ہی خوب ہیں دائیں ہاتھ والے!''(27)

سوال: ﴿وَاَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ۙ۵ مَآ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ﴾ ''اور دائیں ہاتھ والے، کیا ہی خوب ہیں دائیں ہاتھ والے!'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَاَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ﴾ ''اور دائیں ہاتھ والے'' اس سے مراد تمام مومن ہیں۔(2) ﴿مَآ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ﴾ ''کیا ہی خوب ہیں دائیں ہاتھ والے!'' یعنی نیک لوگوں کا حال بھی کتنا شاندار ہوگا۔

﴿فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ (28)﴾

''وہ بیریوں میں ہوں گے جن کے کانٹے دور کیے گئے ہیں''۔(28)

سوال: ﴿فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ﴾ ''وہ بیریوں میں ہوں گے جن کے کانٹے دور کیے گئے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿سِدْرٍ﴾ بیری کے درخت کو کہتے ہیں جس کے ساتھ کانٹے ہوتے ہیں۔(2) ﴿فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ﴾ ''وہ بیریوں میں ہوں گے جن کے کانٹے دور کیے گئے ہیں'' یعنی بیری کے کانٹے اور ردی قسم کی ضرر رساں شاخیں تراش دی گئی ہوں گی اور ان کی جگہ نہایت لذیذ پھل لگا دیے جائیں گے۔ گہرا سایہ اور راحت جسم، بیری کے درخت کے خواص میں شمار ہوتے ہیں۔(تفسیر سعدی: 2685/3)
(3) سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین آپس میں کہا کرتے تھے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ ہمیں بدوؤں کے مسائل دریافت کرنے سے بڑا فائدہ پہنچاتا ہے چنانچہ ایک مرتبہ ایک بدو نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ایک ایسے درخت کا ذکر فرمایا ہے جو جنت میں ہوگا حالانکہ وہ تکلیف دہ درخت ہے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا ''وہ

کون سا؟ کہنے لگا''بیری!اس لئے کہ اس میں تو کانٹے ہوتے ہیں جو چبھتے ہیں۔''فرمایا''کیا اللہ تعالیٰ نے''مخضود''نہیں فرمایا یعنی یہ کہ اس بیری کے کانٹے صاف کر دیئے جائیں گے؟اللہ تعالیٰ ہر کانٹے کی جگہ ایک بیرا گائے گا اور ہر بیر میں بہتر کھانوں کے مزے ہوں گے''۔(شوکانی)(اشرف الحواشی:638/1)(4)﴿مَّخۡضُوۡدٍ﴾ ''جن کے کانٹے دور کیے گئے ہیں''اللہ تعالیٰ نے اس کے کانٹوں کی جگہ پھل پیدا کیے ہیں۔ان بیروں کے ذائقے الگ الگ ہوں گے۔

﴿وَّطَلۡحٍ مَّنۡضُوۡدٍ ﴿29﴾﴾

''اور تہ بہ تہ لگے ہوئے کیلوں میں ہوں گے۔''(29)

سوال:﴿وَّطَلۡحٍ مَّنۡضُوۡدٍ﴾''اور تہ بہ تہ لگے ہوئے کیلوں میں ہوں گے''کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَّطَلۡحٍ﴾''اور کیلوں میں ہوں گے''معروف درخت ہے،یہ بہت بڑا درخت ہوتا ہے جو صحراؤں میں اگتا ہے،اس کی شاخیں لذیذ اور مزیدار پھل سے لدی ہوئی ہوتی ہیں۔(تفسیر سعدی:2685/3)(2)﴿مَّنۡضُوۡدٍ﴾''تہ بہ تہ لگے ہوئے''یعنی تہہ بہ تہہ پھلوں والا،پھلوں سے لدا پھندا جیسے کیلوں کا خوشہ ہوتا ہے کہ اس پر اوپر تلے پھلیاں ہوتی ہیں۔(مختصر ابن کثیر:1988/2)(3)ان دونوں درختوں کا ذکر خاص طور پر اس لیے کیا گیا کہ قریش ان کی میٹھی اور گھنی چھاؤں کو پسند کرتے تھے۔(4)ابوسعید کہتے ہیں طلح یا کیلا،یمن والے کیلے کو طلح اور حجازی موز کہتے ہیں۔(السراج المنیر:1988/2)

﴿وَّظِلٍّ مَّمۡدُوۡدٍ ﴿30﴾﴾

''اور پھیلی ہوئی چھاؤں میں''(30)

سوال:﴿وَّظِلٍّ مَّمۡدُوۡدٍ﴾''اور پھیلی ہوئی چھاؤں میں''کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اور پھیلی ہوئی چھاؤں میں''ابن مسعود کہتے ہیں جنت میں ایسا سماں رہے گا۔جیسے طلوع فجر سے طلوع آفتاب کے درمیان رہتا ہے۔رب العزت نے فرمایا:﴿وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدۡخِلُهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ لَهُمۡ فِيۡهَاۤ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّنُدۡخِلُهُمۡ ظِلًّا ظَلِيۡلًا ﴿۵۷﴾﴾اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے انہیں جلد ہی ہم ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی،ہمیشہ رہنے والے ہیں ان میں ہمیشہ ہمیشہ،اُن کے لیے اس میں نہایت پاک صاف بیویاں ہوں گی اور ہم انہیں بہت گھنے سائے میں داخل کریں گے۔(النساء:57)﴿مَثَلُ الۡجَنَّةِ الَّتِىۡ وُعِدَ الۡمُتَّقُوۡنَ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ تِلۡكَ عُقۡبَى الَّذِيۡنَ اتَّقَوْا ۖ وَّعُقۡبَى الۡكٰفِرِيۡنَ النَّارُ﴾ جنت

کی مثال جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے، اُس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اُس کا پھل اور اُس کا سایہ دائمی ہیں۔ یہ اُن لوگوں کا انجام ہے جو متقی بنے اور کافروں کا انجام آگ ہے۔(الرعد:35)﴿ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴾ بلاشبہ متقی لوگ سایوں میں اور چشموں میں ہوں گے۔ (المرسلات:41)(السراج المنیر :1988/2)(2)سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت میں ایک درخت طویل ہوگا سوار اس کے سائے میں سوسال تک چلے گا اور پھر بھی اس کا سایہ ختم نہ ہوگا اور اگر تمہارا جی چاہے تو آیت ظل ممدود کی قرأت کرلو۔(صحیح بخاری:4881)(3)سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ جس کے سایہ میں اگر عمدہ اور تیز رفتار گھوڑے کا سوار سو برس تک چلتا رہے تو پھر بھی اس سائے کو طے نہیں کر سکے گا۔''(بخاری:6535)

﴿ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ (31) ﴾

''اور ایسے پانی میں جو گرایا جارہا ہے''(31)

سوال:﴿ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴾''اور ایسے پانی میں جو گرایا جارہا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اور ایسے پانی میں جو گرایا جارہا ہے''یعنی بہت سے چشموں اور بہتی ہوئی ندیوں کا بہتا اور اچھلتا ہوا پانی ہے۔ (تفسیر سعدی: 2685/3) (2)یہ پانی ہموار زمین پر بہتا ہے گڑھوں میں نہیں۔(السراج المنیر :1988/2)

﴿وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ (32)﴾

''اور کثیر پھلوں میں۔''(32)

سوال:﴿ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴾''اور کثیر پھلوں میں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اور کثیر پھلوں میں''یعنی اہل جنت کے پاس قسم قسم کے کثیر پھل ہوں گے جن کو آنکھوں نے دیکھا، نہ کانوں نے نہ سنا اور نہ دل میں کبھی ان کا تصور آیا۔(2)رب العزت نے فرمایا:﴿وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ط كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا لا قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ لا وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ط وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ق وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (٢٥) ﴾ اور اُن لوگوں کو خوشخبری دے دو جو ایمان لے آئے اور جنہوں نے نیک عمل کیے کہ یقیناً اُن کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں جب کبھی اُن میں سے کوئی پھل اُنہیں کھانے کو دیا جائے گا تو وہ کہیں گے:''یہ وہی پھل ہیں جو اس سے پہلے بھی ہمیں دیئے گئے تھے''اور انہیں ایک دوسرے سے ملتا جلتا دیا جائے گا اور اُن کے لیے وہاں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔(البقرہ:25)

﴿ لَّا مَقۡطُوۡعَةٍ وَّلَا مَمۡنُوۡعَةٍ ﴿33﴾ ﴾

''نہ ختم ہونے والے اور نہ روک دیے جانے والے''(33)

سوال: ﴿لَّا مَقۡطُوۡعَةٍ وَّلَا مَمۡنُوۡعَةٍ﴾ ''نہ ختم ہونے والے اور نہ روک دیے جانے والے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ''نہ ختم ہونے والے اور نہ روک دیے جانے والے''یعنی سدا بہار درخت ہوں گے جو پھل ختم ہوگا فوراً دوسرا تیار ہو جائے گا۔(2)نہ ان کا موسم ختم ہوگا اور نہ وہ ختم ہوں گے۔(3)یعنی یہ پھل دنیا کے پھلوں کے مانند نہیں ہوں گے جو کسی وقت ختم ہو جاتے ہیں اور ان کو تلاش کرنے والوں کے لیے ان کا حصول مشکل ہو جاتا ہے بلکہ یہ ہمیشہ کے لیے موجود رہیں گے،ان کو بہت قریب سے چنا جا سکے گا،بندہ مومن ہر حال میں ان کو حاصل کر سکے گا۔(تفسیر سعدی:2686/3)(4)سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں سورج کو گرہن لگا تو رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی،لوگ بھی آپ کے ساتھ تھے۔لوگوں نے کہا،اے اللہ کے رسول!ہم نے دیکھا کہ آپ نے اس جگہ کسی چیز کو پکڑا،پھر ہم نے دیکھا کہ آپ پیچھے تشریف لے آئے،آپ نے فرمایا:''میں نے جنت کو دیکھا تو اس کے انگوروں کے ایک خوشے کو پکڑ لیا اور اگر میں اسے پکڑے رہتا تو تم رہتی دنیا تک اسے کھاتے رہتے۔''(بخاری:748)

﴿ وَّفُرُشٍ مَّرۡفُوۡعَةٍ ﴿34﴾ ﴾

''اور بلند مسندوں میں۔''(34)

سوال:﴿ وَّفُرُشٍ مَّرۡفُوۡعَةٍ ﴾''اور بلند مسندوں میں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اور بلند مسندوں میں''یعنی بلند وبالا،نرم ونازک فرش ہوں گے۔(2)ابی سعید نے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا وفرش مرفوعہ یعنی بچھونے اونچے(یعنی جنتیوں کے)آپ ﷺ نے فرمایا:بلندی ان کی ایسی ہے جیسے زمین سے آسمان اور ان دونوں کے بیچ میں فاصلہ ہے پانچ سو برس کا۔(جامع ترمذی:3294)(3)یعنی ان بچھونوں کو بہت بلند تختوں سے بھی بلند کیا گیا ہوگا۔یہ بچھونے ریشم،سونے،موتیوں اور ایسی ایسی چیزوں سے بنے ہوئے ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔(تفسیر سعدی:2686/3)

﴿ اِنَّاۤ اَنۡشَاۡنٰهُنَّ اِنۡشَآءً ﴿35﴾ ﴾

''بلاشبہ ہم نے انہیں نئے سرے سے پیدا کیا ہے''۔(35)

سوال:﴿ اِنَّاۤ اَنۡشَاۡنٰهُنَّ اِنۡشَآءً ﴾''بلاشبہ ہم نے انہیں نئے سرے سے پیدا کیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:جنت کی عورتوں کو رب العزت نے اس طرح تخلیق کیا ہے کہ ان کو فنا نہیں۔یہ دنیا کی تخلیق سے مختلف ہے۔

﴿ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿36﴾ ﴾

پس ہم نے انہیں کنواریاں بنایا ہے۔(36)

سوال: ﴿ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴾ ''پس ہم نے انہیں کنواریاں بنایا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: پس ہم نے انہیں کنواریاں بنایا ہے'' جنت کی عورتیں دوشیزائیں ہوں گی۔

﴿ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿37﴾ ﴾

شوہر کی محبوب، ان کی ہم عمر ہیں۔(37)

سوال: ﴿ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴾ ''شوہر کی محبوب، ان کی ہم عمر ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''شوہر کی محبوب، ان کی ہم عمر ہیں''العروب اس عورت کو کہا جاتا ہے جو اپنے حسن ہیئت، اپنی ناز وادا، اپنے جمال اور اپنی محبت کی وجہ سے شوہر کو بہت محبوب ہو، یہی وہ عورت ہے کہ جب وہ بات کرتی ہے تو عقلوں کو غلام بنالیتی ہے اور سننے والا چاہتا ہے کہ اس کی بات کبھی ختم نہ ہو، خاص طور پر جب کہ وہ اس نرم اور مترنم آوازوں میں طربیہ نغمے گارہی ہوں گی جب اس کا شوہر اس کے ادب، اس کی ہیئت اور اس کے ناز وادا کی طرف دیکھتا ہے تو اس کا دل فرحت وسرور سے لبریز ہوجاتا ہے، جب وہ اس جگہ سے کسی اور جگہ منتقل ہوجاتی ہے تو وہ جگہ اس کی خوشبو اور نور سے لبریز ہوجاتی ہے، اس میں جماع کے وقت ناز وادا بھی داخل ہے۔اور ﴿ اَلْاَتْـرَابُ ﴾ ان عورتوں کو کہا جاتا ہے جو ایک ہی عمر میں ہوں، یعنی تینتیس سال کی عمر میں ہوں گی جس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ تمنا کی جاتی ہے اور یہ جوانی کی کامل ترین عمر کی انتہا ہے۔ پس ان کی بیویاں ان کو بہت محبوب، ہم عمر، اتفاق اور الفت کرنے والی، راضی رہنے والی ہوں گی اور ان کے شوہر ان پر راضی ہوں گے بلکہ وہ دلوں کی فرحت، آنکھوں کی ٹھنڈک اور نگاہوں کی روشنی ہوں گی۔(تفسیر سعدی:2686/3) (2) رب العزت نے فرمایا: ﴿ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿31﴾ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ﴿32﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿33﴾ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿34﴾ ﴾ یقیناً اللہ تعالیٰ سے ڈر جانے والوں کے لیے کامیابی کا ایک مقام ہے۔باغات اور انگور ہیں۔اور نوخیز ہم عمر لڑکیاں ہیں۔اور چھلکتے ہوئے جام ہیں۔(النباء:34-31)

﴿ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿38﴾ ﴾

''دائیں ہاتھ والوں کے لیے ہوں گی۔''(38)

سوال: ﴿ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴾ ''دائیں ہاتھ والوں کے لیے ہوں گی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''دائیں ہاتھ والوں کے لیے ہوں گی''یعنی یہ دوشیزائیں دائیں ہاتھ والے نیک لوگوں کے لیے ہوں گی۔

رکوع نمبر:15

﴿ثُلَّـةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ (39)﴾

''پہلے لوگوں میں سے ایک بڑا گروہ ہے''(39)

سوال:﴿ثُلَّـةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ﴾ ''پہلے لوگوں میں سے ایک بڑا گروہ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''پہلے لوگوں میں سے ایک بڑا گروہ ہے'' یعنی ماضی کی امتوں میں سے۔(ایسر التفاسیر:1571)(2) اولین میں مقربین زیادہ ہوں گے اور اصحاب الیمین میں بھی بہت سے ہوں گے۔

﴿وَثُلَّـةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ (40)﴾

''اور پچھلے لوگوں میں سے بھی ایک بڑا گروہ ہے۔''(40)

سوال:﴿وَثُلَّـةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ﴾ ''اور پچھلے لوگوں میں سے بھی ایک بڑا گروہ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اور پچھلے لوگوں میں سے بھی ایک بڑا گروہ ہے'' آخرین میں مقربین کم ہوں گے جب کہ اصحاب الیمین میں سے بہت ہوں گے۔(2) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ پاک قیامت کے دن سیدنا آدم علیہ السلام سے فرمائے گا، اے آدم وہ عرض کریں گے، میں حاضر ہوں اے رب! تیری فرماں برداری کے لئے۔ پروردگار آواز سے پکارے گا یا فرشتہ پروردگار کی طرف سے آواز دے گا: اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ اپنی اولاد میں سے دوزخ کا جتھا نکالو۔ وہ عرض کریں گے اے پروردگار! دوزخ کا جتھا کتنا نکالوں؟ حکم ہوگا: ہر ہزار آدمیوں میں سے نوسونانوے۔ یہ ایسا سخت وقت ہوگا کہ پیٹ والی کا حمل گر جائے گا اور بچہ بوڑھا ہو جائے گا اور تو قیامت کے دن لوگوں کو ایسے دیکھے گا جیسے وہ نشے میں متوالے ہو رہے ہوں حالانکہ ان کو نشہ نہ ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ایسا سخت ہوگا۔ یہ حدیث جو صحابہ رضی اللہ عنہم حاضر تھے ان پر سخت گزری۔ ان کے چہرے مارے ڈر کے بدل گئے۔ اس وقت محمد رسول اللہ ﷺ نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا تم اتنا کیوں ڈرتے ہو؟ اگر یاجوج ماجوج کی نسل تم سے ملائی جائے تو ان میں سے نوسونانوے کے مقابل تم میں سے ایک آدمی پڑے گا، غرض تم لوگ حشر کے دن دوسرے لوگوں کی نسبت ایسے ہو گے جیسے سفید بیل کے جسم پر کالا بال ہوتا ہے یا جیسے کالے بیل کے جسم پر ایک دو سفید بال ہوتے ہیں اور مجھ کو امید ہے تم لوگ سارے جنتیوں کا چوتھائی حصہ ہو گے۔ یہ سن کر ہم نے اللہ اکبر کہا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا بلکہ تم تہائی ہو گے۔ ہم نے پھر نعرہ تکبیر بلند کیا۔ پھر فرمایا نہیں بلکہ آدھا حصہ ہو گے۔ ہم نے پھر نعرہ تکبیر بلند کیا!(صحیح بخاری:4741)

﴿وَاَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ۙ۬ مَاۤ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ (41)﴾

''اور بائیں ہاتھ والے، کیا ہی بُرے ہیں بائیں ہاتھ والے!'' (41)

سوال: ﴿وَاَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ۙ۬ مَاۤ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ﴾ ''اور بائیں ہاتھ والے، کیا ہی بُرے ہیں بائیں ہاتھ والے!'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاَصۡحٰبُ الشِّمَالِ﴾ ''اور بائیں ہاتھ والے'' یہ وہ لوگ ہوں گے جنہیں میدان حشر میں قیامت کے دن بائیں ہاتھ رکھا جائے گا اور وہ اہل شرک اور نافرمان لوگ ہوں گے۔ (ایسر التفاسیر:1571) (2) ﴿مَاۤ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ﴾ ''کیا ہی بُرے ہیں بائیں ہاتھ والے'' کتنے ہی حقیر ہوں گے بائیں ہاتھ والے جن کے منحوس اعمال انہیں دوزخ کی آگ میں لے جائیں گے۔

﴿فِیۡ سَمُوۡمٍ وَّحَمِیۡمٍ (42)﴾

''وہ انتہائی گرم ہوا اور کھولتے ہوئے پانی میں ہوں گے'' (42)

سوال: ﴿فِیۡ سَمُوۡمٍ وَّحَمِیۡمٍ﴾ ''وہ انتہائی گرم ہوا اور کھولتے ہوئے پانی میں ہوں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فِیۡ سَمُوۡمٍ﴾ ''وہ انتہائی گرم ہوا میں ہوں گے'' یعنی جہنم کی آگ کی لو کی تپش میں ہوں گے۔ وہ اس آگ میں جھلس رہے ہوں گے اور سخت عذاب میں ہوں گے۔ (2) ﴿وَّحَمِیۡمٍ﴾ ''اور کھولتے ہوئے پانی میں'' وہ ایسے کھولتے پانی میں ہوں گے جو ان کے دماغ پگھلا دے گا اور انتڑیاں کاٹ ڈالے گا۔

﴿وَّظِلٍّ مِّنۡ یَّحۡمُوۡمٍ (43)﴾

''اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں ہوں گے'' (43)

سوال: ﴿وَّظِلٍّ مِّنۡ یَّحۡمُوۡمٍ﴾ ''اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں ہوں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں ہوں گے۔'' یحموم۔ حم کے بنیادی معنوں میں سے ایک معنی سیاہ ہونا بھی ہے اور حمۃ بمعنی کوئلہ، راکھ اور آگ میں جلی ہوئی ہر شے اور یحموم ایسے دھوئیں کو کہتے ہیں جو گرم بھی ہو، سیاہ بھی اور غلیظ بھی، یعنی دوزخ کی آگ سے جو سیاہ دھواں اٹھے گا وہ اس کے سایہ میں پناہ لینے جائیں گے۔ (تفسیر تیسیر القرآن:361/4) (2) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰی مَا کُنۡتُمۡ بِهٖ تُکَذِّبُوۡنَ ﴿۲۹﴾ اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰی ظِلٍّ ذِیۡ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِیۡلٍ وَّلَا یُغۡنِیۡ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا تَرۡمِیۡ بِشَرَرٍ کَالۡقَصۡرِ ﴿۳۲﴾ کَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفۡرٌ ﴿۳۳﴾ وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ﴾ ''تم چلو اُس (عذاب) کی طرف جس کو تم جھٹلاتے تھے۔ تم چلو

ایک سائے کی طرف جو تین شاخوں والا ہے۔نہ سایہ کرنے والا ہے اور نہ وہ شعلوں سے (بچانے کے) کام آسکتا ہے۔ بلاشبہ وہ آگ محل جیسی چنگاریاں پھینکے گی۔گویا وہ زرد اُونٹ ہیں۔اُس روز جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے۔'' (المرسلات:29۔34)

﴿لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيمٍ (44)﴾

''نہ ہی ٹھنڈا ہے اور نہ ہی باعزت ہے'' (44)

سوال:﴿لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيمٍ﴾ ''نہ ہی ٹھنڈا ہے اور نہ ہی باعزت ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''نہ ہی ٹھنڈا ہے اور نہ ہی باعزت ہے''یعنی نہ تو وہ سایہ ٹھنڈا ہے جو کہ سائے کا مقصد ہے کہ انسان اس میں سکون محسوس کرے اور نہ خوبصورت خوشگوار کہ آنکھوں کو اچھا لگے یعنی وہاں کوئی بھلائی نہیں ہوگی بلکہ غم اور گھبراہٹ ہوگی۔

﴿إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَٰلِكَ مُتْرَفِينَ (45)﴾

''اس سے پہلے بلاشبہ وہ نعمتوں میں پالے ہوئے تھے'' (45)

سوال :﴿إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَٰلِكَ مُتْرَفِينَ﴾ ''اس سے پہلے بلاشبہ وہ نعمتوں میں پالے ہوئے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿إِنَّهُمْ﴾ ''یقیناً وہ''یعنی وہ لوگ اتنی ہولناک سزاؤں کے مستحق کیوں بنیں گے؟ کن اعمال نے انہیں اس حالت تک پہنچا دیا؟ رب العزت نے فرمایا:(2)﴿كَانُوا قَبْلَ ذَٰلِكَ﴾ ''اس سے پہلے تھے''یعنی دنیا میں۔(3) ﴿مُتْرَفِينَ﴾ ''وہ نعمتوں میں پالے ہوئے تھے''یعنی نعمتوں میں پل رہے تھے ۔شہوتوں اور لذتوں میں گم،مست اور مگن تھے۔دنیا کی لذتوں پر قربان تھے۔(4) خوش حالی کی وجہ سے انسان غافل ہوجاتا ہے اور اگر تھوڑی سی غفلت اور ہو تو تکبر کرنے لگ جاتا ہے۔یہ غفلت اور تکبر حق کے معاملے میں ہوتا ہے۔ایسے لوگ کبھی حق کو قبول نہیں کرتے۔

﴿وَكَانُوا يُصِرُّونَ عَلَى الْحِنثِ الْعَظِيمِ (46)﴾

''اور وہ بہت بڑے گناہ (شرک) پر اصرار کیا کرتے تھے'' (46)

سوال :﴿وَكَانُوا يُصِرُّونَ عَلَى الْحِنثِ الْعَظِيمِ﴾ ''اور وہ بہت بڑے گناہ (شرک) پر اصرار کیا کرتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اور وہ بہت بڑے گناہ (شرک) پر اصرار کیا کرتے تھے'' حنث سے مراد ایسا گناہ ہے جس کا تعلق عہد و پیمان یا قسم توڑنے

سے ہو۔اور ایسے گناہ سب کے سب کبیرہ یا عظیم ہی ہوتے ہیں۔(تفسیر تیسیر القرآن)(2) یعنی عظیم گناہ اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے۔ (جامع البیان:200/27)(3) قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: وہ بڑا گناہ جس سے وہ توبہ نہیں کرتے۔رب العزت نے فرمایا:﴿ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ ''اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نام کی پختہ قسمیں کھائیں کہ جو مر جائے گا اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ نہیں اٹھائے گا کیوں نہیں! یہ اس کے ذمے ایک سچا وعدہ ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔'' (النحل:38)

﴿وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ۬ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ(47)﴾

''اور وہ کہا کرتے تھے:''کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے،تو کیا واقعی ہم ضرور اُٹھائے جانے والے ہوں گے؟''(47)

سوال:﴿وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ۬ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴾ ''اور وہ کہا کرتے تھے:''کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو کیا واقعی ہم ضرور اُٹھائے جانے والے ہوں گے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اور وہ کہا کرتے تھے:''کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے،تو کیا واقعی ہم ضرور اُٹھائے جانے والے ہوں گے؟'' وہ موت کے بعد جی اٹھنے کا انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بات عقل سے بعید تر ہے کہ کیا جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو ہم پھر زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے؟(2) رب العزت نے فرمایا:﴿ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِى الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِىْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ﴾ ''اور اُنہوں نے کہا کہ کیا جب ہم زمین میں گم ہو جائیں گے،کیا واقعی ہم ضرور نئی پیدائش میں ہوں گے؟ بلکہ وہ اپنے رب کی ملاقات کا انکار کرنے والے ہیں۔''(السجدہ:10)

﴿ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ (48) ﴾

''اور کیا ہمارے پہلے باپ دادا بھی؟''(48)

سوال:﴿ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴾ ''اور کیا ہمارے پہلے باپ دادا بھی؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: وہ موت کے بعد کی زندگی کا انکار کرتے ہوئے کہتے تھے کہ کیا ہمارے بزرگ بھی زندہ کئے جائیں گے؟

﴿قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ(49)﴾

''آپ کہہ دیں بلاشبہ پہلے اور پچھلے'' (49)

سوال: ﴿قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ﴾ ''آپ کہہ دیں بلاشبہ پہلے اور پچھلے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ﴾ ''آپ کہہ دیں بلاشبہ پہلے اور پچھلے'' آدم علیہ السلام سے لے کر تمہارے باپ دادا، تم اور تمہارے بعد میں آنے والی تمہاری اولاد اور آخری انسان تک سب دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ (ایسر التفاسیر:1527)

﴿لَمَجْمُوْعُوْنَ ۵لا اِلٰی مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (50)﴾

''ایک معلوم دن کے مقررہ وقت پر یقیناً جمع کیے جانے والے ہیں۔'' (50)

سوال: ﴿لَمَجْمُوْعُوْنَ ۵لا اِلٰی مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ ''ایک معلوم دن کے مقررہ وقت پر یقیناً جمع کیے جانے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لَمَجْمُوْعُوْنَ﴾ ''یقیناً جمع کیے جانے والے ہیں''، تمام مخلوقات کے ختم ہو جانے کے بعد سب لوگ میدان حشر میں جمع کیے جانے والے ہیں۔ (2) رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَۃِ ط ذٰلِکَ یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّہُ النَّاسُ وَذٰلِکَ یَوْمٌ مَّشْھُوْدٌ﴾ ''بلاشبہ اس میں یقیناً ایک نشانی ہے اس کے لیے جو آخرت کے عذاب سے ڈرے، وہ ایسا دن ہے جس کے لئے سب جمع کیے جائیں گے اور وہ حاضری کا دن ہوگا''۔ (ہود:103) (3) ﴿وَیَوْمَ نُسَیِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَی الْاَرْضَ بَارِزَۃً وَّحَشَرْنٰھُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْھُمْ اَحَدًا﴾ اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور آپ زمین کو بالکل صاف میدان دیکھیں گے اور ہم ان سب کو جمع کریں گے، چنانچہ ہم ان میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے۔ (الکھف:47) (4) ﴿اِلٰی مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ ''ایک معلوم دن کے مقررہ وقت پر'' یعنی ایک مقرر دن ان اعمال کی جزا و سزا دینے کے لیے جو دنیا میں کیے تھے سب کو اکٹھا کیا جائے گا۔ (5) رب العزت نے فرمایا: ﴿یَوْمَ یَجْمَعُکُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِکَ یَوْمُ التَّغَابُنِ ط وَمَنْ یُّؤْمِنْ م بِاللّٰہِ وَیَعْمَلْ صَالِحًا یُّکَفِّرْ عَنْہُ سَیِّاٰتِہٖ وَیُدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ط ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ ''جب اجتماع کے دن کے لیے وہ تم سب کو جمع کرے گا، وہی ہار جیت کا دن ہوگا اور جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے، تو وہ اُس کی برائیاں اُس سے دور کر دے گا اور اُس کو باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ہمیشہ اُس میں رہنے والے ہیں ہمیشہ ہمیشہ، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔'' (التغابن:9) (6) ﴿اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ط لَیَجْمَعَنَّکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ﴾ ''اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تم سب کو قیامت کے دن ضرور جمع کرے گا'' (النساء:87)

﴿ثُمَّ اِنَّكُمۡ اَيُّهَا الضَّآلُّوۡنَ الۡمُكَذِّبُوۡنَ ﴿۵۱﴾﴾

''پھر بلاشبہ تم ہی اے گمراہو! جھٹلانے والو!'' (51)

سوال:﴿ثُمَّ اِنَّكُمۡ اَيُّهَا الضَّآلُّوۡنَ الۡمُكَذِّبُوۡنَ ﴾''پھر بلاشبہ تم ہی اے گمراہو! جھٹلانے والو!'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''پھر بلاشبہ تم ہی اے گمراہو! جھٹلانے والو!'' اللہ تعالیٰ نے گمراہی اور تکذیب کو اُن کی شناخت بنا کر اسی سے انہیں پکارا ہے۔ (2)﴿الضَّآلُّوۡنَ﴾''اے گمراہو!'' جو ہدایت کے راستے سے بھٹک گئے۔(3)﴿الۡمُكَذِّبُوۡنَ﴾''جھٹلانے والو!'' جو بعث اور جزا کو جھٹلاتے ہیں۔(ایسر التفاسیر 1527)(3) یعنی اے وہ لوگو! جنہوں نے ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی اور ہلاکت کا راستہ اختیار کیا اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے حق کو اور وعدہ ووعید کو جھٹلایا۔

﴿لَاٰكِلُوۡنَ مِنۡ شَجَرٍ مِّنۡ زَقُّوۡمٍ ﴿۵۲﴾﴾

''یقیناً تھوہر کا درخت کھانے والے ہو'' (52)

سوال: ﴿لَاٰكِلُوۡنَ مِنۡ شَجَرٍ مِّنۡ زَقُّوۡمٍ ﴾''یقیناً تھوہر کا درخت کھانے والے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''یقیناً تھوہر کا درخت کھانے والے ہو'' زقوم بمعنی تھوہر کا درخت جس کے پتے چوڑے، موٹے، بڑے بڑے اور خاردار ہوتے ہیں۔ ذائقہ میں نہایت کڑوا اور اس کا لعاب زہریلا ہوتا ہے۔ بدن کے کسی حصے سے لگ جائے تو پھوڑے اور پھنسیاں نکل آتی ہیں۔(تفسیر تیسیر القرآن 362/4)(2) رب العزت نے فرمایا:﴿ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخۡرُجُ فِىۡۤ اَصۡلِ الۡجَحِيۡمِ ﴿۶۴﴾ طَلۡعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوۡسُ الشَّيٰطِيۡنِ ﴿۶۵﴾﴾''یقیناً وہ ایک درخت ہے جو دوزخ کی تہ سے نکلتا ہے۔ اُس کا خوشہ ایسا ہے گویا وہ شیاطین کے سر ہیں''(الصافات:64,65)(3)﴿اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوۡمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الۡاَثِيۡمِ ﴿۴۴﴾ كَالۡمُهۡلِ ۚ يَغۡلِىۡ فِى الۡبُطُوۡنِ ﴿۴۵﴾ كَغَلۡىِ الۡحَمِيۡمِ ﴿۴۶﴾﴾''یقیناً زقوم کا درخت۔ گناہ گار کا کھانا ہے۔ پگھلے ہوئے تانبے کی طرح پیٹ میں جوش مارے گا۔ کھولتے ہوئے پانی کے جوش مارنے کی طرح۔''(الدخان43۔46)(4) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تھوہر کا ایک قطرہ دنیا میں گرا دیا جائے تو ساری دنیا کے جانداروں کے اسباب زندگی یعنی خورد ونوش کی چیزیں تباہ کر دے، تب اس شخص کا کیا حال ہوگا جس کی خوراک ہی تھوہر ہو؟''(ترمذی:2585)

﴿فَمَالِئُوۡنَ مِنۡهَا الۡبُطُوۡنَ ﴿۵۳﴾﴾

''پھر اسی سے پیٹ بھرنے والے ہو'' (53)

سوال:﴿فَمَالِئُوۡنَ مِنۡهَا الۡبُطُوۡنَ ﴾''پھر اسی سے پیٹ بھرنے والے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)''پھراسی سے پیٹ بھرنے والے ہو'' یعنی جو چیز اس گندے درخت کو کھانے پر مجبور کرے گی وہ شدید بھوک ہے جس سے ان کی آنتیں کٹی جارہی ہوں گی۔(2)اس کھانے سے وہ اپنی بھوک مٹائیں گے جو نہ ان کو موٹا کرے گا اور نہ بھوک مٹائے گا۔

﴿فَشَارِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ (54)﴾

''پھراس پرکھولتے ہوئے پانی سے پینے والے ہو''(54)

سوال:﴿فَشَارِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ﴾''پھراس پرکھولتے ہوئے پانی سے پینے والے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)''پھراس پرکھولتے ہوئے پانی سے پینے والے ہو'' زقوم کھانے کے بعد وہ کھولتا ہوا پانی پئیں گے۔رب العزت نے فرمایا: ﴿تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ (٥) لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ (٦) لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ (٧)﴾''کھولتے ہوئے چشمے سے اُنہیں پانی پلایا جائے گا۔سُوکھی خاردار جھاڑی کے سوا اُن کے لیے کوئی کھانا نہ ہوگا۔جو نہ موٹا کرے گا اور نہ بھوک میں کافی ہوگا۔(الغاشیہ:5۔7) (2) کیا ہی بدترین مشروب ہے۔

﴿فَشَارِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ (55)﴾

''پھر پیاس کی بیماری والے اونٹ کی طرح پینے والے ہو۔''(55)

سوال:﴿فَشَارِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ﴾''پھر پیاس کی بیماری والے اونٹ کی طرح پینے والے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)''پھر پیاس کی بیماری والے اونٹ کی طرح پینے والے ہو۔''الْهِيْمِ سے مراد ایک بیماری ہے جو اونٹوں کو لاحق ہوتی ہے،اس بیماری کی وجہ سے پانی پینے سے اونٹ کی پیاس نہیں بجھتی۔(تفسیر سعدی:2689/3)(2) وہ شدید پیاسے اونٹ کی طرح وہ پانی پئیں گے جس سے ان کی پیاس کبھی نہیں بجھے گی۔

﴿هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ (٥٦)﴾

''یہی ہے اُن کی مہمانی بدلے کے دن۔''(56)

سوال :﴿هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ﴾''یہی ہے اُن کی مہمانی بدلے کے دن'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)''یہی ہے اُن کی مہمانی بدلے کے دن'' جزا کے دن ان کی یہی مہمان نوازی ہوگی۔(2) یہ اس کا صلہ ہوگا جو زندگی میں انہوں نے اپنے لئے آگے بھیجا تھا۔(3)اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مہمان نوازی کے بارے میں فرمایا:﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا (۱۰۷) خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا (۱۰۸)﴾ ''یقیناً جولوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیکیاں کیں، اُن کی میزبانی کے لیے فردوس کی جنتیں ہیں۔ وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے، ان سے جگہ بدلنا نہ چاہیں گے۔'' (الکھف:107۔108)

﴿نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ (57)﴾

''ہم ہی نے تمہیں پیدا کیا ہے تو تم تصدیق کیوں نہیں کرتے؟'' (57)

سوال: ﴿نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ﴾ ''ہم ہی نے تمہیں پیدا کیا ہے تو تم تصدیق کیوں نہیں کرتے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ﴾ ''ہم ہی نے تمہیں پیدا کیا ہے'' یعنی تم اعتراف کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اس لیے کہ جب تم سے ہم سوال کرتے ہیں کہ تمہیں کس نے پیدا کیا تو تم کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے۔ اب یہ بتاؤ ﴿فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ﴾ ''تو تم تصدیق کیوں نہیں کرتے؟'' یعنی تم بعث اور دوسری زندگی کی تصدیق کیوں نہیں کرتے جب کہ وہ پہلی بار پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہو تو اس کا اعادہ کرنے پر بھی وہ قادر ہے۔ یہ ہماری قدرت کی دلیل ہے۔ تم پہلے اس پر غور وفکر کرو۔ (ایسر التفاسیر:1574) (2) رب العزت نے موت کے بعد کی زندگی کی عقلی دلیل دی ہے کہ جب ہم نے پیدا کیا ہے۔ تم ایک بار کی تخلیق کو مانتے ہو تو دوسری زندگی کی تصدیق کیوں نہیں کرتے!

﴿اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ (58)﴾

''تو کیا تم نے دیکھا کہ جو نطفہ تم ٹپکاتے ہو؟'' (58)

سوال: ﴿اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ﴾ ''تو کیا تم نے دیکھا کہ جو نطفہ تم ٹپکاتے ہو؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''تو کیا تم نے دیکھا کہ جو نطفہ تم ٹپکاتے ہو؟'' یعنی یہ بتاؤ کہ رحم میں انسان تم بناتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟ کیا تم نے منی کے ذریعے تخلیق کی ابتدا پر غور کیا؟ کیا اس منی کے خالق تم ہو یا اس کے جو اس منی کو مختلف مراحل سے گزارنے کے بعد وجود میں آتا ہے۔ کیا تم خالق ہو یا اللہ تعالیٰ؟

﴿ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ (59)﴾

''کیا تم اُسے پیدا کرتے ہو یا پیدا کرنے والے ہم ہیں؟'' (59)

سوال: ﴿ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ﴾ ''کیا تم اُسے پیدا کرتے ہو یا پیدا کرنے والے ہم ہیں؟'' کی وضاحت

کریں؟

جواب:(1)﴿ءَ اَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ﴾ ''کیاتم اُسے پیدا کرتے ہو''یعنی کیا بچہ تم بناتے ہو؟(2)﴿اَمْ نَحْنُ الْخَالِقُوْنَ ﴾ ''یاپیدا کرنے والے ہم ہیں؟'' یہ بتاؤ کہ انسان کا نطفہ بذاتِ خود کیا چیز ہے!وہ کن چیزوں سے بنتا ہے؟جن چیزوں سے نطفہ بنتا ہے وہ زندہ تھیں یامردہ؟ اوراس نطفے کے بننے میں یا بنانے میں تمہارا ابھی کچھ عمل دخل یا اختیار تھا؟ پھراس نطفہ کورحم مادر میں ٹپکانے کی حدتک تو اختیارانسان کو ہے ۔اس کے بعد پھرکلی اختیارختم ہوجاتا ہے۔نطفہ کا ایک قطرہ لاکھوں جراثیم یا کیڑوں پر مشتمل ہوتا ہے جوصرف طاقتور خوردبین سے نظر آسکتے ہیں۔اسی طرح رحم مادر میں نسوانی بیضہ کا وجودبھی خوردبین کے بغیر نظر نہیں آسکتا۔نطفہ کا ایک جرثومہ جب نسوانی بیضہ میں داخل ہوتا ہے پھر ان دونوں کے ملنے سے ایک چھوٹاسا زندہ خلیہ(cell)بن جاتا ہے۔یہی انسانی زندگی کا نقطۂ آغاز ہےاوراس کا نام استقرارحمل ہے۔نطفہ ٹپکانے کی حدتک تو مردکواختیار ہےمگر یہ طاقت نہ مرد میں ہے نہ عورت میں،نہ دنیا کی کسی اور طاقت میں کہ وہ نطفہ سے حمل کا استقرار کر دے۔(3)پھراس نقطۂ آغاز سے ماں کے پیٹ میں بچے کی درجہ بدرجہ پرورش ہر بچے کی الگ الگ صورت گری،ہر بچے کے اندر مختلف ذہنی اورجسمانی قوتوں کوایک خاص تناسب کے ساتھ رکھنا جس سے وہ امتیازی انسان بن کر اٹھے۔کیا یہ ایک خالق کے سواکسی اور کا کام ہوسکتا ہے یااس میں ذرہ برابرکسی اورکاعمل دخل ہے؟(4)پھر یہ فیصلہ کرنا بھی اللہ تعالیٰ کےاختیار میں ہے کہ بچہ لڑکی ہو یالڑکا؟خوش شکل ہو یا بد شکل۔اس کےنقوش تیکھے ہوں یا بھرے۔طاقت ورقد کاٹھ والا ہو یا کمزورونحیف اورتھوڑے وزن والا۔تندرست ہو یا اندھا بہرا،لنگڑا ہو ،ذہین ہو یا کندذہن۔یہ سب ایسی باتیں ہیں جوخالصتاً اللہ تعالیٰ خالق کائنات کےاختیار میں ہیں۔(5)کیاان سب باتوں کو سمجھ لینے کے بعدبھی انسان یہ تصدیق نہیں کرسکتا کہ اسے پیدا کرنے والا اللہ رب العالمین ہی ہوسکتا ہے!(تیسیر القرآن:362,363/4)

﴿نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ (60) ﴾

''ہم نے تمہارے درمیان موت کا وقت مقرر کیا ہےاورہم ہرگز عاجز نہیں ہیں۔''(60)

سوال:﴿نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴾ ''ہم نے تمہارے درمیان موت کا وقت مقرر کیا ہےاورہم ہرگز عاجز نہیں ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْت ﴾ ''ہم نے تمہارے درمیان موت کا وقت مقرر کیا ہے''یعنی ہم نے موت کوتمہارے لئے لکھ دیا ہےاورتم پر مقرر کر دیا ہےاورہم نے ہرایک کے لئے اجل مقرر کردی ہے۔اس سے نہ ایک گھڑی پہلے آسکتی ہے نہ ایک گھڑی بعد میں۔(2)﴿وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴾ ''اورہم ہرگز عاجز نہیں ہیں''موت پر اللہ تعالیٰ کوکوئی عاجز نہیں کرسکتا۔(3)اللہ تعالیٰ نے موت کی بات اس لئے کی ہے کہ ہرشخص کی موت کا جووقت مقرر ہے اسے آگے پیچھے نہیں کیا جاسکتا۔یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہے کہ کسی کو بچپن میں،کسی

کو جوانی اور کسی کو بڑھاپے میں موت آتی ہے۔کوئی اللہ تعالیٰ کی بنائی تقدیر بدلنے پر قدرت نہیں رکھتا۔انسان اپنی روزمرّہ زندگی میں اس کا تجربہ کرتا رہتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے موت کے تذکرے سے انسان کو اپنی قدرت کا شعور دلایا ہے۔

﴿عَلٰٓی اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَکُمْ وَنُنْشِئَکُمْ فِیْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿61﴾﴾

''اس سے کہ تمہاری جگہ تم جیسے اور پیدا کردیں اور تمہیں نئے سرے سے اس شکل میں پیدا کردیں جسے تم نہیں جانتے۔''(61)

سوال:﴿عَلٰٓی اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَکُمْ وَنُنْشِئَکُمْ فِیْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ ''اس سے کہ تمہاری جگہ تم جیسے اور پیدا کردیں اور تمہیں نئے سرے سے اس شکل میں پیدا کردیں جسے تم نہیں جانتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿عَلٰٓی اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَکُمْ ﴾ ''اس سے کہ تمہاری جگہ تم جیسے اور پیدا کردیں''یعنی تم جس صورت اور تخلیق میں ہو ہم اسے تبدیل کرسکتے ہیں۔(2)﴿ وَنُنْشِئَکُمْ فِیْ مَا لَا تَعْلَمُوْن﴾ ''اور تمہیں نئے سرے سے اس شکل میں پیدا کردیں جسے تم نہیں جانتے'' یعنی تمہارے طریقہ تخلیق کو ہی یکسر بدل ڈالیں اور وہ اس بات پر بھی قادر ہے۔پہلے تمہاری تخلیق ماں کے پیٹ میں ہوئی تھی دوبارہ تمہاری تخلیق زمین کے پیٹ میں ہوگی۔ماں کے پیٹ میں تمہارے تخلیقی مراحل اور قسم کے تھے۔(3) زمین کے پیٹ میں تمہارے تخلیقی مراحل، ان مراحل سے بالکل جداگانہ ہوں گے۔پہلے تم بچے کی صورت میں پیدا ہوئے تھے اور دوبارہ تم اس حالت میں پیدا ہوگے جس حالت میں تم مرے تھے اور اسی قد وقامت کے ساتھ پیدا ہوگے۔(4) پھر رحم مادر کی تخلیق کے بعد جو طبعی قوانین تمہارے لئے مقرر تھے دوسری بار کی پیدائش کے لئے طبعی قوانین بھی جداگانہ ہوں گے۔اس دنیا میں موت تمہارے لئے مقدر تھی اور موت سے فرار ممکن نہ تھا۔آخرت میں زندگی مقدر ہوگی اور موت کبھی نہ آئے گی۔(5) اس دنیا میں تمہاری آنکھوں کے سامنے غیب کے پردے حائل تھے۔اُس دنیا میں تمام حقائق واشگاف نظر آنے لگیں گے حتیٰ کہ انسان اللہ تعالیٰ کے دیدار سے بھی مشرف ہوسکے گا۔اگر تم اپنی پہلی تخلیق کا بنظر غائر مطالعہ کرلو گے تو تمہیں دوسری تخلیق میں کوئی بات ناممکن نظر نہیں آئے گی۔(تیسیر القرآن:4/363۔364)

﴿وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَۃَ الْاُوْلٰی فَلَوْلَا تَذَکَّرُوْنَ ﴿62﴾﴾

''اور بلاشبہ یقیناً اپنی پہلی پیدائش کو تم جانتے ہی ہو تو کیوں نہیں تم سبق حاصل کرتے؟''(62)

سوال:﴿وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَۃَ الْاُوْلٰی فَلَوْلَا تَذَکَّرُوْنَ ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً اپنی پہلی پیدائش کو تم جانتے ہی ہو تو کیوں نہیں تم سبق حاصل کرتے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَۃَ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً اپنی پہلی پیدائش کو تم جانتے ہی ہو''یعنی تم جانتے ہو کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا تو

کیسے تمہیں تکمیل تک پہنچایا اور اب تم کیسے ہو؟ (2)﴿ فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ ''تو کیوں نہیں تم سبق حاصل کرتے ؟''تم جانتے ہو کہ جس ذات نے پہلی بار پیدا کیا وہ تمہاری موت اور فنا کے بعد تمہیں دوسری بار پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔(ایسرالتفاسیر:1573)(3) رب العزت نے فرمایا:﴿ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴾ ''اور کیا انسان یاد نہیں کرتا کہ یقیناً ہم نے اس سے پہلے بھی اسے پیدا کیا تھا حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا؟''(مریم:67)(4)﴿اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۷﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ﴿۷۸﴾ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُ ﴿۷۹﴾﴾ ''اور کیا انسان نے دیکھا نہیں کہ یقیناً ہم نے اُسے نطفے سے پیدا کیا؟ اچانک وہ کھلم کھلا جھگڑا کرنے والا ہے۔ اور اُس نے ہمارے لیے ایک مثال بیان کی اور اپنی پیدائش کو بھول گیا، اس نے کہا کہ اُن ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا حالانکہ وہ بوسیدہ ہوں گی؟ آپ کہہ دیں کہ انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے اُنہیں پہلی بار پیدا کیا اور وہ ہر طرح کی تخلیق کو خوب جاننے والا ہے۔''(یٰس:77۔79)(5)﴿اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾﴾ ''کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اُسے یونہی بغیر پوچھے چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا وہ منی کا قطرہ نہ تھا جو گرایا جاتا ہے؟ پھر وہ جما ہوا خون بنا پھر اُس نے پیدا کیا اور پھر درست بنا دیا۔ پھر اُس نے اس سے مرد اور عورت کی دو قسمیں بنائیں۔ کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ مردوں کو زندہ کرے؟''(القیامہ:36۔40)

﴿ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿63﴾﴾

''پھر کیا تم نے دیکھا جو کچھ تم بوتے ہو؟''(63)

سوال:﴿ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴾''پھر کیا تم نے دیکھا جو کچھ تم بوتے ہو؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''پھر کیا تم نے دیکھا جو کچھ تم بوتے ہو؟''یعنی زمین کا جوتنا، اسے تیار کرنا پھر اس میں قاعدے سے بیج بکھیرنا تو تمہارا کام ہے پھر اس میں بکھرا ہوا بیج اگانا اور اسے پروان چڑھانا ہمارا کام ہے۔(السراج المنیر:1993/2)(2) یہ بتاؤ کہ بکھرا ہوا بیج تم اگاتے ہو۔ سخت اور بے جان زمین سے نرم و نازک کونپل جو زمین سے باہر آجاتی ہے اس کو تم باہر نکالتے ہو یا ہم! پھر اس کے پھول اور پھل تم اگاتے ہو یا ہم! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''میں نے بویا کہہ سکتے ہو میں نے اگایا نہیں کہہ سکتے''۔(مسند بزار)سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنا کر اس آیت کی تلاوت کی۔(3) یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں پر احسان ہے جس کے ذریعے سے وہ انھیں اپنی توحید، اپنی عبادت اور اپنی طرف رجوع کی دعوت دیتا ہے کہ اس نے ان کے لیے کھیتی باڑی اور باغات کو میسر کر کے انہیں نعمتوں سے نوازا ہے۔ اس کھیتی باڑی

اور باغات سے خوراک، رزق اور پھل مہیا ہوتے ہیں جوان کی ضرورت، حاجات اوران کے مصالح میں شمار ہوتے ہیں۔ان کا شکرادا کرنا اوران کا حق ادا کرنا تو کجا، وہ ان نعمتوں کو شمار تک نہیں کر سکتے۔(تفسیر سعدی:2990/3)

﴿ءَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ (64)﴾

''کیاتم ہی اس کو اگاتے ہو یا اگانے والے ہم ہیں؟''(64)

سوال:﴿ءَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ﴾''کیاتم ہی اُس کو اُ گاتے ہو یا اُ گانے والے ہم ہیں؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)''کیاتم ہی اُس کو اُ گاتے ہو یا اُ گانے والے ہم ہیں؟''یعنی تمہارا کام صرف زمین میں بیج ڈالنا ہے پھر اس کے بعد زمین کی تاریکیوں میں اس بیج پر جو تخلیقی مراحل آتے ہیں یا جو تغیرات واقع ہوتے ہیں ان کا نہ تمہیں علم ہے اور نہ ہی کچھ تمہارا دخل ہے۔دانہ سے نازک سی کونپل کیسے بنتی ہے اوراس نازک سی کونپل میں اتنا زور کہاں سے آتا ہے کہ وہ زمین کو پھاڑ کر باہر نکل آتی ہے۔بیج بے جان اور مردہ تھا۔اس سے جاندار نباتات پیدا ہو گئیں جو پھلتی پھولتی اور بڑھتی ہیں اور تمہارے لئے رزق کا سامان مہیا کرتی ہیں۔اب دیکھئے لاکھوں کی تعداد میں مردہ بیج زمین کے پیٹ میں دفن کئے جاتے ہیں۔پھر اس زمین کے قبرستان سے وہی مردہ بیج نئی زندگی اور نئی آن بان سے تمہارے سامنے پیدا ہو رہے ہیں۔پھر بھی تمہیں اس بات میں شک ہے کہ تم زمین میں دفن ہونے کے بعد دوبارہ پیدا کئے اور زمین سے نکالے نہیں جا سکتے۔(تیسیر القرآن 364/4) (2) یعنی کیا تم نے اس کو اگا کر زمین سے نکالا ہے؟ کیا تم نے اس کو نشو ونما دی ہے؟ کیا تم ہو جنھوں نے اس کے خوشوں اوراس کے پھل کو نکالا، یہاں تک کہ وہ تیار شکل میں اناج اور پکا ہوا پھل بن گیا؟ یا یہ اللہ تعالیٰ کی ہستی ہے جو یہ سب کچھ سرانجام دینے میں منفرد ہے اوراسی نے تمھیں ان نعمتوں سے نوازا ہے؟ تمھارے فعل کی غایت اورانتہا تو بس یہ ہے کہ تم زمین میں ہل چلاتے اوراسے پھاڑ دیتے ہو اور پھر اس میں بیج ڈال دیتے ہو، تمھیں کوئی علم نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوتا ہے اوراس سے زیادہ پر تمھیں کوئی قدرت واختیار نہیں،اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو آگاہ فرمایا کہ کھیتی خطرات کی زد میں رہتی ہے۔اگر اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کر کے، تمھاری گزران اور ایک مدت مقررہ تک استعمال کے لیے اسے باقی نہ رکھتا (تو یہ کھیتی کبھی محفوظ نہ رہتی۔)(تفسیر سعدی:2990/3)

﴿لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ (65)﴾

''اگر ہم چاہیں تو ضروراُس کو ریزہ ریزہ کر دیں۔پھر تم تعجب سے باتیں ہی بناتے رہ جاؤ۔''(65)

سوال:﴿لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ﴾''اگر ہم چاہیں تو ضروراُس کو ریزہ ریزہ کر دیں۔پھر تم تعجب سے باتیں ہی بناتے رہ جاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ﴾ ''اگر ہم چاہیں تو ضرور اس کو کردیں'' اگر ہم چاہتے تو کاشت کی گئی کھیتی کو مضبوط تنے پر کھڑا ہونے سے پہلے اور پھل کے پکنے سے پہلے ہی۔(2)﴿حُطَامًا﴾ ''ریزہ ریزہ'' اسے ریزہ ریزہ کر کے دکھا دیتے جس میں کوئی فائدہ نہیں۔(3)﴿فَظَلْتُمْ﴾ ''پھر تم رہ جاؤ'' پھر کھیتی کے سوکھ جانے پر اس پر کئے جانے والے اخراجات اور مشقت کی وجہ سے تم ہو جاتے۔(4)﴿تَفَكَّهُوْنَ﴾ ''تعجب سے باتیں ہی بناتے'' حسرت میں مبتلا ہونے والے یعنی تم افسوس کرتے اور باتیں بناتے رہ جاتے۔(5)اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنے اختیار کا شعور دلایا ہے کہ دیکھو جب کھیتی پک جاتی ہے اور تم اُس سے اُمیدیں باندھ لیتے ہو، اُس وقت کون ہے جو اُسے ریزہ ریزہ کرسکتا ہے اور اگر وہ ریزہ ریزہ کردے تو تم اپنی بے اختیاری پر باتیں بنانے کے سوا کر ہی کیا سکتے ہو؟ کرنے والا اپنے اختیار کا بے دریغ استعمال کرسکتا ہے۔(6)تفکھہ یعنی ملامت کرنا اور پچھتانا یعنی یا تو تم بیج کے برباد ہو جانے پر پچھتاتے یا گناہوں پر نادم ہوتے کہ ہمارے عملوں کی شامت ہمارے سامنے آئی۔(السراج المنیر :1992/2)

﴿اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ (66)﴾

''یقیناً ہم پر تو ضرور تاوان ڈال دیا گیا'' (66)

سوال:﴿اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ﴾ ''یقیناً ہم پر تو ضرور تاوان ڈال دیا گیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''یقیناً ہم پر تو ضرور تاوان ڈال دیا گیا'' یعنی تم کہتے کہ ہائے ہماری شامت! ہمارا تو بیج بھی واپس نہ لوٹا اور ہم محنت کر کے تھک کے بیٹھ گئے اور سرمایہ الگ غارت ہوا۔ ہم پر تاوان پڑ گیا کاش کہ ہم بیج نہ ڈالتے۔ ہمیں کس بات کی سزا ملی اور کیوں برباد کیا گیا۔(السراج المنیر :1993/2)(2)یعنی ہم نے نقصان اٹھایا اور اس مصیبت نے ہمیں ہلاک کردیا۔

﴿بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ (67)﴾

''بلکہ ہم بالکل ہی محروم رہ گئے۔'' (67)

سوال:﴿بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ﴾ ''بلکہ ہم بالکل ہی محروم رہ گئے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''بلکہ ہم بالکل ہی محروم رہ گئے'' یعنی تم یہ کہتے کہ ہمارے حصے کچھ بھی نہ آیا ہم تو محروم ہی ہو کر رہ گئے۔

﴿اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِىْ تَشْرَبُوْنَ (68)﴾

''تو کیا تم نے دیکھا وہ پانی جو تم پیتے ہو؟'' (68)

سوال: ﴿ اَفَرَءَ يْتُمُ الْمَآءَ الَّذِىْ تَشْرَبُوْنَ ﴾ ''تو کیا تم نے دیکھا وہ پانی جو تم پیتے ہو؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اَفَـرَءَ يْتُـمُ الْـمَـآءَ ﴾ ''تو کیا تم نے دیکھا وہ پانی''یعنی کبھی تم نے پانی پر غور کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ ﴿الَّـذِىْ تَشْـرَبُوْنَ ﴾ ''جو تم پیتے ہو؟''یعنی وہ پانی جو تمہاری زندگی کی ناگزیر ضرورت ہے۔جو تمہارا مشروب ہے۔یہ پانی تمہارے لئے قابل استعمال کیسے بنایا جاتا ہے۔اس کا حاصل کرنا آسان ہے۔اگر رب العزت نے اس کا حصول مشکل بنایا ہوتا تو تمہاری زندگی کس قدر مشکلات کا شکار ہوجاتی۔(2) اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ اس نے اپنے بندوں کو طعام کی نعمت سے نوازا ہے تو اس نے اس خوشگوار شیریں پانی کی نعمت کا بھی ذکر فرمایا جسے وہ پیتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو حاصل کرنا آسان اور سہل نہ بنایا ہوتا تو اس کے حصول کا تمھارے پاس کوئی راستہ نہ تھا۔وہی ہے جس نے بادل میں سے اس کو نازل کیا۔اللہ تعالیٰ ہی بارش نازل کرتا ہے۔پھر روئے زمین پر اور زمین کے نیچے، اس پانی سے بہتے ہوئے دریا اور ابلتے ہوئے چشمے بن جاتے ہیں۔(تفسیر سعدی:2991/3)

﴿ءَ اَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ (69)﴾

کیا اُسے بادلوں سے تم نے نازل کیا ہے یا اُس کے نازل کرنے والے ہم ہیں؟(69)

سوال: ﴿ءَ اَنْتُـمْ اَنْـزَلْتُـمُـوْهُ مِـنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴾ ''کیا اُسے بادلوں سے تم نے نازل کیا ہے یا اُس کے نازل کرنے والے ہم ہیں؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ءَ اَنْتُـمْ اَنْـزَلْتُـمُـوْهُ مِنَ الْمُزْنِ ﴾ ''کیا اُسے (بادلوں) سے تم نے نازل کیا ہے''یعنی کیا یہ پانی جو بارش کی صورت میں نازل ہوتا ہے اس کے لئے تم انتظام کرتے ہو؟ سمندروں کے کھارے پانی کو آبی بخارات میں تبدیل کرنے کا انتظام آپ نے بنایا؟ یا اس عمل کے لئے کچھ تمہارا حصہ بھی شامل ہے؟ (2) سورج کس کے حکم کا پابند ہے جس کی حرارت کی وجہ سے بخارات اٹھتے ہیں۔وہ کون ہے جو بخارات کو بادلوں میں تبدیل کرتا ہے؟ کہیں آپ کا حصہ بھی ہے؟ اس وقت جب یہ بادل اپنے اندر کا پانی بارش کی صورت میں برساتے ہیں اس وقت تمہاری کسی کوشش کا دخل ہوتا ہے؟ (3) ﴿ اَمْ نَـحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ﴾ ''یا اُس کے نازل کرنے والے ہم ہیں؟'' مان لو کہ وہی ہے جو کھارے پانی کو سورج کی حرارت سے آبی بخارات میں تبدیل کرتا ہے۔وہی ہے جو بخارات کو بادلوں میں اور بادلوں سے بارش میں برساتا ہے۔یہ water cycle ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہے۔وہی بارش برساتا ہے اور پھر زمین کے اوپر اور نیچے اس پانی سے چشمے اور دریا تمہارے لئے بہاتا ہے۔(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿ هُـوَ الَّـذِىْٓ اَنْـزَلَ مِـنَ السَّـمَـآءِ مَـآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْــمُــوْنَ ﴾ ''وہی ہے جس نے آسمان سے پانی نازل کیا اس میں سے تمہارے لیے پینا ہے اور اسی سے پودے ہوتے ہیں جن میں تم (جانور) چراتے ہو۔''(النحل:10)

﴿لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ (70)﴾

''اگر ہم چاہیں تو اُسے سخت کھاری بنادیں پھر تم کیوں شکر ادانہیں کرتے؟'' (70)

سوال: ﴿لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ﴾ ''اگر ہم چاہیں تو اُسے سخت کھاری بنادیں پھر تم کیوں شکر ادانہیں کرتے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا﴾ ''اگر ہم چاہیں تو اسے سخت کھاری بنادیں'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے پانی کو میٹھا خوشگوار اور شیریں بنایا اگر وہ چاہتا تو اسے کڑوا بنادیتا تو آب ماہی کے قابل ہوتا، نہ پینے کے قابل۔ (2) ﴿فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ﴾ ''پھر تم کیوں شکر ادانہیں کرتے؟'' پھر تم اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت کا شکر کیوں نہیں ادا کرتے جو اس نے تمہیں عطا کی ہے۔ (3) رسول اللہ ﷺ پانی پی کر یہ دعا فرماتے تھے۔ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَهٗ عَذْبًا فُرَاتًا، وَلَمْ يَجْعَلْهُ أُجَاجًا﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے اپنی رحمت سے اسے میٹھا اور صاف بنادیا اور اسے کڑوا نہیں بنایا۔ (ابن ابی دنیا:70)

﴿اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ (71)﴾

''تو کیا تم نے وہ آگ دیکھی ہے جو تم سلگاتے ہو؟'' (71)

سوال: ﴿اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ﴾ ''تو کیا تم نے وہ آگ دیکھی ہے جو تم سلگاتے ہو؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ﴾ ''تو کیا تم نے وہ آگ دیکھی ہے'' تیسری نعمت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے رب العزت نے فرمایا کہ کبھی تم نے آگ پر غور کیا ہے؟ جسے تم جلاتے ہو اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہو۔ دوسری کوئی مخلوق آگ سے یہ فوائد حاصل نہیں کرسکتی۔ (2) یہ ایک ایسی نعمت ہے جو ضروریات زندگی میں داخل ہے جس سے مخلوق مستغنی نہیں رہ سکتی کیونکہ اپنے بہت سے امور اور حوائج میں اس کے محتاج ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے آگ کی نعمت کو متحقق کیا ہے کس کو اس نے درختوں کے اندر وجود بخشا مخلوق میں یہ قدرت نہ تھی کہ وہ اس درخت کو پیدا کرتے۔ یہ تو اللہ ہی ہے جس نے سرسبز درخت سے آگ کو پیدا کیا، تب یکا یک یہ بندوں کی ضرورت کے مطابق جل اٹھتی ہے، جب وہ اپنی ضرورت سے فارغ ہوتے ہیں تو اس کو بجھا دیتے ہیں۔ (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿نِ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ (80)﴾ ''جس نے تمہارے لیے سرسبز درخت سے آگ پیدا کردی ہے پھر اچانک تم اُس سے آگ جلاتے ہو'' (یسین:79,80)

﴿ءَ اَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ (72)﴾

''کیاتم نے اُس کادرخت پیدا کیا؟ یاپیدا کرنے والے ہم ہیں؟'' (72)

سوال:﴿ءَ اَنۡتُمۡ اَنۡشَاۡتُمۡ شَجَرَتَهَاۤ اَمۡ نَحۡنُ الۡمُنۡشِئُوۡنَ ﴾ ''کیاتم نے اُس کادرخت پیدا کیا؟ یاپیدا کرنے والے ہم ہیں؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ءَ اَنۡتُمۡ اَنۡشَاۡتُمۡ شَجَرَتَهَا﴾ ''کیاتم نے اُس کادرخت پیدا کیا؟''یعنی آگ کے لئے درخت تم نے ایجاد کئے؟ وہ تم ہو جنہوں نے سرسبز درخت سے آگ کو پیدا کیا۔(2)﴿ اَمۡ نَحۡنُ الۡمُنۡشِئُوۡنَ﴾ ''یاپیدا کرنے والے ہم ہیں؟'' اللہ تعالیٰ نے سوال کیا ہے کہ یہ بتاؤ وہ درخت جس سے تم آگ سلگاتے ہو،اس کی پیدائش میں تمہاراحصّہ کیا ہے؟تم اس درخت کو پیدا کرنے والے ہو یا ہم؟اختیارتمہاراہے یاہمارا؟قدرت تمہاری ہے یاہماری؟اللہ تعالیٰ نے عام زندگی کے تجربے سے انسان کواپنی ذات کاشعوردلایا ہے۔

﴿نَحۡنُ جَعَلۡنٰهَا تَذۡكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلۡمُقۡوِيۡنَ (73)﴾

''ہم ہی نے اُسے نصیحت اورمسافروں کے لیے فائدہ کی چیز بنایا ہے۔'' (73)

سوال:﴿نَحۡنُ جَعَلۡنٰهَا تَذۡكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلۡمُقۡوِيۡنَ ﴾ ''ہم ہی نے اُسے نصیحت اورمسافروں کے لیے فائدہ کی چیز بنایا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿نَحۡنُ جَعَلۡنٰهَا تَذۡكِرَةً﴾ ''ہم ہی نے اُسے نصیحت بنایا''یعنی ہم نے اس آگ کو یاددہانی کرنے والی بنایا۔اسے دیکھ کرجہنم کی آگ یادکرو۔(2) یہ آگ اللہ تعالیٰ کی یاددہانی کا ایساعصا ہے جواس کے بندوں کو جنت کی طرف ہانکتا ہے۔(3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''تمہاری آگ (کی گرمی) جہنم کی آگ کی گرمی کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے''عرض کی گئی کہ یارسول اللہ! دنیا کی آگ ہی جلانے کے لیے کافی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا:''وہ اس پر انہتر حصے بڑھا دی گئی ہے، ہر ایک حصہ اسی کے برابرگرم ہے'' (بخاری:3265) (4) درختوں کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے،جن کی پیدائش میں کسی اور کا کوئی دخل نہیں۔(5)﴿مَتَاعًا لِّلۡمُقۡوِيۡنَ ﴾ '' اورمسافروں کے لیے فائدہ کی چیز''یعنی مسافروں اورفائدہ اٹھانے والوں کے لئے زندگی کا سامان بنادیا۔(6) مقوین کہتے ہیں ان لوگوں کوجورزق کی تلاش میں ادھرادھرمنتقل ہوتے رہتے ہیں۔(7)مقوین کے اصلی معنی قواء یعنی بیابان میں ٹھہرنے یا رہنے والےلوگ ہیں جیسے مسافریاخانہ بدوش۔کوئی شک نہیں کہ آگ کی ضرورت ہرایک کو پڑتی ہے لیکن ان لوگوں کواس سے زیادہ کام لینا پڑتا ہے خصوصاً سردی کے موسم میں۔اس لئے ان کا خصوصیت سے ذکرفرمایا ہے۔(ابن کثیر) (8) رسول اللہ ﷺ نے جن تین چیزوں کو عام رکھنے اوران سے کسی کو نہ روکنے کا حکم دیا ہے ان میں پانی اورگھاس کے علاوہ آگ بھی ہے۔(سنن ابوداؤد)

﴿فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الۡعَظِیۡمِ (74)﴾

''چنانچہ آپ اپنے ربِ عظیم کے نام کی تسبیح کریں۔'' (74)

سوال: ﴿فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الۡعَظِیۡمِ﴾ ''چنانچہ آپ اپنے ربِ عظیم کے نام کی تسبیح کریں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَسَبِّحۡ﴾ ''چنانچہ آپ تسبیح کریں'' اللہ تعالیٰ نے تسبیح کرنے کا حکم اس لئے دیا ہے کہ ربّ عظیم ہے، نقص سے پاک ہے اورانسان نقص والا ہے۔ (2) ﴿بِاسۡمِ رَبِّکَ الۡعَظِیۡمِ﴾ ''اپنے ربِ عظیم کے نام کی'' یعنی اپنے رب عظیم کی تنزیہہ بیان کیجئے جو اسماء وصفات میں کامل اور بے پایاں احسانات اور بھلائیوں کا مالک ہے۔ اپنے دل، زبان اور جوارح کے ساتھ اس کی حمد وستائش بیان کیجئے کیونکہ وہ اس کا اہل اور اس بات کا مستحق ہے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے، اس کی ناشکری نہ جائے، اس کو یاد رکھا جائے، اس کو فراموش نہ کیا جائے اور اس کی اطاعت کی جائے، نافرمانی نہ کی جائے۔ (تفسیر سعدی:3/2992) (3) یعنی تمہیں چاہیے کہ اتنی بڑی وسیع قدرت والے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے رہو جس نے اپنی ہمہ گیر قدرت سے یہ متضاد چیزیں پیدا کر کے تمہیں عیش وآرام پہنچایا۔ آسمان سے صاف، میٹھا اور خالص پانی برسایا۔ اگر وہ چاہتا تو اس پانی کو سمندر کے پانی کی طرح کڑوا بنا دیتا اور پتھروں میں، لوہے میں، اور دھاتوں میں اور سرسبز ٹہنیوں میں آگ ودیعت فرمادی۔ جسے انسان کے استعمال کے قابل بنایا کہ وہ اس سے اپنی دنیوی زندگی میں ہر طرح کا فائدہ اٹھاتے اور اسے دیکھ کر جہنم کی آگ یاد کر کے اپنی اخروی زندگی سنوار لے۔ (سراج منیر:2/1994)

رکوع نمبر 16

﴿فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ (75)﴾

''پس نہیں! میں قسم کھاتا ہوں تاروں کے گرنے کی جگہوں کی'' (75)

سوال: ﴿فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ﴾ ''پس نہیں! میں قسم کھاتا ہوں تاروں کے گرنے کی جگہوں کی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَاۤ﴾ سے مراد کسی بات کی نفی ہے اور یہ وہی بات ہے جو مکہ میں ہر طرف سے کہی جا رہی تھی کہ قرآن کہانت ہے یا جادو یا شاعری ہے۔ یہاں یہ کہا گیا ہے کہ نہ یہ شاعری ہے، نہ جادو ہے، نہ کہانت بلکہ میں تاروں کے مقامات کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ قرآن بڑا عظیم ہے۔ (2) ﴿اُقۡسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ﴾ ''میں قسم کھاتا ہوں تاروں کے گرنے کی جگہوں کی'' اللہ تبارک وتعالیٰ نے ستاروں کی اور ان کی منازل، یعنی ان کے غروب کے مقامات اور ان کے سقوط کی جگہ کی قسم کھائی ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے ان حوادث کی قسم کھائی ہے جو ان اوقات میں واقع ہوتے ہیں جو اس کی عظمت، اس کی کبریائی اور اس کی توحید پر دلالت کرتے ہیں۔

(تفسیر سعدی:2693/3)(3)مواقع النجوم کا معنی ستاروں کے گرنے کی جگہ بھی ہوسکتا ہے۔فضائے بسیط میں بے شمار سیارے ایسے ہیں جو ہروقت ٹوٹتے اورگرتے رہتے ہیں۔اوراس کا دوسرا معنی ستاروں کے ڈوبنے کی جگہ بھی اوروقت بھی ۔یعنی افق مغرب جہاں ہمیں ستارے ڈوبتے نظرآتے ہیں یا صبح کی روشنی کے نمودار ہونے کا وقت ،جب ستارے غائب ہوجاتے ہیں،جو معنی بھی لیے جائیں اس سے مرادستاروں کی گردش اوراپنے اپنے مدارات میں سفرکرنے کا وہ پیچیدہ اورحیران کن مربوط اورمنظّم نظام ہے۔(تفسیر تیسیر القرآن:365,366/4) (4) تاروں اورستاروں کے مواقع (مقامات ومنازل) کی قسم کھانے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح عالم بالا میں اجرام فلکی کا نظام نہایت محکم اور مضبوط ہے۔ویسا ہی مضبوط اور محکم یہ کلام بھی ہے۔جس خدانے وہ نظام بنایا ہے،اسی خدانے یہ کلام بھی نازل کیا ہے۔کائنات کی بیشمار کہکشاؤں اوران کے اندر بے حدوحساب تاروں اورسیاروں میں جو کمال درجہ ربط ونظم قائم ہے اسی طرح یہ کتاب بھی ایک کمال درجہ منظّم اورمضبوط ضابطہ حیات پیش کرتی ہے۔جس میں انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر مفصل ہدایات دی گئی ہیں حالانکہ یہ نظام فکر 23 سالہ دورنبوت میں پھیلا ہوا ہے۔(تفسیر ترجمان القرآن:443,444/3)(5) کسی چیز کی قسم کھانا اس کی عظمت کی دلیل ہے۔اس اعتبار سے آیت کے یہ معنی ہیں کہ قرآن حکیم کے بارے میں آپ لوگوں کا گمان غلط ہے۔یہ عزت والا قرآن ہے۔

﴿ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ (76) ﴾

''اور یقیناًوہ اگرتم جانتے ہوتو واقعتاً ایک بہت بڑی قسم ہے'' (76)

سوال:﴿ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴾''اور یقیناًوہ اگرتم جانتے ہوتو واقعتاً ایک بہت بڑی قسم ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ ﴾''اور یقیناًوہ واقعتاً ایک قسم ہے''،یعنی وہ عظیم قسم ہے اورقسم کھانے والا عظیم ہے اور یہ اس کا قول ہے۔(2)﴿لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ﴾''اور یقیناًوہ اگرتم جانتے ہوتو بہت بڑی'' اور یہ قسم صرف اس لیے عظمت کی حامل ہے کہ ستاروں،ان کی رفتاراوران کے غروب کے مقامات میں ان کے سقوط کی جگہوں میں بہت سی نشانیاں اورعبرتیں ہیں جن کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔جس امر پر قسم کھائی گئی ہے،وہ ہے قرآن کا اثبات،نیز یہ کہ قرآن حق ہے جس میں کوئی شک ہے نہ شبہ۔یہ کریم ہے،یعنی بہت زیادہ بھلائی اوربہت زیادہ علم والا ہے،ہر بھلائی اور ہر علم اللہ تعالیٰ کی کتاب سے مستفاد اورمستنبط ہوتا ہے۔(تفسیر سعدی:2693/3)(3)اگرتمہیں اس کی عظمت اورقدر معلوم ہوتو جواب قسم کو بھی عظیم سمجھو اورقرآن کے رب کی طرف سے اتارے جانے میں قطعی شک نہ کرو۔(السراج المنیر :1995/2)

﴿اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ (77)﴾

''یقیناًوہ بلاشبہ قرآن ہے،بڑی عزت والا ہے'' (77)

سوال:﴿اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ﴾''یقیناً وہ بلاشبہ قرآن ہے، بڑی عزت والا ہے'' کی وضاحت کریں؟
جواب:(1)''یقیناً وہ بلاشبہ قرآن ہے، بڑی عزت والا ہے''یعنی یہ باطل پرستوں کے قول کے مطابق شاعری، جادوگری یا جھوٹ نہیں ہے۔(ایسرالتفاسیر:1526)(2)یہ قرآن کریم ہے۔بڑی عزت والا ہے اور یہ عزت والی لوح محفوظ میں درج ہے جس کی فرشتے بھی بہت عزت کرتے ہیں۔(3)زہری نے کہا کہ کریم جامع نام ہے جس کی تعریف کی جائے۔قرآن کریم ہے،اس کی تعریف کی جاتی ہے اس بنا پر کہ اس میں ہدایت ہے،روشن دلائل،علم اور حکمت ہے،فقیہہ اس سے استدلال اور استنباط کرتے ہیں،دانا اس سے اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں اور ادیب اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس سے تقویٰ حاصل کرتے ہیں۔ہر عالم اس کو حاصل کرتا ہے اور اس کے علم کی بنیاد یہی ہے۔(تفسیر مراغی:414/9)(4) مقاتل نے کہا:اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو عزت دی کیونکہ یہ اس کا کلام ہے۔(معالم التنزیل:289/4)(5)یہ بلند پایہ کتاب ہے جو اللہ رب العزت نے انسانوں کی ہدایت اور فلاح کے لیے نازل فرمائی ہے۔

﴿فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ (78)﴾

''ایک ایسی کتاب میں جو چھپا کر رکھی گئی ہے''(78)

سوال:﴿فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ﴾''ایک ایسی کتاب میں جو چھپا کر رکھی گئی ہے'' کی وضاحت کریں؟
جواب:(1)''ایک ایسی کتاب میں جو چھپا کر رکھی گئی ہے''یعنی یہ قرآن لوح محفوظ میں لکھا ہوا موجود ہے جو آنکھوں سے چھپی ہوئی ہے۔(2)اللہ تعالیٰ اور ملاء اعلیٰ میں فرشتوں کے ہاں قابل عظمت ہے۔یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد وہ کتاب ہو جو ان فرشتوں کے ہاتھوں میں ہوتی تھی جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی وحی اور رسالت کے لیے نازل کرتا ہے اور مراد یہ ہے کہ یہ کتاب شیاطین سے مستور ہے۔شیاطین کو اس میں تغیر و تبدل،کمی بیشی اور چوری کرنے کی قدرت حاصل نہیں۔(تفسیر سعدی:2693/3)

﴿لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (79)﴾

''جسے پاک کیے گئے فرشتوں کے سوا کوئی نہیں چھوسکتا''(79)

سوال:﴿لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾''جسے پاک کیے گئے فرشتوں کے سوا کوئی نہیں چھوسکتا'' کی وضاحت کریں؟
جواب:(1)''جسے پاک کیے گئے فرشتوں کے سوا کوئی نہیں چھوسکتا''اس کے کئی مطلب ہوسکتے ہیں۔ایک یہ کہ پاکیزہ لوگوں سے مراد فرشتے ہیں یعنی یہ کتاب قرآن کریم لوح محفوظ میں ثبت ہے اور وہاں سے پاکیزہ فرشتے ہی اسے لاکر رسول اللہ ﷺ تک پہنچاتے ہیں۔اور اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ قرآن کے مضامین و مطالب تک رسائی صرف ان لوگوں کی ہوسکتی ہے جن کے خیالات پاکیزہ

ہوں، کفروشرک کے تعصّبات سے پاک ہوں، عقل صحیح اور قلب سلیم رکھتے ہوں۔تیسرا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کو صرف پاکیزہ لوگ ہی چھوسکتے ہیں یا چھونا چاہیے۔مشرک اور ناپاک لوگوں کو ہاتھ نہ لگانا چاہیے۔اسی آیت سے بعض علماء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ بے وضولوگوں کو قرآن کو ہاتھ نہ لگانا چاہیے۔لیکن راجح تر بات یہی ہے کہ بے وضو بھی قرآن کو چھوسکتا اور تلاوت کرسکتا ہے۔صرف جنبی اور حیض ونفاس والی عورت قرآن کو چھونہیں سکتے جب تک پاک نہ ہوں۔البتہ حیض ونفاس والی عورت زبانی قرآن پڑھ بھی سکتی ہے اور پڑھا بھی سکتی ہے۔(تیسیر القرآن:366/4)(2)یعنی قرآن کریم کو صرف ملائکہ کرام ہی چھوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام آفات، گناہوں اور عیوب سے پاک کیا ہے۔جب قرآن کو پاک ہستیوں کے سوا کوئی نہیں چھوتا اور ناپاک اور شیاطین اس کو چھونہیں سکتے تو آیت کریمہ تنبیہاً اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ پاک شخص کے سوا کسی کے لیے قرآن کو چھونا جائز نہیں۔(تفسیر سعدی:2693/3)

﴿تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ (80)﴾

''تمام جہانوں کے رب کی طرف سے نازل کردہ ہے''(80)

سوال:﴿تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ﴾''تمام جہانوں کے رب کی طرف سے نازل کردہ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''تمام جہانوں کے رب کی طرف سے نازل کردہ ہے''نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:یہ قرآن مجید کی چوتھی صفت ہے۔ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یعنی یہ قرآن اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ ہے۔وہ ویسا نہیں ہے جو وہ کہتے ہیں کہ یہ جادوگری، کہانت یا شاعری ہے بلکہ وہ حق ہے جس میں کوئی شک نہیں اور نہ اس کے ماوراء کوئی نفع دینے والا حق ہے۔(الاساس:5701/10)(2)یہ قرآن جو ان صفات جلیلہ سے موصوف ہے،رب کائنات کی طرف سے نازل کردہ ہے جو دینی اور دنیاوی نعمتوں کے ذریعے سے اپنے بندوں کی تربیت کرتا ہے،وہ جلیل ترین چیز جس کے ذریعے سے اس نے اپنے بندوں کی تربیت کی،اس قرآن کو نازل کرنا ہے جو دونوں جہانوں کے مصالح پر مشتمل ہے،جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر ایسا رحم فرمایا ہے کہ وہ اس کا شکر ادا نہیں کرسکتے۔ان پر واجب ہے کہ وہ اس قرآن کو قائم کریں، برسرعام اس کا اعلان کریں،اس کی طرف لوگوں کو دعوت دیں اور اس کو کھلم کھلا بیان کریں۔(تفسیر سعدی:2693,2694/3)(3)قرآن مجید میں جو صداقت ہے اس سے زیادہ کوئی صداقت ہو نہیں سکتی۔

﴿اَفَبِهٰذَا الۡحَدِيۡثِ اَنۡتُمۡ مُّدۡهِنُوۡنَ (81)﴾

''تو کیا تم اس کلام سے بے اعتنائی برتنے والے ہو؟''(81)

سوال:﴿اَفَبِهٰذَا الۡحَدِيۡثِ اَنۡتُمۡ مُّدۡهِنُوۡنَ﴾''تو کیا تم اس کلام سے بے اعتنائی برتنے والے ہو؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ﴾ یعنی قرآن۔(2)﴿اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ﴾ ''تم اس سے بے اعتنائی برتنے والے ہو؟'' یعنی تم نے جھٹلا نے والوں کے لیے نرمی اختیار کر لی ہے جس سے ان کے دل اس کو جھٹلا نے اور اس کا انکار کرنے سے بھر گئے ہیں ۔(ایسر التفاسیر :1576)(3)مدھنون ۔دھن بمعنی روغن،تیل،چکنائی اور ادھن بمعنی کسی چیز کو تیل لگا کر نرم کرنا۔مداہنت کے کئی معنی ہیں۔مثلاً کسی بات میں لچک پیدا کر لینا۔ڈھیلا پڑنا۔منافقت کا رویہ اختیار کرنا۔کسی چیز کو اپنی سنجیدہ توجہ کے قابل ہی نہ سمجھنا۔(تفسیر تیسیر القرآن:366/4)(4)یعنی کیا تم اس کتاب عظیم اور ذکر حکیم کو مخلوق کے خوف،ان کی عار اور ان کی زبانوں کے ڈر سے چھپاتے ہو؟ایسا کرنا مناسب ہے نہ لائق شان ہے۔لائق شان اور مناسب تو یہ ہے کہ اس بات میں مداہنت کی جائے جس کے بارے میں انسان کو وثوق حاصل نہ ہو۔رہا قرآن کریم تو یہ ایسا حق ہے کہ جب بھی کوئی مقابلہ کرنے والا اس قرآن کے ذریعے سے مقابلہ کرتا ہے تو یہی غالب آتا ہے اور کوئی بھی حملہ آور اگر اس قرآن کے ساتھ حملہ کرتا ہے تو یہ اپنے مدمقابل کے مقابلے میں کامیاب رہتا ہے۔قرآن ایک ایسی چیز ہے جس کے بارے میں مداہنت کی جائے نہ اسے چھپایا جائے بلکہ برسر عام اس کا اعلان کیا جائے۔(تفسیر سعدی:2694/3)

﴿وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ (82)﴾

''اور تم اپنا حصہ یہی ٹھہراتے ہو کہ یقیناً تم اسے جھٹلاتے رہو''(82)

سوال:﴿وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ﴾ '' اور تم اپنا حصہ یہی ٹھہراتے ہو کہ یقیناً تم اسے جھٹلاتے رہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ﴾ '' اور تم اپنا حصہ یہی ٹھہراتے ہو'' یعنی تم اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق پر اس کا شکر ادا کرنے کی بجائے۔(2)﴿اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ﴾ ''یقیناً تم اسے جھٹلاتے رہو'' یعنی تم اللہ تعالیٰ کو جھٹلاتے ہو کہ بارش فلاں ستارے کی وجہ سے ہوئی۔(3)سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:تم اپنے رزق کا شکر یوں ادا کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کو جھٹلاتے ہو اور کہتے ہو کہ مینہ ہم پر فلاں بچھتر اور فلاں ستارے کے سبب سے برسا ہے۔(ترمذی۔ابواب التفسیر)

﴿فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ (83)﴾

''پھر کیوں نہیں!جب جان حلق تک پہنچ جاتی ہے''(83)

سوال:﴿فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ﴾ ''پھر کیوں نہیں!جب جان حلق تک پہنچ جاتی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''پھر کیوں نہیں!جب جان حلق تک پہنچ جاتی ہے'' یعنی ایک شخص جو اپنی زندگی کے اختتام کو پہنچ گیا۔سکرات کا عالم ہے،آخری

سانسیں ہیں۔روح حلق تک آن پہنچی ہے۔اردگرد سب بیٹھے حسرت سے دیکھ رہے ہیں۔جیسا کہ فرمایا:﴿كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ (26) وَقِيْلَ مَنْ سکتة رَاقٍ (27) وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ (28) وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ (29) اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ن الْمَسَاقُ (30)﴾ ''ہرگزنہیں! جب جان ہنسلیوں تک پہنچ جائے گی۔ اور کہا جائے گا:''کون ہے دم کرنے والا؟''اوروہ یقین کرے گا کہ یقیناً اب جدائی کا وقت ہے۔اور پنڈلی سے پنڈلی جڑ جائے گی۔اُس دن تیرے رب کی طرف روانگی ہے۔''(القیامۃ:26۔30)(2)سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک انصاری کے جنازے میں گئے۔ہم قبر کے پاس پہنچے تو ابھی لحد تیارنہیں ہوئی تھی تو رسول اللہ ﷺ بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ ﷺ کے گرد بیٹھ گئے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے ہوں(نہایت پرسکون اور خاموشی سے بیٹھے تھے)آپ ﷺ کے ہاتھ میں چھڑی تھی آپ اس سے زمین کریدرہے تھے آپ ﷺ نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا کہ اللہ سے عذاب قبر کی امان مانگو۔آپ نے یہ دو یا تین بار فرمایا۔پھر فرمایا کی بندہ مومن جب سے رخصتی اور سفر آخرت پر جانے کے قریب ہوتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے روشن چہروں والے فرشتے''جن کے چہرے سورج کی طرح روشن ہوتے ہیں'' آتے ہیں،ان کے پاس جنت کا کفن اور جنت کی حنوط ہوتی ہے،تاحدنگاہ وہ بیٹھ جاتے ہیں،پھر ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں اے نفس مطمئنہ!اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور خوشنودی کی طرف نکل چل،چنانچہ اس کی روح اس طرح بہہ کر نکل جاتی ہے جیسے مشکیزے کے منہ سے پانی کا قطرہ بہہ جاتا ہے، ملک الموت اسے پکڑ لیتے ہیں اور دوسرے فرشتے پلک جھپکنے کی مقدار بھی اس کی روح کو ملک الموت کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتے بلکہ ان سے لے کر اسے کفن میں لپیٹ کر اس پر اپنی لائی ہوئی حنوط مل دیتے ہیں،اوراس کے جسم سے ایسی خوشبو آتی ہے جیسے مشک کا ایک خوشگوار جھونکا جو زمین پر محسوس ہو سکے۔اور جب کوئی کافر شخص دنیا سے رخصتی اور سفر آخرت پر جانے کے قریب ہوتا ہے تو اس کہ پاس آسمان سے سیاہ چہروں والے فرشتے اتر کر آتے ہیں جن کے پاس ٹاٹ ہوتے ہیں،وہ تاحدنگاہ بیٹھ جاتے ہیں،پھر ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں اوراس سے کہتے ہیں کہ اے نفس خبیثہ!اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غصے کی طرف چل،یہ سن کر اس کی روح جسم میں دوڑنے لگتی ہے،اور ملک الموت اسے جسم سے اس طرح کھینچتے ہیں جیسے گیلی اون سے سیخ کھینچی جاتی ہے،اوراسے پکڑ لیتے ہیں،فرشتے ایک پلک جھپکنے کی مقدار بھی اسے ان کے ہاتھ نہیں چھوڑتے اور اس ٹاٹ میں لپیٹ لیتے ہیں،اوراس سے مردار کی بدبو جیسا ایک ناخوشگوار اور بدبودار جھونکا آتا ہے۔(مسند احمد:18733)

﴿وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ (84)﴾

''اورتم اُس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو''(84)

سوال:﴿وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ﴾''اورتم اُس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اورتم اُس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو''یعنی موت کے وقت تم اپنے مریض کے پاس بیٹھے سکرات موت کو دیکھ رہے ہوتے ہو۔(2)یعنی تم اس وقت اللہ تعالیٰ کے اختیار،اس کے حکم اوراس کی بادشاہت کومیت میں دیکھ رہے ہوتے ہو۔

﴿وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡکُمۡ وَلٰکِنۡ لَّا تُبۡصِرُوۡنَ (85)﴾

''اورہم تم سے زیادہ اُس کے قریب ہوتے ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتے''(85)

سوال:﴿وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡکُمۡ وَلٰکِنۡ لَّا تُبۡصِرُوۡنَ﴾''اورہم تم سے زیادہ اُس کے قریب ہوتے ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡکُمۡ﴾''اورہم تم سے زیادہ اُس کے قریب ہوتے ہیں'' یعنی ہم اپنے فرشتوں اوراپنے علم اوراپنی قدرت کے ذریعے تم سے زیادہ مرنے والے کے قریب ہوتے ہیں۔(2)﴿وَلٰکِنۡ لَّا تُبۡصِرُوۡنَ﴾''لیکن تم نہیں دیکھ سکتے''لیکن تم فرشتوں کودیکھ نہیں سکتے۔(3)اللہ تعالیٰ اپنے علم کے اعتبار سے مرنے والے کے قریب ہوتے ہیں۔یہاں آ کرانسان کے علم اورقدرت کی حدودختم ہوجاتی ہیں،جھگڑاختم ہوجاتا ہےاورانسان زبانِ حال سے اعتراف کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ محدودقوت کا مالک ہے۔(4)﴿وَهُوَ الۡقَاهِرُ فَوۡقَ عِبَادِهٖ وَیُرۡسِلُ عَلَیۡکُمۡ حَفَظَةً ط حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ تَوَفَّتۡهُ رُسُلُنَا وَهُمۡ لَا یُفَرِّطُوۡنَ (۶۱) ثُمَّ رُدُّوۡۤا اِلَی اللّٰهِ مَوۡلٰهُمُ الۡحَقِّ ط اَلَا لَهُ الۡحُکۡمُ قف وَهُوَ اَسۡرَعُ الۡحَاسِبِیۡنَ (۶۲)﴾''اوروہ اپنے بندوں پرغالب ہےاوروہ تم پرنگہبان بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی ایک پرموت آتی ہے،ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس کوقبض کرلیتے ہیں اوروہ ذراکوتاہی نہیں کرتے۔پھروہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں جوان کا حقیقی مالک ہے،سُن لو!حکم اُسی کا ہےاوروہ سب حساب لینے والوں سے زیادہ جلد(حساب لینے والا)ہے۔''(الانعام:61,62)

﴿فَلَوۡلَاۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ غَیۡرَ مَدِیۡنِیۡنَ (86)﴾

''سوکیوں نہیں!اگرتم کسی کے محکوم نہیں ہو''(86)

سوال:﴿فَلَوۡلَاۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ غَیۡرَ مَدِیۡنِیۡنَ﴾''سوکیوں نہیں!اگرتم کسی کے محکوم نہیں ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''سوکیوں نہیں!اگرتم کسی کے محکوم نہیں ہو''یعنی اگرتم سب حساب دینے والےنہیں ہواورتمہیں تمہارے اعمال کی جزانہیں ملنی۔(2)یہ سوال ایسے موقع پرکیا گیا ہے جب انسان کی روح بھی اعتراف کرلیتی ہے کہ میری قوت محدود ہے،کوئی لامحدودقوت والا ہے جس کا مجھ پراورمجھ جیسوں پرپورااختیار ہے۔ایسے موقع پرکہا گیا کہ تم اگرکسی کے محکوم نہیں ہواور اپنی بات میں سچے ہوتواس جان

کولوٹالاؤ۔(3)یعنی بھلاجب تم اس زعم باطل میں مبتلا ہوکہ تمھیں دوبارہ زندہ کیاجائے گانہ تمھاراحساب کتاب کر کے تمھیں جزاوسزادی جائے گی توتم روح کوبدن میں واپس کیوں نہیں لے آتے۔(تفسیرسعدی:2694/3)

﴿تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (87)﴾

''اگرتم اس میں سچے ہوتواس جان کوواپس لوٹالاتے''(87)

سوال:﴿تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾''اگرتم اس میں سچے ہوتواس جان کوواپس لوٹالاتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿تَرْجِعُوْنَهَا﴾''تواس جان کوواپس لوٹالاتے''یعنی اگرموت کے بعدکی زندگی اورجزاسزاکونہیں مانتے توروح کونکلنے کیوں دیتے ہو۔اسے واپس کیوں نہیں لاتے۔(2)جب تمہاراموت اورزندگی میں کوئی دخل نہیں توموت کے بعدکی زندگی کوکیوں نہیں مانتے؟ (3)﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾''اگرتم اس میں سچے ہو''موت کے وقت تم سچائی کے تجربے سے گزرتے ہو۔میت کامشاہدہ تمہیں یقین دلاتا ہے کہ اس بدن میں روح ڈالنے والااللہ تعالیٰ ہے اوروہ اپنے حکم سے اسے نکلوارہاہے۔تمہیں اپنی بے بسی کایقین بھی آجاتاہے تو پھرمحمد ﷺ جوکچھ لےکرآئے ہیں اسے مان کیوں نہیں لیتے؟اس کااقرارکرلو۔اگرنہیں مانوگےتودیکھ لوایسے ہی تم نے بھی اپنے رب کے پاس چلے جاناہے۔پھرسوچوتمہاراکیاانجام ہوگا؟

﴿فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ (۸۸)﴾

''پھراگروہ مقربین میں سے ہے''(88)

سوال:﴿فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ﴾''پھراگروہ مقربین میں سے ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''پھراگروہ مقربین میں سے ہے''اللہ رب العزت نے اس سورت کے آغازمیں جن تین گروہوں کاذکرفرمایاتوآخرمیں موت کے وقت کاذکرکیاجب بندہ اپنے انجام کوپہنچتاہے اس وقت کیاکیفیت ہوگی؟حقیقت یہ ہے کہ کسی راستے کاتعین اس کے انجام کے اعتبار سے کیاجاتاہے۔(2)رب العزت نے فرمایا:اگرمرنے والامقرب بندوں میں سے ہوگایعنی وہ اپنی زندگی میں واجبات ومستحبات پرعمل کر نے والااورحرام اورمکروہ اوربے فائدہ مباحات سے بچنے والاہوگا۔(3)اللہ تعالیٰ کےقرب کے راستوں میں سے پہلاراستہ واجبات کاہے پھرمستحبات کااورقرب کے لیےحرام اورمکروہات اوربے فائدہ کاموں سے اجتناب ضروری ہے۔

﴿فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ (89)﴾

’’تو راحت اور خوشبودار پھول اور نعمت والی جنت ہے‘‘(89)

سوال:﴿ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ۵ لا وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ﴾’’تو راحت اور خوشبودار پھول اور نعمت والی جنت ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ فَرَوْحٌ﴾ ’’تو راحت‘‘ مقرب لوگوں کے لیے راحت، سرور اور قلبی، ذہنی اور روحانی نعمتیں ہوں گی۔(2)﴿وَّرَيْحَانٌ﴾’’اور خوشبودار پھول‘‘ اس سے مراد معروف خوشبو ہے۔(3)﴿ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ﴾ ’’اور نعمت والی جنت ہے‘‘ یعنی اس میں ایسی نعمتیں ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کسی کان نے سنیں نہ کسی انسان نے ان کا تصور کیا ہے۔(4) مقربین کو سکرات موت کے وقت فرشتے مبارک دیتے ہیں اور بشارت دیتے ہیں کہ تم راحت اور سرور کی زندگی کی طرف چلو۔﴿ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿٣٠﴾ ﴾’’اے اطمینان والی جان! اپنے رب کی طرف لوٹ آؤ، راضی ہونے والی، پسند کی ہوئی ہو۔ چنانچہ میرے بندوں میں شامل ہو جاؤ۔ اور میری جنت میں داخل ہو جاؤ۔‘‘(الفجر:27-30)(5)﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿٣٠﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ج وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿٣١﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿٣٢﴾ ﴾’’یقیناً جن لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے پھر وہ ثابت قدم رہے، اُن پر فرشتے اُترتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور اُس جنت کی بشارت سے خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی اور تمہارے لیے وہ ہے جو تمہارے دل چاہیں گے اور تمہارے لیے اُس میں وہ کچھ ہے جو تم طلب کرو گے۔ بے حد بخشنے والے بے حد رحم والے کی جناب سے مہمان نوازی کے طور پر۔‘‘(حم السجدہ:30-32)

﴿ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ(90) ﴾

’’اور اگر وہ دائیں ہاتھ والوں میں سے ہو‘‘(90)

سوال:﴿ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ﴾’’اور اگر وہ دائیں ہاتھ والوں میں سے ہو‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)’’اور اگر وہ دائیں ہاتھ والوں میں سے ہو‘‘ اصحاب الیمین وہ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرائض کو ادا کیا اور اس کے حرام کردہ امور کو ترک کر دیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے کچھ حقوق کے بارے میں کوتاہی ہوئی لیکن اس سے ان کے ایمان میں جو کمی آئی وہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کے ذریعے اور بعد میں نیک اعمال کے ذریعے پوری کر لی۔(2) فرشتے اصحاب الیمین کو خوشخبری دیتے ہیں کہ آپ کے لیے امن اور سلامتی ہے۔

﴿فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ(91) ﴾

''تو سلام ہے تجھ پر! کہ تو دائیں ہاتھ والوں میں سے ہے'' (91)

سوال:﴿فَسَلٰمٌ لَّکَ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ﴾ ''تو سلام ہے تجھ پر! کہ تو دائیں ہاتھ والوں میں سے ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''تو سلام ہے تجھ پر! کہ تو دائیں ہاتھ والوں میں سے ہے'' قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ سلام اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی طرف سے ہوگا۔(جامع البیان:220/2)(2)سلام یعنی آپ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ ہیں۔(3)امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:﴿فَسَلٰمٌ لَّکَ﴾ کے معنی ہیں: تیرے لیے یہ بات تسلیم کرلی گئی ہے کہ تو اصحٰب الیمین سے ہے۔اس میں لفظ اِن حذف کرکے اس کے معنی قائم رکھے گئے ہیں اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کہے: میں اب تھوڑی دیر میں سفر کرنے والا ہوں تو تو اس سے کہے انت مصدق مسافرعن قلیل یہاں بھی ان کا لفظ محذوف ہے۔کبھی سلام کا لفظ بطور دعا بھی استعمال ہوتا ہے اگر مرفوع ہو جیسا کہ فسقیا من الرجال نصب کے ساتھ ہو تو دعا کے معنی میں آتا ہے۔(بخاری:تفسیر سورۃ الواقعہ)

﴿وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِیْنَ الضَّآلِّیْنَ (92)﴾

''اور اگر وہ جھٹلانے والے گمراہ لوگوں میں سے ہوا'' (92)

سوال:﴿وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِیْنَ الضَّآلِّیْنَ﴾ ''اور اگر وہ جھٹلانے والے گمراہ لوگوں میں سے ہوا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''اور اگر وہ جھٹلانے والے گمراہ لوگوں میں سے ہوا'' یعنی اگر وہ اللہ تعالیٰ، رسول ﷺ اور بعث اور آخرت کو جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہوا جو ہدایت کے راستے سے بھٹک گئے، حق کو جھٹلا کر دور نکل گئے۔

﴿فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِیْمٍ (93)﴾

''تو کھولتے ہوئے پانی سے ضیافت ہے'' (93)

سوال:﴿فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِیْمٍ﴾ ''تو کھولتے ہوئے پانی سے ضیافت ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''تو کھولتے ہوئے پانی سے ضیافت ہے'' یعنی جھٹلانے والے گمراہوں کی مہمان نوازی کھولتے ہوئے پانی سے ہو گی۔(2)رب العزت نے فرمایا:﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ قف فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ج اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ط وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِی الْوُجُوْهَ ط بِئْسَ الشَّرَابُ ط وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا (۲۹)﴾'' اور آپ کہہ دیں تمہارے رب کی جناب سے یہی حق ہے پھر جو چاہے سو وہ ایمان لے آئے اور جو چاہے سو وہ کفر کرے۔یقیناً ہم نے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی لپٹیں انہیں گھیرے میں لے چکی ہیں اور اگر وہ پانی مانگیں گے تو انہیں پگھلے ہوئے تانبے

جیسا پانی دیا جائے گا جو چہروں کو بھون ڈالے گا، بڑا ہی بُرا مشروب ہے اور بہت ہی بری آرام گاہ ہے۔'' (الکھف:29)

﴿ وَّتَصۡلِيَةُ جَحِيۡمٍ (94) ﴾

''اور جہنم میں داخل کیا جانا ہے'' (94)

سوال ﴿ وَّتَصۡلِيَةُ جَحِيۡمٍ ﴾ ''اور جہنم میں داخل کیا جانا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور جہنم میں داخل کیا جانا ہے'' یعنی جہنم کی آگ انہیں گھیر لے گی۔ ان کی کھال کو بھون دے گی۔ (2) وہ آگ کی خوفناک لپٹوں میں جلتے بھنتے رہیں گے اور آگ ان کے دلوں تک پہنچ جائے گی۔

﴿ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الۡيَقِيۡنِ (٩٥) ﴾

''یقیناً یہی قطعی حق ہے'' (95)

سوال: ﴿ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الۡيَقِيۡنِ ﴾ ''یقیناً یہی قطعی حق ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''یقیناً یہی قطعی حق ہے'' یعنی لوگوں کا تین گروہوں میں بٹ جانا ثابت شدہ حق ہے۔ اعمال کی جزا و سزا حق ہے۔ ان کے یقینی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ (2) جیسے موت ایک اٹل حقیقت ہے اسی طرح جی اٹھنا بھی حق ہے۔

﴿فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ (96)﴾

''چنانچہ اپنے ربِ عظیم کے نام کی آپ تسبیح کریں'' (96)

سوال: ﴿فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ﴾ ''چنانچہ اپنے ربِ عظیم کے نام کی آپ تسبیح کریں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''چنانچہ اپنے ربِ عظیم کے نام کی آپ تسبیح کریں'' اللہ تعالیٰ نے حقائق کا علم دیا، اس کا فہم عطا کیا اور یقین نصیب فرمایا۔ اس پر اس کی حمد و ثنا ہے۔ یقیناً ہمارا رب پاک ہے، عظیم ہے اور بہت بلند ہے ان باتوں سے جو مشرک بناتے ہیں۔ (2) عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ جب آیت کریمہ ﴿فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ﴾ (الواقعہ:74) نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو رکوع میں پڑھا کرو اور جس وقت آیت کریمہ ﴿سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلَى﴾ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو بحالت سجدہ پڑھا کرو۔ (ابوداؤد:869)

سوال: العظیم اور الاعلیٰ میں کیا فرق ہے؟

جواب: (1) العظیم قرب پر دلالت کرتا ہے اور الاعلیٰ بُعد یعنی دوری پر۔ (2) پس وہ پاک ہے ہر ممکنہ قریب چیز سے زیادہ قریب ہے اور ہر چیز

سے زیادہ قریب ہے اور وہ اعلیٰ ہے ہمارا ادراک اس کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ وہ ہر چیز کی بُعد (دوری) کی انتہا پر ہے۔ (تفسیر منیر:306/14)

سوال: تسبیح وتحمید کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: (1) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر بڑے ہلکے ہیں، لیکن میزان میں بڑے بھاری اور رحمٰن کو بہت پیارے ہیں (اور وہ ہیں) ﴿سبحان اللہِ وَبِحمدِہٖ، سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ﴾ ''اللہ پاک ہے اپنی تعریفوں اور خوبیوں کے ساتھ۔ اللہ پاک ہے، عظمتوں والا ہے۔'' (مسلم:6847، بخاری:6406) (2) سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے سب سے محبوب کلام کی خبر نہ دوں؟ بے شک اللہ تعالیٰ کو جو سب سے زیادہ کلام محبوب ہے۔ ﴿سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ﴾ اور ایک اور روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا۔ کون سا کلام افضل ہے؟ فرمایا: جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ملائکہ کے لیے پسند فرمایا: ﴿سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ﴾ '' اللہ تعالیٰ اپنی تعریف کے ساتھ پاک ہے''۔ (مسلم) (3) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ایک دن میں سو/100 مرتبہ ﴿سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ﴾ '' اللہ تعالیٰ اپنی تعریف کے ساتھ پاک ہے'' پڑھا اس کے تمام گناہ معاف کردیئے جائیں گے اگرچہ زیادتی میں سمندر کے جھاگ کے برابر بھی کیوں نہ ہو۔ (بخاری، مسلم) (4) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس دنیا کی تمام چیزیں جن پر سورج کی روشنی پڑتی ہے ان سب چیزوں کے مقابلے میں مجھے یہ زیادہ محبوب ہے کہ میں ایک دفعہ ﴿سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ وَلَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَر﴾ کہوں۔ (مسلم) (5) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو سو مرتبہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح ﴿سُبْحَانَ اللّٰہ﴾ ''اللہ تعالیٰ پاک ہے'' کہے اس کے اعمال نامہ میں ایک ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی یا ایک ہزار گناہ معاف کئے جائیں گے۔ (مسلم)

سورۃ الحدید

سوال: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ مدنی سورت ہے۔ اس کے 4 رکوع اور 29 آیات ہیں۔

سوال: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے یہ 57 ویں سورت ہے اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 94 ہے۔

سوال: اس سورت کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب تک مسبحات پڑھ نہ لیتے سوتے نہ تھے آپ ﷺ فرماتے تھے: ان میں ایک ایسی آیت ہے جو ہزار آیتوں سے بہتر ہے۔ (ترمذی:3406) (السراج المنیر :1997/2)

رکوع نمبر 17

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (۱)﴾

''اللہ تعالیٰ کا پاک ہونا بیان کیا ہے ہر چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ سب پر غالب ہے، کمال حکمت والا ہے''(1)

سوال1: ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ''اللہ تعالیٰ کا پاک ہونا بیان کیا ہے ہر چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ سب پر غالب ہے، کمال حکمت والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''اللہ تعالیٰ کا پاک ہونا بیان کیا ہے ہر چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے'' یعنی زمین وآسمان کی ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی تسبیح زبان حال اور زبان قال سے کر رہی ہے۔ (ایسر التفاسیر:1528,1529) (2) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی عظمت وجلال اور اپنی لامحدود قوت کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تمام موجودات، حیوانات ناطقہ اور جمادات وغیرہ، اپنے رب کی حمد وستائش کے ساتھ، اس کی تسبیح بیان کر رہے ہیں اور ان اوصاف سے اسے منزہ قرار دے رہے ہیں جو اس کے جلال کے لائق نہیں، نیز یہ کہ تمام موجودات اپنے رب کی مطیع اور اس کے غلبے کے سامنے سرنگوں ہیں۔ ان موجودات میں اس کی حکمت کے آثار ظاہر ہوئے ہیں۔ (تفسیر سعدی:3/2697,2698) (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾ ساتوں آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں سب اس کی تسبیح کرتے ہیں اور کوئی چیز نہیں مگر اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے یقیناً وہ ہمیشہ سے بے حد بردبار، نہایت بخشنے والا ہے۔ (بنی اسرائیل:44) (4) ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ''اور وہ سب پر غالب ہے، کمال حکمت والا ہے'' اس آیت کریمہ میں اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ عالم علوی اور عالم سفلی کی تمام مخلوقات اپنے تمام احوال میں ہر لحاظ سے اپنے رب کی محتاج ہیں۔ اس کے لامحدود غلبہ وقہر نے تمام اشیاء کو مغلوب ومقصور کر رکھا ہے۔ اس کی حکمت عامہ اس کے خلق و امر میں جاری و ساری ہے۔ (تفسیر سعدی:3/2697,2698) (5) چونکہ وہ ہر چیز کا خالق ہے لہٰذا اس پر پورا پورا تصرف اور اختیار بھی رکھتا ہے اور ہر چیز کو جس مقصد کے لئے اس نے بنایا ہے اس سے وہ کام لے رہا ہے۔ اس قدر بے پناہ اور ہمہ گیر قوت اور غلبہ کے باوجود اس نے کبھی اس قوت کا غلط استعمال نہیں کیا بلکہ جو چیز بھی بنائی اس میں کئی حکمتیں مضمر ہوتی ہیں خواہ وہ انسان کے علم میں آچکی ہوں یا نہ آئی ہوں اور وہ ہمیشہ اپنی تخلیق کا مقصد پورا کرتی اور مثبت نتائج پیدا کرتی ہے اور یہی بات اللہ تعالیٰ کی کمال حکمت پر دلیل ہے۔ (تیسیر القرآن:4/369)

سوال2:اس کائنات میں کون کون اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کررہا ہے؟

جواب:اس کائنات کی ہر وہ چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کررہی ہے جوآسمانوں میں ہےاور جوزمین میں ہے۔

سوال3:اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات العزیز اور الحکیم کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کی تسبیح سے اپنے العزیز ہونے کا شعور دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا غلبہ آسمانوں میں بھی ہے اور زمین میں بھی۔(2)اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کے تسبیح میں متفق ہونے سے اپنے الحکیم ہونے کا شعور دلایا ہے۔ہر چیز اس کی تسبیح کررہی ہے یقیناً وہ حکمت والا ہے جس نے ہر چیز کو یہ شعور عطا کیا اور ہر ایک کو اس کام پر متحد کردیا۔

﴿لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (2)﴾

’’آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہت اُسی کے لیے ہے، وہی زندہ کرتا ہےاور وہی موت دیتا ہےاور وہی ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے‘‘(2)

سوال1:﴿لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾’’آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہت اُسی کے لیے ہے، وہی زندہ کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے اور وہی ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾’’آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہت اُسی کے لیے ہے‘‘یعنی وہ سارے آسمانوں اور زمین کا مالک ہے جیسا چاہتا ہے ان میں تصرف کرتا ہے۔(ایسر التفاسیر:1579)(2)رب العزت نے فرمایا:﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا﴾اور آپ کہہ دیں کہ تمام تعریف اس اللہ تعالیٰ کی ہے جس نے نہ اولاد بنائی اور نہ بادشاہت میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار ہے اور آپ اس کی بڑائی بیان کریں،خوب بڑائی بیان کرنا۔‘‘(بنی اسرائیل:111)(3)﴿يُحْيٖ وَيُمِيْتُ﴾’’وہی زندہ کرتا ہےاور وہی موت دیتا ہے‘‘وہ عدم کے بعد زندہ کرتا ہے اور ایجاد اور زندگی کے بعد موت دیتا ہے۔(4)﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾’’اور وہی ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے‘‘ اللہ تعالیٰ عظیم قدرت والا ہے۔اس کے زندگی دینے،موت دینے،عزت دینے اور ذلت دینے کے ارادے میں کوئی حائل نہیں ہوسکتا۔(جامع البیان: 27/223)(5)یعنی دنیا میں اسی کا اختیار ہے،وہی اس کا مالک ہے،موت اور زندگی اسی کے قبضے میں ہے اور جسے جس قدر چاہے،دینا دلانا اسی کو زیبا ہے۔وہ ہر چیز پر قادر ہے۔اس نے جو چاہا ہو گیا اور جو نہ چاہا،نہ ہوا،وہی مختار کل ہے۔(السراج المنیر: 2/1998)

سوال2: اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کے اثرات کہاں کہاں نظر آتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی بادشاہت آسمانوں میں بھی ہے اور زمین میں بھی اس لیے وہ ان کو جیسے چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کا اندازہ اس کی ملکیت سے ہوتا ہے۔آسمان اور زمین میں رزق کے خزانے اس کی ملکیت میں ہیں وہ جس کی چاہتا ہے روزی تنگ کردیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کشادہ رزق دیتا ہے۔

سوال2: اللہ تعالیٰ ہی زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے اس سے اس کی ذات کے بارے میں کیا اندازہ ہوتا ہے؟

جواب: زندگی اور موت دینے سے اس کی ملکیت اور اختیارات کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔

سوال3: اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اس کی قدرت کی کارفرمائی کہاں کہاں نظر آتی ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کارفرمائی ہر جگہ نظر آتی ہے۔(2) اس کا آسمان اور زمین میں اختیار ہے اس لیے کہ وہ ان کا مالک ہے، بادشاہ ہے۔(3) اللہ تعالیٰ کی قدرت زندگی اور موت میں نظر آتی ہے۔نہ زندگی اس کے سوا کسی کے حکم سے آتی ہے نہ اس کے سوا کسی کے حکم سے موت آتی ہے یقیناً وہی قادر مطلق ہے۔

﴿ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ (3) ﴾

''وہی اوّل ہے اور وہی آخر، وہی ظاہر ہے اور وہی باطن اور وہی ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے'' (3)

سوال1: ﴿ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ ''وہی اوّل ہے اور وہی آخر، وہی ظاہر ہے اور وہی باطن اور وہی ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ هُوَ الْاَوَّلُ ﴾ ''وہی اوّل ہے'' یعنی ہر چیز سے پہلے بغیر حد کے۔(2) ﴿ وَالْاٰخِرُ ﴾ ''اور وہی آخر ہے'' ہر چیز کے بعد بغیر انتہا کے۔کیونکہ وہ تھا جب اس کے سوا کچھ بھی موجود نہ تھا اور وہ ہر چیز کے فنا ہونے کے بعد بھی ہوگا۔رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۣ كُلُّ شَىْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۭ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکاریں، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اُس کے چہرے کے، فیصلہ اُسی کا ہے اور تم اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔'' (القصص:88) (3) ﴿ وَالظَّاهِرُ ﴾ ''وہی ظاہر ہے'' یعنی جس کے اوپر کچھ نہیں۔(4) ﴿ وَالْبَاطِنُ ﴾ ''اور وہی باطن ہے'' یعنی وہ جس کے ماسوا کچھ نہیں۔(ایسر التفاسیر:1579) (5) ''وہی ظاہر ہے اور وہی باطن'' اور وہ اس لحاظ سے کہ اس کی کاریگری کے آثار کھلے ہوئے ہیں اور اس کی ذات ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے۔رسول اللہ ﷺ نے ''ظاہر'' کی تفسیر بلند اور غالب سے کی ہے، ایک ماثور دعا میں ہے: ''تو ہی ظاہر ہے اور تیرے اوپر کوئی چیز نہیں۔'' (ابن کثیر) (صحیح مسلم:2713) (6) ﴿ وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ ''اور وہی ہر چیز

کوخوب جاننے والا ہے''یعنی جس کے علم سے آسمان وزمین میں کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ (ایسرالتفاسیر:1597) (7) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگرکبھی تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ اور دین حق کے معاملے میں شیطان کوئی وسوسہ ڈالے تو یہ آیت آہستہ سے پڑھ لیا کرو: ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ج وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ (ابن کثیر) (8) سہیل کہتے ہیں کہ جب ہم میں سے کوئی سونے لگتا تو ابو صالح اسے حکم دیتے کہ دائیں کروٹ پر لیٹ کر کہو: ''اَللّٰهُمَّ ! رَبَّ السَّمٰوَاتِ وَرَبَّ الْاَرْضِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ،فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى، وَمُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْفُرْقَانِ، اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ اَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهِ،اَللّٰهُمَّ ! اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ ،وَاَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ ،وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ ،وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ .اِقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَاَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ''اے آسمانوں کے رب اور زمین کے رب اور عرش عظیم کے رب، ہمارے رب اور ہر چیز کے پروردگار۔ دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والے،تورات،انجیل اور فرقان کو نازل کرنے والے، میں ہر چیز کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں،تو ہی اس کی پیشانی کو پکڑنے والا ہے،اے اللہ! تو ہی ایسا اول ہے کہ جو تجھ سے پہلی کوئی چیز نہ تھی اور تو ہی آخر ہے، تیرے بعد کوئی چیز نہ ہوگی اور تو ہی ظاہر ہے تیرے اوپر کوئی چیز نہیں اور تو ہی باطن ہے تیرے علاوہ کوئی چیز نہیں۔ ہمارے قرض کو دور کردے اور ہمیں فقر سے مستغنی فرما۔ (صحیح مسلم:2713)

سوال4: اللہ تعالیٰ کے باطن ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ باطن کی یعنی دل کی اور چھپی ہوئی سب باتوں کو جانتا ہے۔ (2) جو کچھ لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہے اس کو بھی جانتا ہے۔ (3) جو کچھ ان کی عقلوں سے پوشیدہ ہے اس کو بھی جانتا ہے۔

سوال5: اللہ تعالیٰ نے اپنے علیم ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنے اوّل وآخر ہونے سے اپنے علیم ہونے کا شعور دلایا ہے۔ (1) جو سب سے پہلے تھا اس کا علم فائق ہے۔ (2) جو سب سے آخر میں ہوگا اس کا علم باقی ہے۔ (3) جو ظاہر ہے، غلبہ رکھتا ہے اس کا علم عظیم ہے۔ (4) جو باطن ہے اس کا علم قوی ہے۔

﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ط يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ط وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (4) ﴾

''وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر وہ عرش پر بلند ہوا، وہ جانتا ہے جو زمین کے اندر داخل ہوتا ہے اور جو اُس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اُترتا ہے اور جو اُس میں چڑھتا ہے اور جہاں کہیں بھی تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو تم عمل کرتے

ہواللہ تعالیٰ اُسے خوب دیکھنے والا ہے‘‘(4)

سوال1: ﴿ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ﴾ ’’وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر وہ عرش پر بلند ہوا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ’’وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا‘‘ اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کی پیدائش کو چھ دنوں میں مکمل کر کے عرش پر مستوی ہوا۔ (2) جس کا پہلا دن اتوار تھا اور آخری دن جمعہ تھا۔ (ایسر التفاسیر:1529) (3) ﴿ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ﴾ ’’پھر وہ عرش پر بلند ہوا‘‘ یعنی عرش پر بلند ہوا۔ (ایسر التفاسیر:1529) (4) تمام مخلوقات کے اوپر وہ استوا جو اس کے جلال کے لائق ہے۔ (تفسیر سعدی:2698/3)

سوال2: ﴿ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِى الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ﴾ ’’وہ جانتا ہے جو زمین کے اندر داخل ہوتا ہے اور جو اُس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اُترتا ہے اور جو اُس میں چڑھتا ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِى الْاَرْضِ ﴾ ’’وہ جانتا ہے جو زمین کے اندر داخل ہوتا ہے‘‘ یعنی جو کچھ زمین کے اندر جاتا ہے مثلاً بارش کے قطرے، بیج، مردے وغیرہ اللہ تعالیٰ کو ان سب کی تعداد معلوم ہے۔ (2) ﴿ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا ﴾ ’’اور جو اُس سے نکلتا ہے‘‘ یعنی وہ سب کچھ جو زمین سے باہر نکلتا ہے مثلاً نباتات، حیوانات، بوٹیاں، پھل وغیرہ اللہ تعالیٰ کو ان سب کی تعداد معلوم ہے۔ (3) اللہ تعالیٰ زمین میں جانے والی چیزوں کے بارے میں ہر طرح کا علم رکھتا ہے مثلاً ان کی کمیت اور کیفیت کا۔ (4) رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴾ اور غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں، اس کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا، اور وہ خشکی اور سمندر کی ہر چیز کو جانتا ہے اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اسے بھی جانتا ہے اور زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ نہیں گرتا اور نہ کوئی تر چیز اور نہ کوئی خشک چیز مگر سب کھلی کتاب میں ہے۔ (الانعام:59) (5) ﴿ وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ ﴾ ’’اور جو آسمان سے اُترتا ہے‘‘ یعنی آسمان سے اترنے والی بارش، رزق، تقدیریں، فرشتے اور وہ احکامات جو بزرگ فرشتوں کے ساتھ اتارے جاتے ہیں۔ رحمت اور عذاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو پورا علم ہے۔ (6) ﴿ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ﴾ ’’اور جو اُس میں چڑھتا ہے‘‘ یعنی فرشتے، نیک اعمال، دعائیں اور روحیں وغیرہ آسمان کی طرف چڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کے بارے میں خوب جانتا ہے۔ (7) سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رات کے اعمال دن سے پہلے اور دن کے اعمال رات سے پہلے اس کی جناب میں پیش کر دیے جاتے ہیں۔ (مسلم:445)

سوال3: ﴿ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴾ ’’اور جہاں کہیں بھی تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اُسے خوب دیکھنے والا ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾''اور جہاں کہیں بھی تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے''یعنی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اوراپنے علم سے تمہارے ساتھ ہے۔(2)تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ کا علم تمہارے ساتھ ہے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَاۤ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ یقیناً جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔تین میں کوئی سرگوشی نہیں ہوتی مگر وہ اُن کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ میں مگر وہ اُن کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اُس سے کم میں اور نہ زیادہ میں مگر وہ اُن کے ساتھ ہوتا ہے، جہاں کہیں بھی وہ ہوتے ہیں، پھر قیامت کے دن وہ اُن کو بتادے گا جو اُنہوں نے عمل کیے۔اللہ تعالیٰ یقیناً ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔(المجادلۃ:7)(3)یعنی تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے یعنی وہ تمہارا نگران ہے اور تمہارے عملوں کے وقت اس کا علم موجود ہے۔تم جس حالت میں ہو، جہاں کہیں بھی ہو،خواہ خشکی میں ہو یا تری میں،رات میں ہو یا دن میں،گھروں میں ہو یا چٹیل میدانوں میں اور خلوت میں ہو یا جلوت میں۔ہر حال، ہر عمل کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔اس کی آنکھیں ہر وقت اور یکساں تمہارے ساتھ ہیں اور اس کے کان تمہاری ہر بات یکساں سن رہے ہیں۔وہ تمہاری باتیں سن رہا ہے۔تمہارے عمل دیکھ رہا ہے۔تمہارے رازوں سے آگاہ ہے اور تمہاری سرگوشیوں سے واقف ہے۔(السراج المنیر:1999/2)(9)﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾''جو تم عمل کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ اسے خوب دیکھنے والا ہے''یعنی اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں کے ظاہری اور باطنی اعمال چھپے ہوئے نہیں ہیں۔(ایسر التفاسیر:1579)(10)یعنی وہ اپنے بندوں کے چھوٹے بڑے تمام اعمال پر نگہبان ہے۔(11) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احسان کے متعلق سوال کیا،تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (جواب دیتے ہوئے) ارشاد فرمایا:تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو،اگر یہ درجہ حاصل نہ ہو تو پھر یہ تو سمجھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔(بخاری:50)(12)اللہ تعالیٰ نے زمین سے نکلنے اور اس میں داخل ہونے، آسمانوں پر چڑھنے اور اترنے سے اپنے بصیر ہونے کا شعور دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جو تم عمل کرتے ہو۔

سوال4:اللہ تعالیٰ انسان کے ساتھ کیسے ہوتا ہے؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ اپنے علم وبصارت کے لحاظ سے انسان کے ساتھ ہوتا ہے۔(2)اللہ تعالیٰ انسان کے ایک ایک عمل کو دیکھتا اور سنتا ہے۔

﴿لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ (5)﴾

''آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہت اُسی کے لیے ہے اور تمام معاملات اللہ تعالیٰ ہی کی جانب لوٹائے جاتے ہیں''(5)

سوال1:﴿ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴾''آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہت اُسی کے لیے ہے اور تمام معاملات اللہ تعالیٰ ہی کی جانب لوٹائے جاتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾''آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہت اسی کے لیے ہے''یعنی اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت کا مالک ہے۔رب العزت نے فرمایا:﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ﴾''سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے کہ سب اُسی کا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور آخرت میں بھی سب تعریف اُسی کے لیے ہے اور وہی کمال حکمت والا پوری طرح خبر رکھنے والا ہے۔''(سبا:1-2)(2)﴿وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ﴾''اور یقیناً آخرت اور دنیا ہمارے اختیار میں ہے۔''(اللیل:13)(3) ملکیت،تخلیق اور عبدیت کے اعتبار سے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اسی کی ہے،وہ اپنے اوامر کونی وقدری اور اوامر شرعی جو حکمت ربانی کے مطابق جاری وساری ہیں،کے ذریعے سے ان میں جو چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔(تفسیر سعدی:3/2698،2699)(4)﴿ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴾''اور تمام معاملات اللہ تعالیٰ ہی کی جانب لوٹائے جاتے ہیں'' یعنی تمام لوگ اور ان کے اعمال اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔سب کے اعمال کا ریکارڈ تو پہلے ہی اس کے پاس موجود ہے۔ہر کام کا،ہر معاملے کا انجام بھی اسی کی طرف ہے۔وہ پاک اور ناپاک کو الگ کر دے گا پھر اپنی مخلوق کا انصاف سے فیصلہ فرمائے گا۔ایک ایک نیکی کا دس دس گنا اجر عطا فرمائے گا اور بدکاروں کو ان کی بدی کا بدلہ دے گا۔رب العزت نے فرمایا:﴿ اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾ وَكُلُّهُمْ اٰتِیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾﴾''آسمان اور زمین میں جو کوئی بھی ہے،رحمٰن کے پاس غلام بن کر ہی آنے والا ہے۔بلاشبہ یقیناً اُس نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے اور اُس نے ان سب کو خوب اچھی طرح شمار کر کے گن رکھا ہے۔اور اُن میں سے ہر ایک قیامت کے دن اس کے پاس اکیلا آنے والا ہے۔''(مریم:93-95)(5) سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم میں کھڑے ہو کر چار باتیں ارشاد فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ سوتا نہیں اور نہ ہی سونا اس کی شان کے لائق ہے۔اللہ تعالیٰ میزان اعمال کو اونچا نیچا کرتا ہے،دن کے اعمال رات اور رات کے اعمال دن کو اس کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔(مسلم:447)

سوال2:اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کا بادشاہ ہے اس سے کیا حقائق واضح ہوتے ہیں؟

جواب:اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک ہے اور اختیار رکھتا ہے۔وہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔

سوال3:تمام کام اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں لوٹائے جاتے ہیں؟

جواب:تمام کام اللہ تعالیٰ کی طرف اس لیے لوٹائے جاتے ہیں کہ وہ مالک ہے،بادشاہ ہے اور بادشاہ ہی فیصلے کرتے ہیں۔

﴿ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ط وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (6) ﴾

”وہ رات کودن میں داخل کرتا ہےاوروہ دن کورات میں داخل کرتا ہے۔اوروہ سینوں کی باتوں کوخوب جاننے والا ہے“(6)

سوال1:﴿ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِيالَّيْلِ ط وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴾”وہ رات کودن میں داخل کرتا ہےاوروہ دن کورات میں داخل کرتا ہے۔اوروہ سینوں کی باتوں کوخوب جاننے والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ﴾”وہ رات کودن میں داخل کرتا ہےاوروہ دن کورات میں داخل کرتا ہے۔“ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے حکم سے رات اوردن آتے جاتے ہیں۔کبھی رات دن پر چھاجاتی ہے تولوگ آرام کرتے ہیں پھردن رات پر چھاجاتا ہےتوانسان اوردیگرمخلوقات اپنے معاش کے انتظامات میں لگ جاتے ہیں۔(2)اللہ تعالیٰ دن اوررات کواپنی قدرت کاملہ سے گھٹاتا اور بڑھاتا رہتا ہے۔کبھی دن رات برابرکردیتا ہے،کبھی راتیں لمبی ہوجاتی ہیں تودن چھوٹے ہوجاتے ہیں۔کبھی دن لمبے ہوجاتے ہیں توراتیں چھوٹی ہوجاتی ہیں۔اسی سے موسم جنم لیتے ہیں۔اسی سے وقت کا حساب کتاب درست رہتا ہے۔اللہ تعالیٰ بندوں کے لئے جو مناسب سمجھتاہے کرتا ہے۔وہ کائنات کارب ہےفضل وکرم کامالک اورجواد ہے۔وہ بندوں کوجوچاہتاہےعطافرماتا ہے۔(3)﴿وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴾”اوروہ سینوں کی باتوں کوخوب جاننے والا ہے“یعنی بندوں کے دلوں میں جوخیراورشر ہےوہ اس کوجانتا ہے۔اس سے کوئی چیزچھپی ہوئی نہیں۔(جامع البیان:225/27)(4)وہ جسے اہل سمجھتا ہے اسے ہدایت دیتا ہےاور جسے اہل نہیں سمجھتا اسے اس کے حالات پرچھوڑدیتا ہے۔

سوال3:ذات الصدورکسے کہتے ہیں؟

جواب:ذات الصدوردلوں کی ملکہ کوکہتے ہیں۔

سوال5:ان آیات کی کیافضیلت ہے؟

جواب:سیوطی نے جمع الجوامع میں لکھا ہے کہ مراد پوری ہونے کی دعا کے سلسلے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:پہلے سورہ الحدید کی ابتدائی آیات اورسورہ الحشر کےآخرکی تین آیات پڑھے پھر کہےاے وہ ذات جوایسی ہے کہ اس کے سوااورکوئی نہیں میری اس حاجت کوپورا کردے۔انشاء اللہ دعاقبول ہوگی۔(تفسیر مظہری:181/11)

﴿ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ط فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ (7) ﴾

’’ایمان لاؤاللہ تعالیٰ اوراُس کے رسول پراورخرچ کرواُس میں سے جس پراُس نے تمھیں جانشین بنایا ہے، چنانچہ تم میں سے جولوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے خرچ کیا،اُن کے لیے بہت بڑااجر ہے‘‘(7)

سوال1:﴿ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ط فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴾’’ایمان لاؤاللہ تعالیٰ اوراُس کے رسول پراورخرچ کرواُس میں سے جس پراُس نے تمھیں جانشین بنایا ہے، چنانچہ تم میں سے جولوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے خرچ کیا،اُن کے لیے بہت بڑااجر ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ ’’ایمان لاؤاللہ تعالیٰ اوراُس کے رسول پر‘‘یعنی اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول کی تصدیق کرواور اپنے ایمان پرثابت قدم رہو۔(2) یہ غزوہ تبوک کے بارے میں نازل ہوئی۔(تفسیرمنیر322/14)(3)اس کا مقصد انفاق اور دنیا سے بے رغبتی کی ترغیب دلانا ہے۔(صفوۃالتفاسیر:303/4۔304)(4)﴿وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ﴾’’اورخرچ کرواُس میں سے جس پراُس نے تمھیں جانشین بنایا ہے‘‘یعنی یہ وہ مال ہے جس میں تم دوسروں کے جانشین بنادیے گئے ہواورعنقریب تمہارے بعدوالے اس مال میں تمہارے لئے جانشین ہوں گے۔یہ مال چنددن کے لئے تمھیں دیا گیا ہے۔اس لئے اس حالت کوغنیمت سمجھواوردل کھول کر مال خرچ کرو۔اگرایسانہیں کروگے تو یہ تمہارے پاس سے دوسروں کے پاس چلا جائے گااورحق داروں کی حق تلفیاں تمہارے سرآئیں گی جس کی آخرت میں سخت پکڑ ہوگی۔یہ مال کتنا جان لیوا ثابت ہوگا!(5)انفقوا میں زکوٰۃ،صدقات اورانفاق فی سبیل اللہ سب شامل ہیں۔(الاساس فی التفسیر:5724/10)(6)﴿جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ﴾’’جس پراُس نے تمھیں جانشین بنایا ہے‘‘سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہوسکتا ہے تمہارا مال تمہارے کام نہ آئے۔تمہارا جانشین اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کا پیارا بن جائے اورتم اس نعمت سے محروم رہ جاؤاور یہ بھی ممکن ہے کہ تمہارا جانشین براہواور وہ آوارگی میں خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کا مغضوب بن جائے جس کا ذریعہ تم بنے۔نہ تم مال چھوڑتے نہ وہ آوارہ بنتا۔(السراج المنیر:2001/2)(7)﴿فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴾’’چنانچہ تم میں سے جولوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے خرچ کیا،اُن کے لیے بہت بڑااجر ہے‘‘یعنی خلوص نیت کے ساتھ ایمان لاکراللہ تعالیٰ کے وعدوں کو یقینی سمجھو۔اس نے ایمان لاکرخرچ کرنے والوں سے بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔(8)اجرکبیر سے مراد بہت بڑاثواب،بدلہ ہےاوروہ جنت ہے۔(ایسرالتفاسیر:1580)(9)سیدناابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:’’بندہ کہتا ہے میرا مال میرا مال،حالانکہ اس کے مال میں سے اس کی صرف تین چیزیں ہیں:جوکھایااورختم کرلیا،جوپہنااور پرانا کرلیااور جواس نے (اللہ تعالیٰ کے راستے میں) دیااور(یہ اس نے آخرت کے لیے) جمع کر لیا۔اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے تو وہ(بندہ)جانے والااوراس (مال) کولوگوں کے لیے چھوڑنے والا ہے۔‘‘(مسنداحمد:16312،مسلم:7422)

سوال2:اللہ تعالیٰ نے مال خرچ کرنے کے لیے یہ مطالبہ کیوں کیا ہے کہ’’ایمان لےآؤاللہ تعالیٰ اوراس کے رسول پر؟‘‘

جواب:(1)مال خرچ کرنے کا تعلق ایمان سے واضح ہے۔(2)ایمان لانے کا لازمی تقاضا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرے۔

سوال3: مال میں دوسروں کا جانشین بنانے سے کیا مراد ہے؟

جواب:اس سے یہ مراد ہے کہ یہ مال پہلے تمہارے پاس نہیں تھا پھر اللہ تعالیٰ نے یہ مال تم تک پہنچایا اس طرح تم مال میں دوسروں کے جانشین بن گئے۔

سوال4: مال میں دوسروں کے جانشین بننے سے اللہ تعالیٰ نے کس طرف توجہ دلائی ہے؟

جواب:(1)مال میں دوسروں کے جانشین بننے سے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ مال تمہارے پاس بھی نہیں رہے گا تمہارے وارثوں کے پاس چلا جائے گا۔(2)اللہ تعالیٰ نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ اگر تم نے مال خرچ نہ کیا اور تمہارے وارث تمہارا مال پا کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر گئے تو تم سے زیادہ خوش نصیب ہو جائیں گے۔(3)اگر تمہارے وارثوں نے مال اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کیا تو ان کے ساتھ تعاون کرنے کے جرم میں تم بھی پکڑے جاؤ گے۔

﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (8)﴾

''اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے؟ حالانکہ خود رسول تمہیں دعوت دے رہا ہے کہ تم اپنے رب پر ایمان لے آؤ اور یقیناً اگر تم واقعی مومن ہو تو وہ تم سے پختہ عہد بھی لے چکا ہے''(8)

سوال1:﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾''اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے؟ حالانکہ خود رسول تمہیں دعوت دے رہا ہے کہ تم اپنے رب پر ایمان لے آؤ اور یقیناً اگر تم واقعی مومن ہو تو وہ تم سے پختہ عہد بھی لے چکا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ﴾''اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے''یعنی تمہیں ایمان لانے سے کون سی چیز روکتی ہے۔(2)﴿وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ﴾''حالانکہ خود رسول تمہیں دعوت دے رہا ہے کہ تم اپنے رب پر ایمان لے آؤ''یعنی محمد رسول ﷺ جو تمام رسولوں میں افضل ہیں وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلا رہے ہیں۔اس لئے تم ان کی دعوت پر لبیک کہنے کے لئے جلدی آگے بڑھو۔(3)﴿وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾''اور یقیناً اگر تم واقعی مومن ہو تو وہ تم سے پختہ عہد بھی لے

چکاہے‘‘اس اقرار سے مرادعہد الست بھی ہوسکتا ہے جس کے مطابق ہر شخص نے اقرار کیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار بنے گا۔رب العزت نے فرمایا:﴿ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ م بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَاَشْھَدَھُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ ج اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ ط قَالُوْا بَلٰی ج شَھِدْنَا ج اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا کُنَّا عَنْ ھٰذَا غٰفِلِیْنَ (۱۷۲) اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَکَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَکُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْ م بَعْدِھِمْ ج اَفَتُھْلِکُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ (۱۷۳) وَکَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَلَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ (۱۷۴)﴾’’اور جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کی جانوں پر انہیں گواہ بنایا:’’کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟‘‘ اُنہوں نے کہا: ’’کیوں نہیں! ہم نے گواہی دی۔‘‘ایسا نہ ہو کہ تم قیامت کے دن کہو کہ ہم تو یقیناً اس سے غافل تھے۔یا تم کہو کہ اس سے پہلے ہمارے باپ دادا نے شرک کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد کی ایک نسل تھے،تو کیا تُو ہمیں اس کی وجہ سے ہلاک کرے گا جو باطل پرستوں نے کیا؟اور ہم آیات ایسے ہی تفصیل سے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ رجوع کریں۔‘‘ (الاعراف:172۔174)(4)اس سے مراد اسلام لانا بھی ہوسکتا ہے کیونکہ اسلام میں داخل ہونا اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا فرماں بردار بن کر رہے گا۔(5)رب العزت نے فرمایا:﴿وَاذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَمِیْثَاقَهُ الَّذِیْ وَاثَقَکُمْ بِهٖٓ لا اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَاز وَاتَّقُوا اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ م بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾’’اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو اور اس کے عہد کو بھی جو اس نے تم سے مضبوط باندھا تھا،جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور ہم نے مانا اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سینوں والی بات کو خوب جاننے والا ہے۔‘‘ (المائدہ:7)

سوال2:اللہ تعالیٰ نے یہ بات کیوں کہی ہے کہ تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے؟

جواب:یہ بات اس لیے کہی گئی ہے کہ ایمان لانے کے بعد بھی لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

سوال3:یہاں عہد و پیمان سے کیا مراد ہے؟

جواب:اس سے مراد بیعت ہے۔

سوال4:رسول ﷺ ایمان والوں سے کیا عہد و پیمان لیتے تھے؟

جواب:رسول ﷺ ایمان والوں سے یعنی صحابہ کرام سے خوشی اور ناخوشی کی ہر حالت میں سمع و طاعت کی بیعت لیتے تھے۔

﴿ھُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖٓ اٰیٰتٍ م بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ط وَاِنَّ اللّٰہَ بِکُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (۹)﴾

’’وہی ہے جو اپنے بندے پر واضح آیات نازل کرتا ہے تا کہ وہ تمہیں تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال لائے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر بے حد نرمی کرنے والا،نہایت رحم والا ہے‘‘(9)

سوال1:﴿هُوَ الَّذِىْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾''وہی ہے جو اپنے بندے پر واضح آیات نازل کرتا ہے تا کہ وہ تمہیں تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال لائے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر بے حد نرمی کرنے والا، نہایت رحم والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿هُوَ الَّذِىْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ﴾''وہی ہے جو اپنے بندے پر واضح آیات نازل کرتا ہے''یعنی اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے بندے پر آیات بینات یعنی قرآن مجید کی آیات اور معجزات نازل کئے ہیں۔(2)اللہ تعالیٰ نے کتنے نازک مراحل میں ایسے غیبی وسائل سے اپنے رسول کی مدد فرمائی جس سے واضح طور پر ان کی صداقت کی دلیل ملتی ہے کہ ان کی پشت پر کوئی مافوق الفطرت قوت موجود ہے۔(3)﴿لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾''تا کہ وہ تمہیں تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال لائے''یعنی یہ سب کچھ اس لئے ہے تا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کفر کے اندھیرے سے نکال کر ایمان کی طرف لائے اور گمراہی کے اندھیرے سے ہدایت کی طرف لائے۔(4) تا کہ وہ شک اور حیرت کے اندھیرے سے ایمان کے نور اور یقین کی طرف لائے۔(5)﴿وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾''اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر بے حد نرمی کرنے والا، نہایت رحم والا ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ نے کتابیں اور رسول بھیج کر تم پر رحمت کی۔تمہارے شکوک وشبہات دور کر کے تمہیں ایمان اور یقین کی منزل تک پہنچایا۔اگر تم سمجھو تو یہ تم پر اللہ تعالیٰ کی بڑی مہربانی ہے۔

سوال2:اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کس مقصد کے لیے واضح آیات نازل کی ہیں؟

جواب:اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر ہر دور میں کتابیں نازل کی ہیں جیسے محمد رسول ﷺ پر قرآن مجید نازل کیا تا کہ انسانوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائیں۔

سوال3:اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات الرؤف اور الرحیم کا کیسے شعور دلایا ہے؟

جواب:اللہ تعالیٰ نے آیات کے نازل کرنے سے اپنی رأفت ورحمت کا شعور دلایا ہے۔یقیناً اندھیرے جان لیوا ہیں۔سب سے جان لیوا اندھیرا شعور کا ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے کتاب نازل کی تا کہ انسان کو شعور کے اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لایا جائے۔یقیناً اس کی مہربانی ہے کہ اس نے رسولوں کے توسط سے یہ اندھیرے دور کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

﴿ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا يَسْتَوِىْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (10)﴾

''اور تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے؟ حالانکہ آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، تم میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا وہ (بعد میں عمل کرنے والوں کے) برابر نہیں۔ یہی لوگ درجے میں اُن لوگوں سے بہت بڑے ہیں جنہوں نے فتح کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا اور اللہ تعالیٰ نے سب سے اچھے بدلے کا ہی وعدہ کیا ہے۔ اور جو تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اُس سے خوب باخبر ہے'' (10)

سوال1: ﴿وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''اور تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے؟ حالانکہ آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ''اور تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے؟'' یعنی تمہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے سے کس چیز نے روک رکھا ہے؟ (2) تم کیوں نہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو جب کہ تمہاری ملکیت میں کوئی چیز نہیں۔ (3) ﴿وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''حالانکہ آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے'' یعنی تمہارا مال تمہارے مرنے کے بعد تمہارے وارثوں کے پاس چلا جائے گا۔ یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے گا حتیٰ کہ یہ مال اللہ تعالیٰ کی میراث میں چلا جائے گا۔ (4) اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ تم دنیا میں خالی ہاتھ آئے تھے اور جب جاؤ گے تو خالی ہاتھ جاؤ گے۔ پھر وہ سب کچھ جو آج تمہارے ہاتھ میں ہے تمہاری ملکیت کیسے ہے؟ (5) پس تمام اموال تمھارے ہاتھوں سے نکل جائیں گے یا تم انھیں چھوڑ کر چلے جاؤ گے، پھر یہ ملکیت اس کے حقیقی مالک، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف لوٹ جائے گی۔ پس جب تک یہ اموال تمھارے ہاتھ میں ہیں، اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر کے فائدہ اٹھاؤ اور فرصت کو غنیمت سمجھو۔ (تفسیر سعدی: 2702،2701/3) (6) اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ تمہیں وہ انفاق کی دعوت دے رہا ہے جس کے لیے آسمان وزمین کی میراث ہے، جس نے تمہیں اختیارات دیئے ہیں، جس کی طرف تمام امور کے فیصلوں کے لیے رجوع کیا جاتا ہے۔ تمہیں کیا ہے کہ تم اس کے راستے میں خرچ نہیں کرتے؟ (7) اللہ تعالیٰ نے یہ سمجھایا ہے کہ آسمان اور زمین تو اس کے ہیں اسے مال کی ضرورت نہیں ہے ہاں تم مال خرچ کرو تو یہ خرچ کرنا تمہارے ایمان کا تقاضا بھی ہے اور اس خرچ کا تمہیں خود فائدہ ہوگا۔

سوال2: ﴿لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ ''تم میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا وہ (بعد میں عمل کرنے والوں کے) برابر نہیں۔ یہی لوگ درجے میں اُن لوگوں سے بہت بڑے ہیں جنہوں نے فتح کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا اور اللہ تعالیٰ نے سب سے اچھے بدلے کا ہی وعدہ کیا ہے۔ اور جو تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اُس سے خوب باخبر ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ﴾ ''تم میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ

کیااور جہاد کیا وہ (بعد میں عمل کرنے والوں کے) برابر نہیں'' بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ دوآیات فتح مکہ کے بعد اور بقول بعض غزوہ تبوک کے وقت نازل ہوئیں جو مضمون کی مناسبت کے لحاظ سے یہاں رکھی گئیں۔اور فتح سے مراد بعض علماء نے صلح حدیبیہ لی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے بھی فتح مبین قرار دیا ہے لیکن اکثریت کے نزدیک اس سے مراد فتح مکہ ہے۔(تیسیر القرآن:372/4)(2) مکہ والوں میں سے جن لوگوں نے اسلام قبول کیا انہیں سخت تکالیف اور بے پناہ خوف کا سامنا تھا۔یہی وجہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے اسلام قبول کیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا ان کا اجروثواب اور درجہ ان لوگوں سے زیادہ بڑا ہے جنہوں نے فتح کے بعد اسلام قبول کرکے جہاد کیا اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کیا۔رب العزت نے فرمایا:﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ لا رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾''اور مہاجرین اور انصار میں سب سے پہلے سبقت کرنے والے اور جن لوگوں نے حسن وخوبی سے ان کی اتباع کی ہے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہوگئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔''(التوبہ:100) (3) سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ میں کچھ اختلاف ہوگیا۔خالد رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے کہا تم اسی بات پر ہم سے جھگڑتے ہو کہ ہم سے کچھ دن پہلے اسلام لائے۔جب رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: میرے صحابہ کو میری خاطر چھوڑ دو، اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم احد پہاڑ کے یا پہاڑوں کے برابر بھی سونا خرچ کرو تو بھی ان کے اعمال کو نہیں پہنچ سکتے۔(مسند احمد:13819) (4) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے صحابہ کو برا نہ کہو، اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو بھی وہ ان کے خرچ کردہ تین پاؤ اناج کے ثواب کو نہیں پہنچے گا، اور نہ اس کے نصف (ڈیڑھ پاؤ) کو پہنچے گا۔(بخاری:3673)(5)﴿ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ﴾''اور اللہ تعالیٰ نے سب سے اچھے بدلے کا ہی وعدہ کیا ہے''یعنی اللہ تعالیٰ نے فتح سے پہلے اور فتح کے بعد اسلام لانے والوں کے لئے جنت کا وعدہ کیا۔(6) ان دونوں گروہوں کا اجر تو یکساں نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ سب کے اعمال کی حقیقت سے باخبر ہے۔(7)﴿ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴾''اور جو تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے خوب باخبر ہے''جس نیت سے کسی نے خرچ کیا ہو اللہ تعالیٰ اس سے خوب باخبر ہے۔جس قدر اخلاص نیت اور ایمان کی پختگی کے ساتھ کوئی خرچ کرے گا اللہ تعالیٰ اسی نسبت سے اس کا اجر بڑھائے گا۔(تیسیر القرآن:373/4)(8) اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی رو سے دونوں کے درجوں میں فرق رکھا ہے کیونکہ پہلوں میں جو کامل اخلاق پائے جاتے ہیں وہ دوسروں میں نہیں ہیں۔

سوال3: اللہ تعالیٰ کے خبیر ہونے کے یویقین کے کسی شخص پر کیسے اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ کے خبیر ہونے کا یقین انسان پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔انسان اپنے اعمال کے بارے میں فکرمند ہوجاتا ہے۔

(2)انسان اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی کے یقین سے اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگ دوڑ والے کام زیادہ تیزی سے کرنے لگتا ہے۔

سوال4: فتح سے پہلے انفاق اور جہاد کرنے والوں اور فتح کے بعد انفاق اور جہاد کرنے والوں کا درجہ برابر نہیں ہے، اس کی وضاحت کریں۔

جواب: فتح سے قبل مسلمان افرادی اور مادی طاقت کے لحاظ سے کم تھے۔ مسلمان مالی طور پر مشکلات کا شکار تھے۔ ایسے حالات میں خرچ کرنا دل گردے کا کام تھا۔ فتح کے بعد یہ صورتحال بدل گئی۔ مسلمانوں کے مالی حالات بہتر ہو گئے۔ مسلمانوں کی افرادی اور مالی طاقت میں بھی اضافہ ہوا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دونوں ادوار میں خرچ اور جہاد کر کے اجر پانا برابر نہیں ہے۔

سوال5: فتح سے پہلے خرچ کرنے والوں کا درجہ کیوں بڑا ہے؟

جواب: (1) فتح سے پہلے خرچ کرنے والوں نے مشکل دور میں خرچ کیا جب اسلام ہر طرف سے خطرات میں گھرا ہوا تھا، دشمن زیادہ تھے اور معاون کم تھے۔ (2) ان لوگوں کو خرچ کر کے کوئی دنیاوی امید اور لالچ نہ تھا۔ وہ لوگ ظاہری اسباب اور مادی مفادات سے دور تھے۔ سارا خرچ جذبہ خیر پر مبنی تھا جس پر انہیں عقیدہ آمادہ کر رہا تھا۔ (3) فتح سے پہلے خرچ کرنے والوں کے اخلاص میں شبے کی گنجائش نہ تھی۔ ان کا اللہ تعالیٰ پر گہرا بھروسہ تھا۔ (4) پہلے لوگوں کا انفاق اور جہاد انتہائی نامساعد حالات میں ہوا اس لیے ان کا درجہ بڑا تھا۔

سوال6: لوگوں میں اللہ تعالیٰ نے اعمال کے اعتبار سے درجات کا فرق رکھا ہے تو کیا دنیا میں بھی فضیلت والوں کو دوسروں کے مقابلے میں مقدم رکھنا چاہیے؟

جواب: فضیلت والوں کو دنیا میں بھی دوسرے لوگوں کے مقابلے میں مقدم رکھنا چاہیے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ میں کچھ اختلاف ہو گیا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے کہا: تم اسی بات پر ہم سے جھگڑتے ہو کہ ہم سے کچھ دن پہلے اسلام لائے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہ کو میری خاطر چھوڑ دو، اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم احد پہاڑ کے یا پہاڑوں کے برابر بھی سونا خرچ کرو تو بھی ان کے اعمال کو نہیں پہنچ سکتے۔ (مسند احمد: 13819)

سوال7: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے زیادہ مقدم کس کو رکھا؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے مقدم سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رکھا کیونکہ وہ ایمان لانے میں، انفاق میں، جہاد میں سب سے آگے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز کے لیے آگے کیا اور اسی بنیاد پر مومنوں نے خلافت میں انہیں آگے کیا۔

سوال8: ﴿ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ نے سب سے اچھے بدلے کا ہی وعدہ کیا ہے'' سے کیا مراد ہے؟
جواب: (1) بھلائی کا وعدہ تو سب سے ہے اس سے مراد یہ ہے کہ درجات میں فرق ضرور ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو لوگ بعد میں ایمان لائے وہ ایمان اور انفاق کے اعتبار سے گئے گزرے تھے۔ (2) اس وعدہ حسن سے اللہ تعالیٰ نے سب کو مایوسی سے بچا لیا۔
سوال9: اللہ تعالیٰ نے اپنے خبیر ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟
جواب: اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے انفاق سے، لوگوں کے درجات سے، اپنے خبیر ہونے کا شعور دلایا ہے۔

رکوع نمبر 18

﴿ مَنْ ذَا الَّذِىْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ (۱۱) ﴾

''کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دے؟ تو وہ اُسے کئی گنا تک اُس کے لئے بڑھا دے اور اُسی کے لیے باعزت اجر ہے'' (11)

سوال1: ﴿ مَنْ ذَا الَّذِىْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴾ ''کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دے؟ تو وہ اسے کئی گنا تک اس کے لئے بڑھا دے اور اُسی کے لیے باعزت اجر ہے'' کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿ مَنْ ذَا الَّذِىْ يُقْرِضُ اللّٰهَ ﴾ ''کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دے؟'' یعنی اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لیے قرض دے۔ (2) ﴿ قَرْضًا حَسَنًا ﴾ ''قرضِ حسنہ'' یعنی قرض جس سے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی رضا مطلوب نہ ہو۔ (ایسر التفاسیر: 1581) (3) اس سے مراد پاک اور طیب مال ہے۔ جسے خالص اللہ تعالیٰ کے لیے، اس کی رضا کے مطابق، حلال اور طیب مال میں سے نہایت خوش دلی کے ساتھ خرچ کیا جائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے اس انفاق کو ''قرض'' کے نام سے موسوم کیا ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ مال اسی کا مال اور یہ بندے اسی کے بندے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 2702/3) (4) ﴿ فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ ﴾ ''تو وہ اُسے کئی گنا تک اُس کے لئے بڑھا دے'' یعنی ایک درہم کے بدلے میں سات سو درہم۔ (5) اللہ تعالیٰ نے اس مال کو کئی گنا کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ یہ مال آخرت میں کئی گنا بڑھایا جائے۔ اس روز ہر انسان پر اپنی ضرورت واضح ہو جائے گی۔ (6) رب العزت نے فرمایا: ﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِىْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (261) ﴾ جو اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُن کی مثال ایک دانے جیسی ہے جو سات خوشے اُگاتا ہے، ہر خوشے میں سو دانے ہیں اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے کئی گنا بڑھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ (البقرہ: 261) (7) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب (تم میں سے) کوئی شخص پاک مال سے صدقہ دیتا ہے اور اللہ پاک مال ہی قبول فرماتا ہے، تو ہوتا یہ ہے کہ رحمٰن اس صدقے کو اپنے سیدھے ہاتھ میں لے لیتا ہے، خواہ وہ ایک کھجور ہی کیوں نہ ہو۔ پھر وہ صدقہ

رحمٰن کی ہتھیلی میں بڑھتا رہتا ہے، یہاں تک کہ پہاڑ سے بڑا ہو جاتا ہے۔(اللہ تعالیٰ صدقے کی اس طرح پرورش کرتا ہے) جس طرح تم میں سے کوئی اپنے گھوڑے کے بچے یا اونٹ کے بچے کی پرورش کرتا ہے۔(مسلم:2342)(8)خُریم بن فاتک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتا ہے اس کے لیے سات سو گنا اجر لکھا جاتا ہے۔''(جامع ترمذی:1625)(9)سیدنا ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی ایک اونٹنی لے کر آیا جس کو مہار ڈالی ہوئی تھی۔عرض کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں (صدقہ) ہے تو اسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''تیرے پاس قیامت کے دن اس کے بدلے سات سو اونٹنیاں ہوں گی جن کی مہار ڈالی ہوئی ہوگی۔''(صحیح مسلم:4897) (10)﴿وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِيْمٌ﴾''اور اسی کے لیے باعزت اجر ہے''یعنی قیامت کے دن اور وہ جنت ہے جو ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کا گھر ہے۔(ایسر التفاسیر:1581)

سوال2:اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دینے کا مطلب کیا ہے؟

جواب:اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دینے کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں انفاق کرنا،صدقہ و خیرات کرنا۔

سوال3:اللہ تعالیٰ کے راستے میں جو مال خرچ کیا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اس کے باوجود اسے قرض کیوں قرار دیا گیا ہے؟

جواب:یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ وہ اپنے دیئے ہوئے مال میں سے اسی طرح اجر دے گا جس طرح قرض کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔

﴿يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (12)﴾

''جس دن آپ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھیں گے کہ اُن کا نور اُن کے آگے آگے اور اُن کے دائیں دوڑ رہا ہوگا۔آج ایسے باغات کی تمہیں خوشخبری ہو جن کے نیچے نہریں جاری ہیں،اس میں ہمیشہ کے رہائشی ہو،یہی بڑی کامیابی ہے۔(12)''

سوال1:﴿يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾''جس دن آپ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھیں گے کہ اُن کا نور اُن کے آگے آگے اور اُن کے دائیں دوڑ رہا ہوگا۔آج ایسے باغات کی تمہیں خوشخبری ہو جن کے نیچے نہریں جاری ہیں،اس میں ہمیشہ کے رہائشی ہو، یہی بڑی کامیابی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ﴾''جس دن آپ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھیں گے کہ اُن کا نور اُن کے آگے آگے اور اُن کے دائیں دوڑ رہا ہوگا''یعنی جب قیامت کا دن ہوگا تو سورج کو لپیٹ دیا جائے گا، چاند بے نور ہو جائے گا،تمام لوگ اندھیرے میں ہوں گے۔(تفسیر سعدی:2703/3)(2)سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان میں

بعض کا نور پہاڑوں کے برابر ہوگا اور بعض کا کھجوروں کے درختوں کے برابر اور بعض کا کھڑے انسان کے قد کے برابر۔ سب سے کم نور جس گناہ گار مومن کا ہوگا اس کے انگوٹھے پر ہوگا جو کبھی روشن ہوگا کبھی بجھ جاتا ہوگا۔ (ابن جریر) (3) سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ کسی کا نور مدینہ عدن تک، کسی کا مدینہ سے صنعاء تک اور کسی کا اس سے بھی کم ہوگا یہاں تک کہ بعض مومن ایسے ہوں گے جن کا نور محض ان کے قدموں پر ہی ہوگا۔ (مختصر ابن کثیر: 2003/2) سیدنا جنادہ بن امیہ فرماتے ہیں: لوگو! تمہارے نام ولدیت کے اور خاص نشانیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہاں لکھے ہوئے ہیں اس طرح تمہارا ہر ظاہر باطن عمل بھی وہاں لکھا ہوا ہے قیامت کے دن نام لے کر پکار کر کہہ دیا جائے گا کہ اے فلاں یہ تیرا نور ہے اور اے فلاں تیرے لئے کوئی نور ہمارے ہاں نہیں، پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ (ابن کثیر: 276,275/5) (6) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرو، خالص توبہ۔ قریب ہے کہ تمہارا رب تم سے تمہاری برائیاں دور کردے اور تمہیں داخل کردے ان باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، اس دن اللہ تعالیٰ نبی کو اور اُن لوگوں کو جو اُس کے ساتھ ایمان لائے ہیں، رُسوا نہ کرے گا، اُن کا نور اُن کے آگے اور اُن کی دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا، وہ کہیں گے: ''اے ہمارے رب! ہمارا نور مکمل کردے اور ہمیں بخش دے، بلاشبہ تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔'' (التحریم: 8) (7) ﴿بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ''آج ایسے باغات کی تمہیں خوشخبری ہو جن کے نیچے نہریں جاری ہیں'' فرشتے جنت کی خوشخبری دیں گے جو اہل ایمان کو بے حد محبوب ہوگی کیونکہ اس کے بعد وہ ہر خوف سے نجات پا جائیں گے انہیں ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں ٹھہرایا جائے گا۔ (8) ﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ ''یہی بڑی کامیابی ہے'' یعنی وہ دوزخ سے نجات پا کر جنت میں داخل ہوں گے یہی سب سے بڑی کامیابی ہے اس سے بڑی کوئی کامیابی نہیں۔

سوال 2: حشر کے دن مومن مردوں اور عورتوں کا نور کس مقام پر ان کے دائیں اور آگے آگے دوڑ رہا ہوگا؟

جواب: یہ پل صراط پر ہوگا۔

سوال 3: اہل ایمان کا نور کس چیز کا صلہ ہوگا؟

جواب: اہل ایمان کا نور ان کے ایمان اور اعمال صالح کا صلہ ہوگا۔

سوال 4: اہل ایمان اس نور میں کہاں جائیں گے؟

جواب: اہل ایمان اس نور میں جنت کا راستہ آسانی سے طے کرلیں گے۔

سوال 5: ﴿بشرکم الیوم﴾ کی خوشخبری کون دے گا؟

جواب: یہ خوشخبری فرشتے دیں گے جو جنت میں ان کے استقبال اور خوش آمدید کہنے کے لیے موجود ہوں گے۔

سوال6: فرشتے اہل ایمان کا استقبال کرتے ہوئے انہیں کیا کہیں گے؟

جواب: (1) فرشتے اہل ایمان سے کہیں گے کہ جنت کی خوشخبری ہے جس کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں ہمیشہ کی رہائش ہے۔ (2) فرشتے یہ بھی کہیں گے کہ یہ بڑی کامیابی ہے۔

سوال7: قیامت کے دن نور کا انحصار کس چیز پر ہوگا؟

جواب: قیامت کے دن نور مومنوں کے نیک اعمال کا ہوگا۔ جتنا کسی کا ایمان پختہ ہوگا اور نیک اعمال کثیر ہوں گے اتنا ہی اس کا نور یا روشنی زیادہ ہوگی۔

سوال8: نیک اعمال اور دائیں جانب کا آپس میں کیا تعلق ہے؟

جواب: نیک اعمال اور دائیں جانب کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے۔ اہل جنت کو اعمال نامہ بھی دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے ایک شخص اندھیرے میں روشنی کا کوئی آلہ مثلاً لالٹین، لیمپ یا ٹارچ عموماً اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر چلتا ہے اس کی روشنی سامنے اور دائیں ہاتھ پر تو خوب پڑتی ہے مگر بائیں ہاتھ یا پیچھے بھی روشنی پڑتی تو ہے مگر بہت کم۔ یہی حال اس دن ہوگا آگے جو روشنی پڑے گی اس کا تعلق دل سے ہے۔ جس قدر کسی کا دل ایمان کی پختگی اور اس کے نور سے منور ہوگا اتنی ہی زیادہ اس کے آگے روشنی ہوگی اور دائیں طرف کی روشنی کا تعلق اس کے اعمال صالحہ سے ہوگا۔ (تیسیر القرآن: 374/4)

﴿ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآئَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ (13) ﴾

''جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے: ''ہمارا انتظار تو کرو کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں۔'' کہا جائے گا: اپنے پیچھے لوٹ جاؤ، پھر کچھ نور تلاش کرو' چنانچہ اُن کے درمیان دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا، اُس کے اندرونی حصّے میں رحمت ہوگی اور اُس کے بیرونی حصے میں اس کی طرف عذاب ہوگا'' (13)

سوال1: ﴿يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ﴾ ''جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے: ''ہمارا انتظار تو کو کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں'' کہا جائے گا: اپنے پیچھے لوٹ جاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ یَوۡمَ یَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا ﴾''جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے:'' منافق مرد اور عورتیں اس وقت کہیں گے جب وہ دیکھیں گے کہ مومن مرد اور عورتیں روشنی میں چلے جا رہے ہیں اس موقع پر مومن دعا کریں گے:﴿ رَبَّنَاۤ اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَاغۡفِرۡ لَنَا ۚ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۸﴾ ﴾''اے ہمارے رب! ہمارا نور مکمل کر دے اور ہمیں بخش دے، بلاشبہ تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔''(التحریم:8) یہ معاملہ پل صراط پر ہوگا اور منافق دیکھیں گے کہ ان کی روشنی بجھ چکی ہے تو وہ حیران و پریشان ہو کر کہیں گے۔(2)﴿ انۡظُرُوۡنَا نَقۡتَبِسۡ مِنۡ نُّوۡرِکُمۡ ﴾''ہمارا انتظار تو کرو کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں'' منافق اپنے مومن بھائیوں سے کہیں گے کہ آپ ٹھہر جاؤ تا کہ ہم آپ کی روشنی سے فائدہ اٹھالیں اور کچھ روشنی لے کر اندر چلے جائیں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائیں۔

سوال2: منافق کس وقت اہل ایمان سے کہیں گے کہ ہمارا انتظار کرو ہم تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں؟

جواب: منافق مرد اور منافق عورتیں پل صراط پر کچھ فاصلے تک مومن مردوں اور مومن عورتوں کے ساتھ ان کی روشنی میں چلیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ منافقوں پر اندھیرا مسلط کر دیں گے اس وقت وہ مومنوں سے کہیں گے کہ ہمارا انتظار کرو ہم تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں۔

سوال3:''اپنے پیچھے لوٹ جاؤ'' اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے کہ دنیا میں لوٹ جاؤ اور ایمان اور عمل صالح لے کر آؤ جیسے ہم لے کر آئے ہیں۔

سوال4:﴿ قِیۡلَ ارۡجِعُوۡا وَرَآءَکُمۡ فَالۡتَمِسُوۡا نُوۡرًا ﴾''کہا جائے گا: اپنے پیچھے لوٹ جاؤ، پھر کچھ نور تلاش کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ قِیۡلَ ارۡجِعُوۡا وَرَآءَکُمۡ فَالۡتَمِسُوۡا نُوۡرًا ﴾''کہا جائے گا: اپنے پیچھے لوٹ جاؤ، پھر کچھ نور تلاش کرو'' یہ بات ان کا مذاق اڑاتے ہوئے کہی جائے گی کہ جاؤ اپنی دنیا کی طرف چلے جاؤ جہاں سے تم نور حاصل کر سکتے ہو جب تم شرک اور نافرمانی کے کام چھوڑ کر ایمان اور نیک عمل کرو پھر وہ لوٹیں گے تو کچھ نہ پائیں گے۔(ایسر التفاسیر:1583)(2) پیچھے لوٹنا ناممکن اور محال ہوگا۔

سوال5:﴿ فَضُرِبَ بَیۡنَہُمۡ بِسُوۡرٍ لَّہٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُہٗ فِیۡہِ الرَّحۡمَۃُ وَظَاہِرُہٗ مِنۡ قِبَلِہِ الۡعَذَابُ ﴾''چنانچہ اُن کے درمیان دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا، اُس کے اندرونی حصّے میں رحمت ہوگی اور اُس کے بیرونی حصے میں اس کی طرف عذاب ہوگا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ فَضُرِبَ بَیۡنَہُمۡ ﴾''چنانچہ ان کے درمیان حائل کر دی جائے گی'' یعنی مومنوں اور منافقوں کے درمیان حائل کر دی جائے گی۔(2)﴿ بِسُوۡرٍ ﴾''دیوار'' ایک ایسی دیوار جس کو عبور نہ کیا جا سکے گا یہ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک محفوظ رکاوٹ ہوگی۔(3)﴿ لَّہٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُہٗ فِیۡہِ الرَّحۡمَۃُ ﴾''اس میں ایک دروازہ ہوگا، اس کے اندرونی حصّے میں رحمت ہوگی'' اس دیوار میں ایک دروازہ ہوگا۔ جس کی اندرونی جانب رحمت ہوگی یعنی مومنوں کے حصے میں۔(4)﴿ وَظَاہِرُہٗ مِنۡ قِبَلِہِ الۡعَذَابُ ﴾''اور اُس کے بیرونی حصے میں اس کی طرف

عذاب ہوگا‘‘ باہر کی جانب جہاں منافق ہوں گے وہاں عذاب ہوگا۔

﴿يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ (14)﴾

’’وہ اُن کو آوازیں دیں گے: ’’کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟‘‘ وہ کہیں گے: ’’کیوں نہیں لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنے میں ڈالا اور تم انتظار ہی کرتے رہے اور تم نے شک کیا اور فضول تمناؤں نے تمہیں دھوکہ دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آ گیا اور اُس دھوکے باز نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں تمہیں دھوکہ دیا‘‘۔(14)

سوال1: ﴿يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ﴾ ’’وہ اُن کو آوازیں دیں گے: ’’کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟‘‘ وہ کہیں گے: ’’کیوں نہیں لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنے میں ڈالا اور تم انتظار ہی کرتے رہے اور تم نے شک کیا اور فضول تمناؤں نے تمہیں دھوکہ دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آ گیا اور اُس دھوکے باز نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں تمہیں دھوکہ دیا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يُنَادُوْنَهُمْ﴾ ’’وہ اُن کو آوازیں دیں گے‘‘ منافق اہل ایمان کو پکاریں گے۔ان سے نہایت عاجزی کے ساتھ رحم کی درخواست کریں گے۔(2) ﴿اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ﴾ ’’کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟‘‘ کیا دنیا میں ایمان اور اطاعت کے کام کرنے میں ہم تمہارے ساتھ نہ تھے۔کیا ہم اکٹھے نمازیں نہیں پڑھتے تھے، روزے نہیں رکھتے تھے، جہاد نہیں کرتے تھے، جو عمل تم کرتے تھے کیا ہم وہ عمل نہیں کرتے تھے۔(3) ﴿قَالُوْا بَلٰى﴾ ’’وہ کہیں گے: ’’کیوں نہیں‘‘ مومن جواب دیں گے یہ سچ ہے کہ دنیا میں تم ہمارے ساتھ تھے اور بظاہر ہم ایک جیسے عمل کرتے تھے مگر تمہارے اعمال، ایمان سے، خالص نیتوں سے اور دین داری کی سچی روح سے خالی تھے۔(4) ﴿وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ﴾ ’’لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنے میں ڈالا‘‘ یعنی نفاق نے جو باطنی کفر ہے اور اسلام اور مسلمانوں سے بغض نے تمہیں فتنے میں ڈال دیا۔(ایسر التفاسیر:1583)(5) تمہاری شہوات اور معاصی نے تمہیں فتنے میں ڈال دیا۔(6) ﴿وَتَرَبَّصْتُمْ﴾ ’’اور تم انتظار ہی کرتے رہے‘‘ اور تم مسلمانوں کی شکست کے انتظار میں رہے۔(7) تم محمد ﷺ کی موت کے انتظار میں رہے کہ وہ وفات پائیں اور تم راحت پاؤ۔(تفسیر وسیط:2401/4)(8) ﴿وَارْتَبْتُمْ﴾ ’’اور تم نے شک کیا‘‘ اور تم اللہ تعالیٰ کی توحید اور نبی ﷺ کی نبوت سے اور بعث بعد الموت سے شک میں پڑے رہے۔(تفسیر قاسمی:44/16)(9) اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی چیزوں کے بارے میں تم شک میں پڑے رہے۔(10) ﴿وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ﴾ ’’اور فضول تمناؤں نے تمہیں دھوکہ دیا‘‘ جھوٹی تمناؤں نے تمہیں فریب دیا کہ اللہ تعالیٰ بڑا غفور و رحیم ہے۔ذرہ نواز ہے۔اس کی رحمت بڑی وسیع ہے ہمیں بھی بخش دے گا۔(11) تم یہ سمجھتے تھے کہ مومنوں کے مقام پر پہنچ جاؤ گے اور تمہارا حال

یہ تھا کہ تم یقین کی دولت سے تہی دامن تھے۔(سعدی:2704/3)(12)﴿ حَتّٰی جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ ﴾''یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آ گیا''یعنی موت آ گئی یا اس کا اپنے رسول سے کیے ہوئے وعدے کا وقت آ گیا یا اس کا دین غالب آ گیا یا آگ کا عذاب آ گیا۔(تفسیر قاسمی:44/16)(13)﴿وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴾''اور اُس دھوکے باز نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں تمہیں دھوکہ دیا'' بڑے دھوکے باز سے مراد شیطان ہے۔شیطان نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں دھوکے میں رکھا۔یہاں تک کہ تم قبر میں جا پہنچے اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں دوزخ میں ڈال دیا۔

سوال2: منافق کس چیز کے انتظار میں رہتے ہیں؟

جواب: منافق مسلمانوں کے حق میں کسی گردش مصیبت کے انتظار میں رہتے ہیں۔

سوال3: دین کے معاملے میں شک میں پڑے رہنے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

جواب: دین کے معاملے میں شک میں پڑنے کی وجہ سے انسان قرآن اور دلائل و معجزات کو نہیں مانتا۔

سوال4: فضول تمناؤں میں کون الجھائے رکھتا ہے؟

جواب: فضول تمناؤں میں شیطان الجھائے رکھتا ہے۔

سوال5: اللہ تعالیٰ کا حکم آ پہنچنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا حکم آ پہنچنے سے مراد (1) موت آنا ہے۔(2) مسلمانوں کا غلبہ ہے۔

سوال6: اللہ تعالیٰ کے بارے میں انسان کیسے دھوکہ میں آ جاتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے بارے میں انسان قانون مہلت کی وجہ سے دھوکے میں آ جاتا ہے۔

﴿ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (15) ﴾

''سو آج نہ تم سے کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ ہی اُن لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا، تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے، وہی تمہارا دوست ہے اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔''(15)

سوال1:﴿ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴾''سو آج نہ تم سے کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ ہی اُن لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا، تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے، وہی تمہارا دوست

ہےاور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾''سو آج نہ تم سے کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ ہی اُن لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا'' منافقوں سے کہا جائے گا آج تم سے اور کافروں سے کوئی فدیہ نہیں لیا جائے گا۔ اگرچہ تم زمین بھر سونا فدیے میں دو۔ رب العزت نے فرمایا:﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ط اُولٰٓـئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴾''یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور مر گئے اس حال میں کہ کافر تھے تو اُن میں سے کسی ایک سے زمین بھر سونا بھی ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور اگرچہ وہ اُس کو فدیے میں دے، یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے اور اُن کے لیے کوئی مددگار نہ ہوگا'' (آل عمران:91) (2)﴿ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ط وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ط اُولٰٓـئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۵لا وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ط وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴾''جن لوگوں نے اپنے رب کی بات قبول کر لی ان کے لیے بھلائی ہے اور جن لوگوں نے قبول نہیں کی اگر ان کے پاس واقعتاً وہ سب ہو جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی ہو تو وہ اس کو ضرور فدیے میں دے دیں۔ یہی لوگ ہیں جن کا بُرا حساب ہوگا اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہو گا اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔ (الرعد:18) (3)﴿ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ﴾''تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے'' یعنی تمہارا ٹھکانہ آگ ہے۔ جو بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔(4)﴿ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ﴾''وہی تمہارا دوست ہے'' یعنی جہنم تمہارا والی ہے۔ وہی تمہارا گھر وہی تمہارے لائق ہے۔ رب العزت نے فرمایا:﴿ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴿۸﴾ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ﴿۹﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاهِيَهْ ﴿۱۰﴾ نَارٌ حَامِيَةٌ ﴿۱۱﴾ ﴾''اور جس شخص کے پلڑے ہلکے ہوں گے۔ تو اُس کا ٹھکانہ گہری کھائی ہوگا۔ اور تم کیا جانو کیا ہے وہ؟ وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔ (القارعة:8.11)

سوال2: کافروں کو کیسے فیصلہ سنا دیا جائے گا؟

جواب: کافروں سے کہا جائے گا:(1) آج تم سے نہ فدیہ قابل قبول ہوگا۔(2) کافروں کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔(3) دوزخ تمہاری رفیق ہے۔

سوال3: مولیٰ سے کیا مراد ہے؟

جواب:(1) مولیٰ کاموں کا متولی یا ذمہ دار ہے۔(2) ہمیشہ ہمیشہ ساتھ دینے والا۔

سوال4: جہنم کے مولیٰ ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے کہ جہنم اب اس بات کی ذمہ دار ہے کہ تمہیں سخت ترین سزا دے۔

سوال5: جہنم کی آگ کیسے کافروں کی ولی بنے گی؟

جواب: جہنم کی آگ کو اللہ تعالیٰ شعور عطا فرمائیں گے۔ وہ کافروں کی ولی بنے گی اور انہیں دردناک عذاب سے دوچار کرے گی۔

سوال5: جہنم کیسا ٹھکانہ ہے؟

جواب: جہنم بہت برا ٹھکانہ ہے ایسی ساتھی جو جدا نہ ہو! ہمیشہ کی ساتھی اور رفیق!

﴿اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ (16)﴾

''کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے اور جو حق نازل ہوا ہے اُس کے لیے جھک جائیں؟ اور وہ اُن لوگوں جیسے نہ ہو جائیں جن کو پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر اُن پر جب لمبی مدت گزر گئی تو اُن کے دل سخت ہو گئے اور اُن میں سے اکثریت نافرمان ہے۔(16)

سوال1: ﴿اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ﴾ ''کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے اور جو حق نازل ہوا ہے اُس کے لیے جھک جائیں؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ابن ابی شیبہ نے عبدالعزیز بن ابی روداد سے روایت کیا ہے کہ اصحاب رسول اکرم ﷺ میں ہنسی و مذاق ظاہر ہوئی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔(تفسیر ابن عباس:3/ 334,335) (2) اور ابن ابی حاتم نے مقاتل بن حیان سے روایت کیا ہے کہ اصحاب نبی اکرم ﷺ نے کچھ مذاق کیا اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی کہ کیا ایمان والوں کے لیے اس بات کا وقت نہیں آیا۔(تفسیر ابن عباس:3/ 334,335) (3) آیت الم یان للذین کے سلسلہ میں ابن مردودیہ رحمۃ اللہ علیہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ ایک مرتبہ باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہ ہنس رہے ہیں۔ فرمایا کیا تمہارے پاس اللہ کا فرمان آ گیا جو اس بے فکری سے ہنس رہے ہو۔ تمہارے اس ہنسنے پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ! اس ہنسنے کا کفارہ کیا ہے؟ فرمایا کہ جتنے ہنسے ہو اتنے ہی رو و۔ صحابہ رضی اللہ عنہ کے ایک گونہ خوشحال ہونے سے یہ ہنسی مذاق ہوئی جس کی وجہ سے عبادت میں بھی سستی ہونے لگی تھی۔ ابن معوذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے مسلمان ہونے کے چار سال بعد یہ آیت عتاب نازل ہوئی۔(تفسیر کمالین جلالین:6/429) (4) ﴿اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ ''کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا'' یعنی کیا مومنوں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا۔(5) ﴿اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ﴾ ''کہ اُن کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے جھک جائیں؟'' یعنی ان کے دل نرم پڑ جائیں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے، تلاوت قرآن سے ان کے دل ڈر جائیں۔(6) ﴿وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ﴾ ''اور جو حق نازل ہوا ہے'' یعنی ان کے دل اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والے قرآن کے لیے جھک جائیں۔ وہ اسے توجہ سے سنیں اور خوشی خوشی عمل کریں۔(7) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قرآن اترے ہوئے تیرہ سال بھی نہ گزرے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ شکایت کی کہ مسلمانوں کے دل نہیں جھک رہے اور وہ اس سے کترا رہے ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمارے اسلام اور

اللہ تعالیٰ کے عتاب میں چار سال بھی نہ گزرے تھے کہ یہ عتاب اترا۔(مسلم)(8)شداد بن اوس کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلی چیز جولوگوں سے اٹھائی جائے گی وہ خشوع ہے۔(تفسیر الثعالبی:5/386)(9)اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کتاب و حکمت کے لیے جواس نے نازل فرمائی ہے خشوع وخضوع کی ترغیب ہے۔نیز اس امر کی ترغیب دلائی گئی ہے کہ اہل ایمان مواعظ الٰہیہ اور احکام شرعیہ سے نصیحت حاصل کریں اور ہروقت اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہیں۔

سوال2:﴿وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ ط وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُونَ﴾ ''اور وہ اُن لوگوں جیسے نہ ہوجائیں جن کو پہلے کتاب دی گئی تھی، پھراُن پر جب لمبی مدت گزر گئی تو اُن کے دل سخت ہوگئے اور اُن میں سے اکثریت نافرمان ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ﴾''اور وہ اُن لوگوں جیسے نہ ہوجائیں جن کو پہلے کتاب دی گئی تھی، پھراُن پر جب لمبی مدت گزر گئی''یعنی ان لوگوں کی طرح نہ ہوجاؤ جن پر اللہ تعالیٰ نے کتاب نازل کی یعنی یہود ونصاریٰ کی طرح نہ ہوجانا کہ ان کے دل سخت ہوگئے تو انہوں نے کتاب سے منہ موڑا اور غافل ہوگئے۔(2)اللہ تعالیٰ کی کتاب تو اس لیے آتی ہے کہ لوگوں کے دل جھک جائیں وہ خشوع اختیار کریں اور کتاب کے احکامات کو مان لیں اور اس کی اطاعت کریں۔(3)وہ اس پر ثابت قدم نہ رہے۔نہ اس کے احکامات پر قائم رہے حتیٰ کہ انبیاء کو گزرے لمبا عرصہ ہوگیا اور ان کے دلوں میں غفلت نے جڑ پکڑ لی۔ان کا ایمان کمزور پڑ گیا اور یقین زائل ہوگیا۔(4)﴿فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ﴾ ''تو اُن کے دل سخت ہوگئے''یعنی ان کے دل پتھروں کی طرح یا سختی میں اس سے بھی بڑھ گئے۔(5)سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:وہ دنیا کی طرف جھک گئے اور قرآن کی نصیحتوں سے منہ موڑ لیا۔(6)انہوں نے انبیاء کے جانے کے بعد کتاب بدل ڈالی،اس کے معنی غلط بیان کیے،اس کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالا۔اللہ تعالیٰ کے دین میں انہوں نے تقلید کا راستہ اختیار کیا اور انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو رب بنایا۔آخر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل پتھر بنا دیئے۔اب ان میں نصیحت اثر نہیں کرتی۔ان کے دل وعدوں سے نہیں کھلتے اور وعیدوں سے نہیں جھکتے۔ان کے دلوں میں ایمان نہیں عمل شریعت کے خلاف ہیں۔دل بگڑے،تو عمل بھی اجڑے۔ایمان اڑا تو عمل بھی صلاح وتقویٰ سے محروم ہوئے۔رب العزت نے فرمایا:﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قٰسِيَةً ج يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ لا وَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهٖ ج وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾''چنانچہ ان کے اپنا معاہدہ توڑنے کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کردیا کہ وہ کلام کو اس کی جگہ سے بدل دیتے ہیں اور جو نصیحت انہیں کی گئی تھی اس کے ایک حصے کو وہ بھلا بیٹھے ہیں ان میں سے تھوڑے لوگوں کے سوا،اور آپ ہمیشہ ان کی کسی نہ کسی خیانت سے آگاہ ہوتے رہیں گے، چنانچہ آپ ان کو معاف کردیں اور ان سے درگزر کریں یقیناً اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔(المائدہ:13)(السراج المنیر:مختصر ابن

کثیر،2006/2)(7)﴿وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾''اوراُن میں سے اکثریت نافرمان ہے''یعنی ان کے دل کی سختی کا یہ نتیجہ نکلا کہ انہوں نے وعظ ونصیحت کو چھوڑ دیا تو ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہوگئے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے دین سے نکل گئے۔

سوال7: دلوں کی سختی کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

جواب: دلوں کی سختی کی وجہ سے انسان کو وہ کام اچھے لگتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق بناتے ہیں۔

سوال8: فاسق ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: فاسق وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے کچھ احکامات کو پورا کرتا ہے کچھ کو نہیں کرتا۔

سوال9: اہل کتاب کے اکثر لوگ کیسے ہیں؟

جواب: ان میں سے اکثر لوگوں کے پاس عقل نہیں ہے۔

سوال10: کسی شخص کا دل اللہ تعالیٰ کی آیات کے لیے کیسے کھلتا ہے ؟

جواب: رب العزت نے فرمایا:﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (٢٢) اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ج ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ﴾ کیا پھر وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا، سو وہ اپنے رب کی طرف سے ایک روشنی پر ہے؟(کسی کافر جیسا ہوسکتا ہے) پس اُن کے لیے تباہی ہے جن کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے سخت ہوگئے، یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام نازل کیا ہے، ایسی کتاب جو آپس میں ملتی جلتی ہے جو بار بار دہرائی جانے والی ہے، اس سے ان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر اُن کی کھالیں اور اُن کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد کی طرف نرم ہوجاتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے اس سے وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے وہ گمراہ کردیتا ہے تو اُس کے لیے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔(الزمر: 22,23)

سوال11: دل کیسے نرم اور کیسے سخت ہوجاتے ہیں؟

جواب: (1) جو رب زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی دیتا ہے وہی سخت دلوں کو نرم کردیتا ہے۔(2) دل ہر وقت اس امر کے محتاج ہیں کہ وہ اس کتاب سے نصیحت حاصل کرتے رہیں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے اور حکمت کی گفتگو کرتے رہیں، اس کتاب سے غفلت نہ برتی جائے کیونکہ یہ چیز دل کی سختی اور آنکھ کے جمود کا سبب بنتی ہے۔(تفسیر سعدی:2705/3)

﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (17)﴾

''یقین جانو اللہ تعالیٰ ہی زمین کو اُس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے، یقیناً ہم نے تمہارے لیے نشانیاں کھول کر بیان کر دی ہیں تا کہ تم سمجھو'' (17)

سوال1: ﴿ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾ ''یقین جانو اللہ تعالیٰ ہی زمین کو اُس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے، یقیناً ہم نے تمہارے لیے نشانیاں کھول کر بیان کر دی ہیں تا کہ تم سمجھو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اِعْلَمُوْٓا ﴾ ''یقین جانو'' خوب اچھے طریقے سے جان لو یعنی اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم حاصل کرو۔ (2) ﴿ اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ﴾ ''اللہ تعالیٰ ہی زمین کو اُس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے'' یعنی خشک زمین کو بارش سے سیراب فرما کر زندہ کر دیتا ہے۔ اس طرح وہ اجڑے دلوں کو ہدایت کے نور سے جگمگا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر نقص سے پاک ہے وہ جسے چاہتا ہے گمراہی کے بعد ہدایت نصیب فرما دیتا ہے۔ وہ اپنے تمام کاموں کو انجام دینے میں حکمت، عدل اور خبر کے کمال سے کام لیتا ہے۔ (3) ﴿ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾ ''یقیناً ہم نے تمہارے لیے نشانیاں کھول کر بیان کر دی ہیں تا کہ تم سمجھو'' اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات اس لیے بیان فرمائی ہیں تا کہ ہم انہیں سمجھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی آیات عقل کی راہنمائی کرتی ہیں۔ (4) جو زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرے گا وہ ایک دن مردوں کو بھی زندہ کرے گا اور انہیں ان کے اعمال کی جزا دے گا۔ (5) جو رب بارش کے پانی کے ذریعے زمین کو زندہ کرتا ہے وہی دلوں کو حق کے ذریعے زندہ کرتا ہے۔

سوال2: اللہ تعالیٰ نے آیات کو کس کے لیے کھولا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے آیات کو عقل مند والے کے لیے کھولا ہے۔

﴿ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ (18) ﴾

''یقیناً صدقہ کرنے والے مرد اور عورتیں اور جنھوں نے اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دیا ہے بلاشبہ وہ اُن کو کئی گنا دیا جائے گا اور اُن کے لیے بہت با عزت اجر ہے'' (18)

سوال1: ﴿ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْم ﴾ ''یقیناً صدقہ کرنے والے مرد اور عورتیں اور جنھوں نے اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دیا ہے بلاشبہ وہ اُن کو کئی گنا دیا جائے گا اور اُن کے لیے بہت با عزت اجر ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰت ﴾ ''یقیناً صدقہ کرنے والے مرد اور عورتیں'' اللہ تعالیٰ نے یہاں اس ثواب کو بیان کیا ہے

جوضرورت مندوں، فقیروں، مسکینوں اور محتاجوں پر خرچ کرنے سے خیرات کرنے والوں کو ملے گا۔ اس کی شرط یہ ہے کہ یہ صدقہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو۔ ان اخلاص والوں کا اجر بڑھتا ہی رہے گا حتیٰ کہ ایک کے بدلے سات سو یا اس سے بھی زیادہ ملیں۔ (2)﴿وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ ''اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دیا ہے'' یعنی وہ بھلائی کے راستوں میں اپنا مال پیش کرتے ہیں جو ان کے رب کے ہاں ان کے لیے ذخیرہ بن جاتا ہے۔ (تفسیر سعدی:2706/3)(3)﴿يُضٰعَفُ لَهُمْ﴾ ''بلاشبہ وہ اُن کو کئی گنا دیا جائے گا'' یعنی نیکی کے ثواب کو دس گناہ اور سات سو گنا تک بڑھا دیا جائے گا۔ (4)﴿وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ﴾ ''اور اُن کے لیے بہت باعزت اجر ہے'' یہ وہ اجر ہے جو جنت میں ان کے لیے تیار کر دیا گیا ہے جس کی کسی چیز کے بارے میں نہ کانوں نے سنا ہے، نہ آنکھوں نے دیکھا ہے۔ ﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُکَ الْجَنَّةَ﴾ (آمین)

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِکَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ق صلے وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ط وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ (19)﴾

''اور جو اللہ تعالیٰ پر اور اُس کے رسولوں پر ایمان لائے، وہی لوگ بہت سچے ہیں اور وہی اللہ تعالیٰ کے پاس گواہی دینے والے ہیں، اُن کے لیے ان کا اجر اور اُن کا نور ہے اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا یہی لوگ دوزخی ہیں۔'' (19)

سوال1: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِکَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ق صلے وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ﴾ ''اور جو اللہ تعالیٰ پر اور اُس کے رسولوں پر ایمان لائے، وہی لوگ بہت سچے ہیں اور وہی اللہ تعالیٰ کے پاس گواہی دینے والے ہیں، اُن کے لیے ان کا اجر اور اُن کا نور ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ﴾ ''اور جو اللہ تعالیٰ پر اور اُس کے رسولوں پر ایمان لائے'' یعنی جو لوگ سچے دل سے اپنے رب اور الٰہ پر ایمان لائے اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اللہ تعالیٰ نے انہیں صدیق کہا ہے۔ (2)﴿اُولٰٓئِکَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ﴾ ''وہی لوگ بہت سچے ہیں'' یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں صدیق شمار کیے جاتے ہیں یعنی یہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تصدیق کر کے صدیق بن جاتے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے وعدوں کے اور اپنے قول کے پابند ہوتے ہیں اور اپنے اعمال میں سچے ہوتے ہیں۔ صدیق وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایمان، عمل صالح، علم نافع اور یقین صادق کے راستے کو مکمل کر لیا ہے۔ (تفسیر سعدی:2701/3)
(4)﴿وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ''اور وہی اللہ تعالیٰ کے پاس گواہی دینے والے ہیں'' شہدا وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کے غلبے کے لیے جہاد کیا اور اپنے جان و مال کو خرچ کیا۔ (تفسیر سعدی)(5) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہر مومن صدیق اور شہید ہے۔ اسی طرح سیدنا عمرو بن مرہ جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا

:''اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر میں توحید ورسالت کی شہادت دوں، پانچوں نمازیں ادا کرتا رہوں، زکوۃ دیتا رہوں، رمضان کے روزے رکھوں اور راتوں کو عبادت کروں تو میں کیا ہوں گا؟ فرمایا: تم صدیقین اور شہداء میں سے ہوگے۔(شوکانی)(6)ابن ابی حاتم نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک روز ان کے پاس کچھ حضرات صحابہ جمع تھے انہوں نے فرمایا''کلکم صدیق و شهید''تم میں سے ہر ایک صدیق بھی ہے شہید بھی''لوگوں نے تعجب سے کہا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ تو سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری بات کا یقین نہیں آتا تو قرآن کی یہ آیت پڑھ لو:﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾(تفسیر معارف القرآن:311/8)(7)﴿لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ﴾''اُن کے لیے ان کا اجر اور اُن کا نور ہے''یعنی جنت میں ان کے لیے اجر عظیم ہے اور ان کا نور قیامت کے دن مکمل ہوگا۔رسول ﷺ نے فرمایا: فرق مراتب کے باوجود ایک دوسرے کو جنتی اس طرح نظر آئیں گے جیسے مشرقی یا مغربی ستارہ نظر آتا ہے، جو افق میں نکلنے اور ڈوبنے والا ہے۔صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا وہ انبیاء ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اور وہ لوگ بھی ہوں گے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور جنہوں نے رسول کی تصدیق کی۔(8)﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (٦٩)﴾''اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا، نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالحین میں سے! اور یہی بہترین ساتھی ہیں''۔(النساء:69)

سوال2:﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾''اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا یہی لوگ دوزخی ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾''اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا''یعنی جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کا کفر کیا اور اس کی توحید کا کفر کیا۔انہوں نے قرآن کو جھٹلایا اور اس کے احکام کو نہ مانا۔(2)﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾''یہی لوگ دوزخی ہیں''اہل جہنم ایسے کافر ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا۔

رکوع نمبر 19

﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (20)﴾

''جان لو! بلاشبہ دنیا کی زندگی محض ایک کھیل، دل لگی اور زینت اور تمہارا آپس میں فخر کرنا اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے، جیسے بارش کی مثال ہے کہ اُس سے اگنے والی کھیتی کسانوں کو خوش کر دیتی ہے، پھر وہ پک جاتی ہے تو آپ اُس کو زرد دیکھتے ہو، پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں سخت عذاب بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رضامندی بھی ہے اور دنیا کی زندگی دھوکے کے سامان کے سوا کچھ بھی نہیں۔''(20)

سوال1: ﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ﴾ ''جان لو! بلاشبہ دنیا کی زندگی محض ایک کھیل، دل لگی اور زینت اور تمہارا آپس میں فخر کرنا اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿اِعْلَمُوْٓا﴾ ''جان لو!'' رب العزت نے دنیا کی زندگی کی حقیقت کو جان لینے کا، اس کا علم حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔(2)﴿اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ﴾ ''بلاشبہ دنیا کی زندگی محض ایک کھیل، دل لگی ہے''یعنی دنیا کی زندگی کی حقیقت بس اتنی ہے کہ وہ کھیل تماشا اور دل لگی ہے۔(3) دنیا بس لہو ولعب ہے جس کے ساتھ بدن کھیلتے ہیں اور اس کی وجہ سے قلب غافل ہوتے ہیں۔ جو کچھ دنیا میں موجود ہے اور ابنائے دنیا سے جو کچھ واقع ہوتا ہے وہ اس کا مصداق ہے۔ آپ ابنائے دنیا کو پائیں گے کہ انھوں نے اپنی عمر کے اوقات کو غفلت قلب میں صرف کیا اور وہ ذکر الٰہی اور آئندہ پیش آنے والے وعدہ وعید سے غافل رہے۔ آپ اہل بیدار اور آخرت کے لیے عمل کرنے والوں کو ان کے برعکس دیکھیں گے کیونکہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر، اس کی معرفت اور اس کی محبت سے معمور ہیں۔ وہ اپنے اوقات کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والے ایسے اعمال میں صرف کرتے ہیں جن کا فائدہ ان کو پہنچتا ہے اور دوسروں کو بھی پہنچتا ہے۔(تفسیر سعدی:2707,2709/3)(4)﴿وَّزِيْنَةٌ﴾ ''اور زینت''یعنی کھانے پینے، لباس گھروں وغیرہ کے ذریعے سے اپنے آپ کو خوش نما بنانا۔(5)﴿وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ﴾ ''اور تمہارا آپس میں فخر کرنا''یعنی جو دنیا کا بیٹا ہے وہ ان چیزوں کو لے کر اپنی شان ثابت کرنا چاہتا ہے۔ دوسروں پر فخر کا اظہار کرتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ وہی غالب رہے اور اسی کو شہرت ملے۔(6) عرب لوگ آباء اور حسب نسب پر فخر کرتے تھے۔(7) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں جاہلیت کے چار کام ایسے ہیں جنہیں وہ نہیں چھوڑیں گے، حسب ونسب پر فخر کرنا، دوسروں کے نسب اور خاندان پر طعنہ زنی کرنا، تاروں کے اثر سے بارش ہونے کا عقیدہ رکھنا اور کسی مرنے والے پر بین کرنا۔(مسلم: کتاب الجنائز)(8) سیدنا عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ آپس میں تواضع اختیار کرو حتیٰ کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر زیادتی کرے۔(مسلم:2865)(10)﴿وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ﴾ ''اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے'' عرب جاہلیت میں مال اور اولاد کی کثرت پر فخر کرتے تھے۔(قرطبی:187/9)(11) یعنی ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ وہ مال اور اولاد میں دوسروں سے بڑھ کر ہو۔ دنیا سے محبت کرنے والے اور اس

پر مطمئن رہنے والے اس کا مصداق ہیں۔اس کے برعکس وہ شخص جو دنیا اور اس کی حقیقت کو جانتا ہے، وہ اسے مستقل ٹھکانا نہیں بناتا بلکہ اسے گزرگاہ خیال کرتا ہے، وہ ایسے اعمال میں سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کے قریب کرتے ہیں اور ایسے وسائل اختیار کرتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کے اکرام و تکریم کے گھر تک پہنچاتے ہیں۔ جب وہ کسی ایسے شخص کو دیکھتا ہے جو اس کے ساتھ دنیا، مال ومتاع اور اولاد کی کثرت میں مقابلہ کرتا ہے تو یہ اعمال صالحہ میں اس کا مقابلہ کرتا ہے۔(تفسیر سعدی:2708/3)(12)رب العزت نے فرمایا :﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ﴾ لوگوں کے لیے نفسانی خواہشات کی محبت خوش نما بنادی گئی، جو عورتیں اور بیٹے اور سونا چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے اور نشان زدہ گھوڑے اور مویشی اور کھیتی ہیں۔ یہ سب دنیا کی زندگی کا سامان ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس بہت اچھا ٹھکانہ ہے۔(آل عمران:14)

سوال2:﴿كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا﴾ ''جیسے بارش کی مثال ہے کہ اُس سے اگنے والی کھیتی کسانوں کو خوش کر دیتی ہے، پھر وہ پک جاتی ہے تو آپ اُس کو زرد دیکھتے ہو، پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿كَمَثَلِ غَيْثٍ﴾''جیسے بارش کی مثال ہے''غیث ایسی بارش کو کہتے ہیں جو انتظار اور ناامیدی کے بعد ہو۔(2)﴿اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ﴾''کہ اس سے اگنے والی کھیتی کسانوں کو خوش کر دیتی ہے''رب العزت نے فرمایا:﴿وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ اور وہی ہے جو لوگوں کے مایوس ہو جانے کے بعد بارش برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے اور وہی مدد کرنے والا، تمام تعریفوں کے لائق ہے۔(الشوریٰ:28)(3)اللہ تعالیٰ نے فانی دنیا کے لیے بارش کی مثال دی ہے جیسے بارش زمین پر برستی ہے اور نباتات کو سیراب کرتی ہے پھر اس سے مویشی، انسان، پرندے اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں۔(4)جس طرح ہرے بھرے کھیت سے کسان خوش ہوتا ہے ایسے ہی کافر دنیا میں مست اور مگن ہیں۔(5)﴿ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا﴾ پھر وہ پک جاتی ہے تو آپ اُس کو زرد دیکھتے ہو، پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے''وہی کھیت جنہیں دیکھ کر کسان پھولا نہیں سماتا دیکھتے ہی دیکھتے خشک ہو کر پہلی حالت میں لوٹ جاتا ہے گویا وہاں کبھی ہریالی تھی ہی نہیں، سبزی کی بجائے زردی اور بہار کی بجائے خزاں آجاتی ہے۔(6)یہی حال دنیا کا ہے۔دنیا کے بیٹے کو دنیا نہایت خوش نما لگتی ہے وہ ہر طرف جو چاہتا ہے کرتا پھرتا ہے حتیٰ کہ تقدیر اس سے وہ سب کچھ چھین لیتی ہے اور اسے خالی ہاتھ دنیا سے روانہ ہونا پڑتا ہے۔جوانی کی بہاریں، بھرپور شباب، خوب صورتیاں، امنگیں، ولولے، جذبات عمر کے ساتھ ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں اور موت آتی ہے تو انسان خالی ہاتھ روانہ ہو جاتا ہے۔(7)آخرت کے لیے کیے جانے والے اعمال ہی کام آتے ہیں۔رب العزت نے فرمایا:﴿اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ

نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ط كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْن ﴾ دنیا کی زندگی کی مثال اُس پانی جیسی ہے جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا تو اُس سے زمین کی اُگنے والی چیزیں خوب مل جل گئیں اس میں سے جو انسان اور چوپائے کھاتے ہیں یہاں تک کہ زمین نے اپنی رونق لے لی اور خوب مزین ہوگئی اور اس کے رہنے والوں نے یقین کرلیا کہ بے شک اب وہ اس پر قادر ہیں تو ہمارا حکم رات کو یا دن کو آ گیا تو ہم نے اُسے کٹی ہوئی کر دیا گویا کہ وہ کل یہاں کچھ بھی نہ تھی، ہم آیات کو ایسے ہی کھول کر بیان کرتے ہیں اُن لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔ (یونس:24)

سوال3: دنیا کی زندگی کیا ہے؟

جواب: (1) کھیل تماشا۔ (2) زینت۔ (3) ایک دوسرے پر فخر جتانا۔ (4) مال اور اولاد میں ایک دوسرے سے اپنے آپ کو زیادہ بتلانا۔

سوال4: دنیا ظاہری نظروں سے عظیم نظر آتی ہے لیکن اصل میں معمولی چیز ہے۔ انسان کی نظر میں دنیا کیسے معمولی ہوسکتی ہے؟

جواب: (1) انسان جب اس دنیا کی زندگی کی حقیقت کو سمجھ جاتا ہے۔ (2) انسان جب اسے کائنات کی نظر سے دیکھتا ہے۔ (3) انسان جب دنیا کو آخرت کے مقابلے میں دیکھتا ہے تو دنیا معمولی نظر آتی ہے۔

سوال5: ﴿اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُه‘﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿کفار﴾ کے لغوی معنی چھپانے والے کے ہیں کہ وہ زمین میں بیج بو کر چھپا دیتے ہیں۔ (2) اچھی لگتی ہے کفار یعنی کسان کو اس کی پیداوار۔ (3) دوسری طرف کفار کافر کی جمع ہے کافر دلوں میں اللہ تعالیٰ اور آخرت کا انکار چھپاتا ہے۔ (4) جیسے کھیتی کفار یعنی کسان کو اچھی لگتی ہے ایسے ہی یہ کھیتی یعنی دنیا کفار یعنی اور آخرت کا انکار کرنے والوں کو اچھی لگتی ہے۔

سوال6: دنیا کی زندگی کو کھیتی سے کیوں تشبیہہ دی گئی ہے؟

جواب: (1) دنیا کی زندگی جلد ختم ہونے والی ہے جیسے کھیتی سرسبز وشاداب ہوتی ہے لیکن جلد خشک اور زرد ہوجاتی ہے زوال پذیری کے اعتبار سے دونوں میں مشابہت ہے۔ (2) کھیتی سرسبز وشاداب ہوتی ہے تو کسان کو اچھی لگتی ہے۔ دنیا کی زیب وزینت مال اور دیگر چیزیں انسان کو اچھی لگتی ہیں۔ وہ ان میں کشش محسوس کرتا ہے۔ ان میں انسان کا دل لگتا ہے۔ دل کشی کے اعتبار سے بھی دونوں میں مشابہت ہے۔ کھیتی کو ثبات اور قرار نہیں کیونکہ کھیتی چندروزہ ہوتی ہے ایسے ہی دنیا کی زندگی چندروزہ ہے۔ اسے ثبات اور قرار نہیں۔

سوال7: ﴿وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ لا وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ط وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْر ﴾ ''اور آخرت میں سخت عذاب بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رضامندی بھی ہے اور دنیا کی زندگی دھوکے کے سامان کے سوا کچھ بھی نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَفِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ﴾''اورآخرت میں سخت عذاب بھی ہے'' آخرت میں دو میں سے ایک امر انسان کو لاحق ہو جاتا ہے یا تو اللہ تعالیٰ کی آگ ، بیڑیاں ، زنجیریں اور عذاب ہے یہ اس کا بدلہ ہے جو اللہ تعالیٰ آیات کو اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو جھٹلاتا ہے۔(2)﴿وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ﴾ ''اوراللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رضامندی بھی ہے'' جو اللہ تعالیٰ کی آیات پر یقین رکھتا ہے اور اس کی فرماں برداری کرتا ہے اس کے لیے مغفرت ہے یعنی گناہوں کی بخشش اور رضوان یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا۔(3) یہ اس شخص کے لیے ہے جس نے دنیا کی حیثیت کو سمجھ لیا اور آخرت کے لیے کوشش کی۔(4) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :''اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا کہ اے اہل جنت! وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں، ہر کام کے لیے تیار ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم راضی ہو؟ وہ عرض کریں گے کہ کیا اب بھی ہم خوش نہ ہوں گے حالانکہ تو نے ہمیں وہ نعمتیں عنایت کی ہیں جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو عنایت نہیں کیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کہ میں اس سے بھی بڑھ کر تم کو ایک چیز سے سرفراز فرماتا ہوں۔ جنتی عرض کریں گے کہ اے پروردگار! وہ کیا چیز ہے جو اس سے بھی بہتر ہے؟ اللہ جل شانہ فرمائے گا کہ میں اپنی رضامندی تمہیں عطا کرتا ہوں، اب میں کبھی تم سے ناراض نہیں ہوں گا۔'' (بخاری:7518)(5)﴿ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴾''اوردنیا کی زندگی دھوکے کے سامان کے سوا کچھ بھی نہیں''، یعنی دنیا ایسی متاع ہے جس سے ضروریات پوری کی جاتی ہیں، نفع اٹھایا جاتا ہے اور یہی دنیا ہے جس کے فریب میں انسان مبتلا ہو جاتے ہیں۔ رب العزت نے فرمایا:﴿ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ط وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ م لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴾اور یہ دنیا کی زندگی کچھ نہیں ہے مگر ایک دل لگی اور کھیل ہے اور یقیناً آخرت کا گھر ہی اصلی زندگی ہے، کاش وہ جانتے ہوتے۔ (العنکبوت:64)(6)﴿ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ﴾ بلاشبہ دنیا کی زندگی صرف کھیل اور دل لگی ہے۔(محمد:36)

سوال8: کافروں اور نافرمانوں کے لیے سخت عذاب کا باعث بننے والی کیا چیز ہے؟

جواب: کافر اور نافرمان دنیا کی زندگی کے کھیل تماشوں میں مصروف رہتے ہیں اور اسی کو زندگی کا حاصل سمجھتے ہیں۔ پھر جب وہ سب کچھ حاصل ہو جاتا ہے یا نہیں ہوتا اور زندگی گزر جاتی ہے تو آگے اپنے اعمال کا انجام یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب سامنے ہوتا ہے۔

سوال9: اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رضامندی کس کے لیے ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رضامندی ایمان والوں کے لیے ہے۔

سوال10: ایمان والے اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رضامندی کیسے حاصل کرتے ہیں؟

جواب:(1) ایمان والے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔(2) وہ دنیا کی زندگی کو عارضی اور فانی سمجھتے ہیں۔(3) دنیا کو دارالامتحان سمجھتے ہوئے کی ہدایات کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رضامندی حاصل کرتے ہیں۔

سوال11: دنیا کی زندگی کس کے لیے دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں؟

جواب: دنیا کی زندگی اس کے لیے دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں جو دنیا کے دھوکے میں مبتلا رہا اور اس نے آخرت کے لیے کچھ نہ کیا۔

﴿سَابِقُوٓا اِلٰی مَغۡفِرَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَجَنَّةٍ عَرۡضُهَا كَعَرۡضِ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ۙ اُعِدَّتۡ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ (21)﴾

''دوڑ و اپنے رب کی مغفرت اور اُس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی جتنی ہے، اُن لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور اُس کے رسولوں پر ایمان لائے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے ہی فضل والا ہے'' (21)

سوال1: ﴿سَابِقُوٓا اِلٰی مَغۡفِرَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَجَنَّةٍ عَرۡضُهَا كَعَرۡضِ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ۙ اُعِدَّتۡ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ﴾ ''دوڑ و اپنے رب کی مغفرت اور اُس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی جتنی ہے، اُن لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور اُس کے رسولوں پر ایمان لائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿سَابِقُوٓا اِلٰی مَغۡفِرَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ﴾ ''دوڑ و اپنے رب کی مغفرت کی طرف'' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو مغفرت، رضا اور جنت کی طرف مسابقت کا حکم دیا ہے اور یہ چیز مغفرت کے اسباب کے لیے کوشش کرنے، یعنی خالص توبہ اور نفع مند استغفار کرنے، گناہ اور گناہ کے اسباب سے دور رہنے ہی سے ممکن ہے، نیز عمل صالح کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی رضا کی طرف سبقت اور ان امور پر دوام کی حرص کرنے سے ممکن ہے جن پر اللہ تعالیٰ راضی ہے، یعنی خالق کی عبادت میں احسان اور مخلوق کو ہر لحاظ سے فائدہ پہنچا کر ان کے ساتھ حسن سلوک کے ذریعے ہی سے یہ چیز حاصل کی جاسکتی ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان اعمال کا ذکر فرمایا جو اس کے موجب ہیں۔ (تفسیر سعدی: 2709/3) (2)ان معنوں میں رب العزت نے فرمایا: ﴿وَسَارِعُوٓا اِلٰی مَغۡفِرَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَجَنَّةٍ عَرۡضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ ۙ اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِيۡنَ﴾ اور اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو جس کی وسعت آسمانوں اور زمین جتنی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ (آل عمران: 133) (3) یعنی بھاگ دوڑ کرنی ہے تو جنت کے لیے کرو اور بھاگ دوڑ ایمان میں، عمل صالح میں کرو۔

سوال3: اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کے جذبے یعنی مسابقت کی تسکین کے لیے کیا راہ نمائی کی ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کیا ہے کہ دنیا میں مقابلہ لہو و لعب کا سامان جمع کرنے میں نہیں ہے۔ (2) دنیا کا مقابلہ بہت مال جمع کرنے کا بھی نہیں ہے۔ (3) دنیا کا مقابلہ ربّ کی مغفرت کے لیے اور جنت کے لیے ہے۔

سوال4: ربّ کی مغفرت اور جنت کے لیے کون مقابلہ کرسکتا ہے؟

جواب: ربّ کی مغفرت اور جنت کے لیے وہ مقابلہ کرسکتا ہے جس کی نظریں بلند افق پر ہوں جو دنیا کے آگے کے جہان کو اپنا ہدف

بنا چکا ہو۔جس نے اپنی گردن سے دنیا کی غلامی کا طوق اتار پھینکا ہو۔

سوال5: دنیا میں لہوولعب تجمع کرنے کا مقابلہ کس کے درمیان ہے؟

جواب: یہ ان بچوں کا میدان ہے جن کی نظریں بلند افق پر نہیں ہوتیں، جو دنیا سے آگے دیکھنے کے قابل نہیں رہتے اور جن کی غفلت اور کم عقلی انہیں کچھ سمجھنے کے قابل نہیں چھوڑتی۔

سوال6: جنت کی وسعت کتنی ہے؟

جواب: جنت کی وسعت آسمان وزمین کی وسعت کے برابر ہے۔جس کی چوڑائی آسمان وزمین کے برابر ہے اس کا طول کتنا ہوگا؟ طول عرض سے بڑا ہی ہوتا ہے اس سے ہمیں بے پناہ وسعتوں والی جنت کے بارے میں پتہ چلتا ہے۔

سوال7: جنت کن لوگوں کے لیے بنائی گئی ہے؟

جواب: جنت ان لوگوں کے لیے بنائی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

سوال8: ﴿ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰهِ یُؤۡتِیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ﴾ ''یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے ہی فضل والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰهِ﴾ ''یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے''یعنی ہم نے جہنم میں گرانے والے اعمال کی جونشان دہی کی ہے اور جنت پہنچانے والے اعمال کے بارے میں راہنمائی کی ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔(2)﴿یُؤۡتِیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ﴾ ''وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے''وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کردیتا ہے ۔(3) وہ جسے چاہتا ہے جنت کے راستے یعنی قرآن وسنت کے علم اور عمل کے راستے پر چلا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اس علم سے محروم کردیتا ہے۔(4) وہ جسے چاہتا ہے اجرِ عظیم عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے محروم کردیتا ہے۔(5)﴿ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ﴾'' اور اللہ تعالیٰ بڑے ہی فضل والا ہے''یعنی کوئی اللہ تعالیٰ کے فضل عظیم کا اندازہ نہیں کرسکتا۔(6) وہ فضل عظیم والا جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے جنت دیتا ہے۔(7) اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے جس پر چاہے اپنا فضل فرماتا ہے۔جسے چاہے عطا کردے،جس سے چاہے روک لے جس سے روک لے تو اسے کوئی دے نہیں سکتا اور جس کو وہ کچھ دے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ساری بھلائیاں اس کے ہاتھ میں ہیں۔

سوال9: یہاں اللہ تعالیٰ کے کس فضل کی بات کی گئی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے فضل سے مراد ایمان ہے۔

سوال10: اللہ تعالیٰ ایمان کی دولت کس کو عطا کرتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ ایمان کی دولت اس کو عطا کرتے ہیں جو کفر، فسق، شرک اور نافرمانیوں سے توبہ کر کے ایمان والی عمل صالح والی زندگی اختیار کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ ایمان اور عمل صالح کی توفیق دیتا ہے۔

﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ (22)﴾

''کوئی مصیبت نہ زمین پر پہنچتی ہے اور نہ ہی تمہاری ذات میں مگر اس سے پہلے کہ ہم اُسے پیدا کریں وہ ایک کتاب میں ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ پر یہ بہت ہی آسان ہے''۔(22)

سوال1: ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ط اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ﴾ ''کوئی مصیبت نہ زمین پر پہنچتی ہے اور نہ ہی تمہاری ذات میں مگر اس سے پہلے کہ ہم اُسے پیدا کریں وہ ایک کتاب میں ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ پر یہ بہت ہی آسان ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ﴾ ''کوئی مصیبت نہ زمین پر پہنچتی ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنی قضاوقدر کے بارے میں خبر دی ہے کہ تمام مصائب جو زمین کی مخلوق پر آتے ہیں۔ (2) ﴿وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ﴾ ''اور نہ ہی تمہاری ذات میں'' یعنی بیماریاں اور بچے کا وفات پا جانا۔ (3) ﴿اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا﴾ ''مگر اس سے پہلے کہ ہم اُسے پیدا کریں وہ ایک کتاب میں ہے'' یعنی اس سے پہلے کہ اسے تخلیق کریں وہ لوح محفوظ میں موجود ہے۔ (4) سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ موجود تھا اور اس سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی۔ اس کا تخت پانی پر تھا، پھر اس نے آسمان پیدا کیے اور زمین پیدا کی اور ذکر (یعنی لوح محفوظ) میں ہر چیز کو ثبت فرما دیا۔ (بخاری:7418) (5) سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیر لکھی اور اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔ (مسلم:6748) (6) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سراقہ مالک بن جعشم رضی اللہ عنہ نے آ کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ ہمارے لیے دین کو واضح کریں گویا کہ ہمیں ابھی پیدا کیا گیا ہے آج ہمارا عمل کس چیز کے مطابق ہے؟ کیا ان سے متعلق ہے جنہیں لکھ کر قلم خشک ہو چکے ہیں اور تقدیر جاری ہو چکی ہے یا اسی چیز سے متعلق ہیں جو ہمارے سامنے آتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں! بلکہ ان سے متعلق ہیں جنہیں لکھ کر قلم خشک ہو چکے ہیں اور تقدیر جاری ہو چکی ہے۔ سراقہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: پھر ہم عمل کیوں کریں؟ زہیر نے کہا: پھر ابوالزبیر نے کوئی کلمہ ادا کیا لیکن میں اسے سمجھ نہ سکا۔ میں نے پوچھا، آپ ﷺ نے کیا فرمایا؟ تو انہوں نے کہا: آپ ﷺ نے فرمایا: عمل کیے جاؤ ہر ایک کے لیے اس کا عمل آسان کر دیا گیا ہے۔ (مسلم:6735) (7) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صادق و

مصدوق رسول ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک کا نطفہ اُس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن جمع رہتا ہے۔ پھر اُسی میں جما ہوا خون اتنی مدت رہتا ہے۔ پھر فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اُس میں روح پھونکتا ہے اور اسے چار کلمات لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے اس کا رزق، عمر، عمل اور شقی یا سعید ہونا۔ اُس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بے شک تم میں سے کوئی اہل جنت کے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اُس کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اُس پر تقدیر کا لکھا ہوا غالب آجاتا ہے اور وہ اہل جہنم کا سا عمل کر لیتا ہے اور جہنم میں داخل ہو جاتا ہے اور تم میں سے کوئی اہل جہنم جیسے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اُس کے اور جہنم کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اُس پر تقدیر کا لکھا ہوا غالب آجاتا ہے اور وہ اہل جنّت والا عمل کر لیتا ہے اور جنّت میں داخل ہو جاتا ہے''۔(بخاری:7454)(8) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کسی شخص کو اس کا عمل بہشت میں نہیں لے جاسکتا؟'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ کے اعمال بھی آپ کو بہشت میں نہیں لے جاسکیں گے؟ فرمایا: ''ہاں میرے اعمال بھی مجھے بہشت میں نہیں لے جاسکیں گے الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور اپنی رحمت سے مجھے ڈھانپ لے''۔(بخاری: کتاب المرضی)(9) ﴿اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرٌ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ پر یہ بہت ہی آسان ہے''یعنی وجود میں آنے سے پہلے چیزوں کا اندازہ لگانا اللہ تعالیٰ کے لیے آسان ہے۔

سوال2: مصائب میں کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے؟

جواب: (1) سب سے پہلے تو ایک مومن کو یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہے، جزع وفزع کرنے سے اس کو ٹالا نہیں جا سکتا۔ (2) نقصان کا غم نہیں کرنا چاہیے۔ (3) مصیبت پہنچنے پر انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا چاہیے۔ ایک رات رسول اللہ ﷺ کا چراغ بجھ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ﴾ آپ ﷺ سے کہا گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ کیا یہ بھی مصیبت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ جو چیز بھی مسلمان کو نقصان دیتی ہے وہ مصیبت ہے۔ (4) اللہ تعالیٰ صبر کا نعم البدل عطا کرتا ہے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ''ہر وہ مسلمان شخص جس کو مصیبت اپنے نرغے میں لے لے اور وہ زبان سے وہی کلمات نکالے جس کے نکالنے کا اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر حکم دیا ہے۔ ﴿اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ اَللّٰھُمَّ اَجُرۡنِیۡ فِیۡ مُصِیۡبَتِیۡ وَاَخۡلِفۡ لِیۡ خَیۡرًا مِّنۡھَا﴾ ''ہم اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ مجھے میری اس مصیبت میں ثواب سے نواز دے اور اس کا نعم البدل عطا فرما تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا سے اس کو نعم البدل عطا فرماتا ہے''۔(مسلم:918)

سوال3: دنیا میں کون سی مصیبتیں آتی ہیں؟

جواب: دنیا میں کچھ مصیبتیں زمینی ہیں اور کچھ آفتیں آسمانی ہیں مثلاً قحط، سیلاب، زلزلے وغیرہ۔

سوال4: کون سی مصیبتیں ہیں جو انسان کی جان کو لاحق ہو جاتی ہیں؟

جواب: جان کو لاحق ہونے والی مصیبتوں میں تھکاوٹ، تنگ دستی، بیماریاں وغیرہ ہیں۔

﴿ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ (23) ﴾

''تا کہ تم اس پر غم نہ کرو جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور جو تمہیں وہ عطا کرے اس پر پھول نہ جاؤ اور اللہ تعالی کسی خود پسند، فخر کرنے والے سے محبت نہیں کرتا'' (23)

سوال1: ﴿ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ ﴾ ''تا کہ تم اس پر غم نہ کرو جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور جو تمہیں وہ عطا کرے اس پر پھول نہ جاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ ﴾ ''تا کہ تم اس پر غم نہ کرو جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور جو تمہیں وہ عطا کرے اس پر پھول نہ جاؤ'' اس آیت میں رب العزت نے اپنے بندوں کو سکھایا ہے کہ خیر اور شر نازل ہونے پر انہیں کیا رویہ رکھنا چاہیے۔ ہر رویے کی بنیاد یقین پر ہے۔ رب العزت نے آگاہ فرمایا کہ خیر اور شر کا تعلق تقدیر سے ہے۔ جس سے کوئی بھاگ نہیں سکتا۔ ہاں یہ ضرور ہوسکتا ہے کہ مصیبت پر صبر کریں اور نعمت ملنے پر اتراہٹ میں مبتلا نہ ہوں۔ (2) صبر کے راستے کی بہت بڑی رکاوٹ غم ہے۔ اس لئے فرمایا تا کہ تم اس چیز پر غم نہ کھاؤ جو تم سے جاتی رہے۔ (3) شکر کے راستے کی رکاوٹ اتراہٹ ہے۔ اتراہٹ میں مبتلا شخص کسی نعمت کے بارے میں کب سوچتا ہے کہ یہ رب العزت کی عطا ہے۔ جب کوئی خیر وشر کے بارے میں یقین کر لیتا ہے۔ کہ یہ اللہ تعالی کی تقدیر ہے تو اس کے مطابق مطلوبہ صبر اور شکر کرنا اس کے لیے آسان ہوجاتا ہے۔ (4) ﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کسی خود پسند، فخر کرنے والے سے محبت نہیں کرتا''، یعنی اگر تمہیں رب العزت کی جانب سے بھلائی ملے۔ تو تکبر نہ کرو فخر نہ جتاؤ۔ اللہ تعالیٰ کا یہ انعام تمہاری ذاتی کوششوں کا ثمرہ نہیں بلکہ تمہارے مقدر میں تھا اور تمہیں لامحالہ پہنچنا تھا۔ اللہ تعالی کی نعمتوں کو فخر ومباہات کا ذریعہ نہ بناؤ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی مغرور شیخی خورے کو محبوب نہیں رکھتا جو خود کو بڑا سمجھتا ہو اور غیروں پر اپنی بڑائی جتاتا اور شیخیاں بگھارتا ہو۔ (السراج المنیر :2/2011) (5) مختال نعمت پر تکبر کرنے والے کو کہتے ہیں۔ اور فخور لوگوں پر فخر جتلانے والے کو کہتے ہیں۔

سوال2: اللہ تعالیٰ نے تکلیف اور صدمے پر غم منانے سے کیوں روکا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے تکلیف پر اس غم کو روکا ہے جو انسان کو ناجائز کاموں تک پہنچا دیتا ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ نے انسان کا رُخ صبر کی طرف موڑا ہے جہاں اس کے لیے دکھ نہیں تسکین ہے۔ (i) اس کی وجہ سے انسان کا وقت ضائع نہیں ہوتا جب کہ غم منانے میں وقت ضائع ہوتا ہے۔ (ii) اس کی وجہ سے انسان کی قوتیں ضائع نہیں ہوتیں جب کہ غم منانا قوتوں کا ضیاع ہے۔ (iii) اس کی وجہ سے انسان ضائع ہونے سے بچ جاتا ہے کیونکہ غم انسان کو کھا جاتا ہے۔

سوال3: اللہ تعالیٰ نے خوشی کے موقع پر اتراہٹ سے روک کر شکر کا مطالبہ کیا ہے، اس کی حکمت واضح کریں؟

جواب :خوشیوں،نعمتوں،کامیابیوں پرخوش ہوناایک فطری امر ہے۔لیکن یہی خوشی انسان کواتراہٹ میں،غروراورتکبر میں مبتلا کر دیتی ہے۔اس طرح انسان کوناجائز کاموں تک پہنچادیتی ہے۔اس لیےاللہ تعالیٰ نے انسان کی سوچ اورعمل کا رخ خوشیاں،نعمتیں اور خامیاں عطا کرنے والے کی طرف موڑ کرشکر کا مطالبہ کیا ہے۔شکر میں انسان کے لیے تسکین ہے۔(1)شکر کی وجہ سے انسان کی سوچ درست رہتی ہے۔(2)شکر کی وجہ سے انسان کا مزاج درست رہتا ہے۔(3)شکر کی وجہ سے توجہ ربّ کی طرف رہتی ہے۔(4)شکر کی وجہ سے انسان ذات کے گھن چکر سے نکل آتا ہے اور بلندیوں کی طرف بھاگ دوڑ کرتا ہے ۔(5)شکر کی وجہ سے انسان کے وقت میں برکت ہوتی ہے۔(6)شکر کی وجہ سے انسان کی قوتوں میں برکت ہوتی ہے۔(7)شکر کی وجہ سے انسان ضائع ہونے سے بچ جاتا ہے۔(8)شکر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوتا ہےاوراللہ تعالیٰ نعمتوں میں اوراضافہ فرماتے ہیں۔

سوال4: خوشیاں اورغم زندگی کا حصہ ہیں،انسان دونوں حالتوں میں اپنے آپ کواعتدال میں کیسے رکھے؟

جواب :(1) اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر ایمان سے یہ یقین حاصل ہوتا ہے۔کہ خیر اور شر کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔مثلاً مومن خیر کے موقع پرشکر اور مصیبت پرصبر کر کے اعتدال اختیار کرتا ہے۔(2) سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کا معاملہ عجیب ہےاس کا ہر معاملہ اس کے لیے بھلائی کا ہے۔اور یہ بات مومن کے سوا کسی اور کو میسر نہیں۔اسے خوشی اور خوشحالی ملےتو شکر کرتا ہے۔اور یہ اس کے لیے اچھا ہوتا ہےاور اسے کوئی نقصان پہنچےتو (اللہ کی رضا کے لیے)صبر کرتا ہے، یہ بھی اس کے لیے بھلائی ہوتی ہے۔(مسلم:7500)

سوال5: مومن شکر کیسے کرتا ہے؟

جواب: جب مومن نعمت کواپنی کوشش کا نتیجہ نہیں اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھتا ہےتو شکرادا کرتا ہے۔

سوال6: مومن تکلیف پر کیسے صبر کر لیتا ہے؟

جواب: جب مومن تکلیف کواللہ تعالیٰ کی تقدیر سمجھ لیتا ہےتو صبر کرتا ہے۔

سوال7: اللہ تعالیٰ کن لوگوں کو پسند نہیں کرتا؟

جواب: (1)اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جوخود کو بڑا سمجھتے ہیں اور دوسروں پرفخر جتاتے ہیں۔(2)اور جوخود بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بخل پر اکساتے ہیں۔

﴿الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿24﴾﴾

''وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں اور جو شخص منہ موڑ جائے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا بے پرواہ، بہت تعریفوں والا ہے''۔(24)

سوال1: ﴿ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴾ ''وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں اور جو شخص منہ موڑ جائے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا بے پرواہ، بہت تعریفوں والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ﴾ ''وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں''یعنی جو دوبرے کاموں کو اکٹھا کر دیتے ہیں یعنی خود بھی وہ نہیں دیتے جو ان پر واجب ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی دینے سے روکتے ہیں۔(2) بخل کہتے ہیں واجب حقوق کی ادائیگی سے باز رہنا۔(3) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اس نے اس کی زکوٰۃ نہیں ادا کی تو قیامت کے دن اس کا مال نہایت زہریلے گنجے سانپ کی شکل اختیار کر لے گا۔اس کی آنکھوں کے پاس دو سیاہ نقطے ہوں گے جیسے سانپ کے ہوتے ہیں پھر وہ سانپ اس کے دونوں جبڑوں سے اسے پکڑ لے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال اور خزانہ ہوں۔اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی''وہ لوگ یہ گمان نہ کریں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو کچھ اپنے فضل سے دیا ہے وہ اس پر بخل سے کام لیتے ہیں کہ ان کا مال ان کے لیے بہتر ہے۔بلکہ وہ برا ہے جس مال کے معاملہ میں انہوں نے بخل کیا۔قیامت میں اس کا طوق بنا کر ان کی گردن میں ڈالا جائے گا۔(بخاری:1403)(4) ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّ﴾ ''اور جو شخص منہ موڑ جائے''جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ موڑتا ہے۔تو وہ اپنے آپ کو ہی نقصان پہنچاتا ہے۔(5) ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ ''تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا بے پرواہ، بہت تعریفوں والا ہے''جس کا غنا اس کی ذات کے لوازمات میں سے ہے جو آسمانوں اور زمین کے اقتدار کا مالک ہے اور جس نے اپنے بندوں کو غنی اور مال دار بنایا۔الحمید وہ ہستی ہے جس کا ہر نام اچھا، ہر وصف کامل اور ہر فعل خوب صورت ہے، وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی حمد وثنا بیان کی جائے اور اس کی تعظیم کی جائے۔(تفسیر سعدی:2711/3)(6) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَقَالَ مُوْسٰى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ حَمِيْدٌ ﴾''اور موسیٰ نے کہا کہ اگر تم بھی کفر کرو گے اور زمین کی تمام مخلوق بھی تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ یقیناً بڑا بے پرواہ، بے حد تعریف والا ہے۔''(ابراہیم:8)

سوال2: لوگ کس چیز سے بخل کرتے ہیں؟

جواب: بخل کرنے والے اس وقت بڑے مجرم بن جاتے ہیں لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کرتے ہیں کیونکہ اصل بخل یہی ہے۔

سوال3: بخل کرنے والے بڑے مجرم کب بن جاتے ہیں؟

جواب: جب وہ دوسروں کو بھی بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں یعنی بخل کی تعلیم دیتے ہیں۔

سوال3: ﴿وَمَنۡ يَّتَوَلَّ﴾ ''اور جو شخص منہ موڑ جائے'' یہاں منہ پھیرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: یہاں منہ پھیرنے سے مراد اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے منہ پھیرنا ہے۔

سوال4: اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات الغنی اور الحمید کا کیسے شعور دلایا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے بخل پر اپنے الغنی ہونے کا شعور دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ محتاج نہیں انسان محتاج ہیں۔(2) اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے رویوں پر اپنے الحمید ہونے کا شعور دلایا ہے۔اتراہٹ قابل مذمت ہے اور جزع فزع کرنا بھی قابل مذمت ہے اور اللہ تعالیٰ ہر نقص سے پاک اپنی ذات میں آپ محمود ہے اور قابل تعریف ہے۔

سوال5: فخر وغرور، بخل اور مسئلہ تقدیر کے درمیان کیا تعلق ہے؟

جواب: (1) تقدیر کے عقیدے کی درستگی کی وجہ سے انسان کے رویے درست ہوتے ہیں اور تقدیر کے عقیدے کی خرابی سے انسان کے رویے خراب ہوتے ہیں۔(2) جو انسان یہ شعور رکھتا ہے کہ اسے جو کچھ پیش آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے تو وہ فخر وغرور اور تکبر میں مبتلا نہیں ہوتا نہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے میں کمی کرتا ہے، نہ بخل کرتا ہے، نہ بخل کی دعوت دیتا ہے۔(3) اور جو لوگ اس حقیقت کا سچا شعور نہیں رکھتے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش آتی ہے تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو حاصل کیا ان کا اپنا کمال ہے۔اس لیے وہ غرور اور تکبر میں مبتلا ہوتے ہیں اور پھر وہ نیکی کے راستے میں خرچ نہیں کرتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ لوگ اہلیت رکھتے تو یہ بھی کما لیتے۔(4) جو لوگ اس حقیقت کا سچا شعور نہیں رکھتے کہ جو کچھ انسان کو پیش آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو وہ مصیبت پر جزع فزع کرتے ہیں یا غم مناتے ہیں اور ''شکست خوردہ ہوکر'' depress رہتے ہیں گویا ان کا ربّ سے مقابلہ لگا ہوا تھا نعوذ باللہ جس میں وہ شکست کھا گئے۔بندے اور ربّ کا کیا مقابلہ؟ اس کائنات میں فقط اللہ تعالیٰ کا ارادہ کام کرتا ہے اور بندے کو جان لینا چاہیے کہ اس کی رضا پر راضی ہونا ہی دراصل اس کی حیات کا راز ہے۔

﴿لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَيِّنٰتِ وَاَنۡزَلۡنَا مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡمِيۡزَانَ لِيَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ ۚ وَاَنۡزَلۡنَا الۡحَدِيۡدَ فِيۡهِ بَاۡسٌ شَدِيۡدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعۡلَمَ اللّٰهُ مَنۡ يَّنۡصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالۡغَيۡبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيۡزٌ (25)﴾

''بلاشبہ یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور اُن کے ساتھ ہم نے کتاب اور میزان بھی نازل کی تاکہ لوگ انصاف قائم کریں اور ہم نے لوہا اُتارا جس میں سخت لڑائی کا (سامان) اور لوگوں کے لیے فوائد ہیں اور تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ کون بن دیکھے

اُس کی اور اُس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے؟ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا، سب پر غالب ہے'' (25)

سوال1: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ ''بلاشبہ یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور اُن کے ساتھ ہم نے کتاب اور میزان بھی نازل کی تاکہ لوگ انصاف قائم کریں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ﴾ ''بلاشبہ یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلیلوں کے ساتھ بھیجا'' یعنی ہم نے رسولوں کو ایسے دلائل اور علامات کے ساتھ بھیجا ہے جو ان کی صداقت کی گواہی دیتے ہیں۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ط اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖط وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ج فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُق اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ تو کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہو اور ایک گواہ اس کی طرف سے اس کی تائید کر رہا ہو اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب بھی جو راہ نما اور رحمت تھی، یہی لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور گروہوں میں سے جو اس کا انکار کرے گا تو اس کے وعدے کی جگہ آگ ہے۔ چنانچہ اس کے بارے میں کسی شک میں نہ رہیں، آپ کے رب کی طرف سے یقیناً یہ حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ (ہود:17) (2) ﴿وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ﴾ ''اور اُن کے ساتھ ہم نے کتاب نازل کی'' الکتاب ان تمام کتابوں کو شامل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ یعنی انہیں آسمانی کتابیں دیں جو سچی تھیں۔ (3) ﴿وَالْمِيْزَانَ﴾ ''اور میزان بھی'' اور عدل کے معیاری اصول دیے اور وہ اقوال وافعال میں عدل کا نام ہے۔ وہ دین جو تمام رسول لے کر آئے وہ اوامر ونواہی اور مخلوق کے تمام معاملات، تمام جرائم، حدود، قصاص اور وراثت کے معاملات وغیرہ میں، سراسر عدل وانصاف پر مبنی ہے۔ (تفسیر سعدی:3/2712) (4) ﴿لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ ''تاکہ لوگ انصاف قائم کریں'' تاکہ لوگ اپنی زندگی میں عدل پر قائم رہیں۔ یہ تبھی ممکن ہے جب وہ دین پر چلیں۔ (5) اس آیت میں یہ دلیل ملتی ہے کہ تمام انبیاء شریعت کے قاعدے پر یقین رکھتے ہیں اور وہ ہے عدل کو قائم کرنا۔

سوال2: تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو کیا کچھ دے کر بھیجا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی۔

سوال3: ﴿وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ ''اور ہم نے لوہا اُتارا جس میں سخت لڑائی کا (سامان) اور لوگوں کے لیے فوائد ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْد﴾ ''اور ہم نے لوہا اُتارا جس میں سخت لڑائی کا (سامان)'' یعنی لوہے سے جنگی ساز وسامان اسلحہ وغیرہ بنتا ہے۔ (2) یعنی لوہا حق کے مخالف سے حق منوا دیتا ہے۔ یعنی دلیل کو کوئی تسلیم نہ کرے تو اسلحہ فیصلہ کر دیتا ہے جس

سے دشمن رُعب میں آ جاتے ہیں۔(3)﴿وَّمَنَافِعُ لِلنَّاس﴾''اورلوگوں کے لیےفوائد ہیں'' ان منافع کاتعلق صنعت وحرفت سے بھی ہے اور مختلف قسم کے زرعی آلات سے بھی اور کھانے پکانے کے برتنوں سے بھی ہے۔

سوال4: لوہےکواتارنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مرادلوہا پیدا کرنا اوراس کی صنعت سکھانا ہے۔

سوال5: لوہے سے بےشمار چیزیں کیسے بنتی ہیں؟

جواب: لوہے سے بےشمار چیزوں کا بننا اس فطری الہام کا نتیجہ ہے جواللہ تعالیٰ نے انسانوں کو کیا۔

سوال6: کس پیغمبر کے لیے اللہ تعالیٰ نے لوہے کونرم کر دیا تھا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے سیدنا داوٗد عَلَیْہِ السَّلَام کے لیے لوہے کونرم کر دیا تھا۔

سوال7: لوہے سے کیا فائدے حاصل ہوتے ہیں؟

جواب: (1)لوہاانسانی زندگی اوراس کی ترقی میں بڑااہم کردارادا کرنے والا ہے۔(2)لوہے سے صنعت کا گہراتعلق ہے۔(3)لوہے سے جنگی ہتھیار بنتے ہیں۔جیسے بم،توپیں،جنگی جہاز،آبدوزیں،راکٹ،ٹینک،بندوقیں،تلواریں،نیزے وغیرہ۔ان سے دشمن پروار بھی کیاجاتا ہےاوراپنا دفاع بھی۔(4)لوہے سے جنگی ہتھیاروں کے علاوہ گھروں اورصنعتوں میں کام آنے والی چیزیں بنتی ہیں مثلاً چھریاں، چاقو،قینچی،سوئی،ہتھوڑا،زراعت اورتجارت کے آلات،بےشمار مشینیں اورساز وسامان بنتا ہے۔

سوال8: ﴿وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْب﴾''اورتا کہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ کون بن دیکھےاُس کی اوراُس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْب﴾''اورتا کہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ کون بن دیکھےاُس کی اوراُس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے؟'' یعنی اللہ تعالیٰ نے کتاب اورلوہااس لیے نازل فرمایا کہ وہ اس کے ذریعے سے آزمائش کا بازارگرم کرےتا کہ واضح ہوجائے کہ کون اس حالت غیب میں اللہ تعالیٰ اوراس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں جس میں وہ ایمان فائدہ دیتا ہے جومشاہدہ سے قبل ہو،مشاہدہ کے اندرایمان کے وجود کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ تب تو ایمان ضروری اوراضطراری ہوگا۔(تفسیر سعدی:3/2712)(2)اس مقام پراللہ تعالیٰ نے کتاب اورلوہے کواکٹھا بیان کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان دونوں چیزوں کے ذریعے سے اپنے دین کونصرت عطا کرتا ہےاوروہ اپنے کلمے کوکتاب کے ذریعے سے جس میں حجت وبرہان ہےاورسیف ناصر کے ذریعے سے،اللہ تعالیٰ کےحکم کے ساتھ بلند کرتا ہے۔دونوں عدل وانصاف قائم کرتی ہیں جس کے ذریعے سے باری تعالیٰ کی حکمت،اس کے کمال اوراس کی شریعت کے کمال پراستدلال کیا جاتا ہے جس کواس نے اپنے

رسولوں کی زبان پر مشروع فرمایا۔(تفسیر سعدی:2713/3)(3) تاکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو جائے یعنی اس کے بندوں کے بارے میں کہ کون نیک ارادوں سے ہتھیار اٹھاتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے دین کی لاج باقی رکھ لے۔

سوال9:﴿ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴾''بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا، سب پر غالب ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ اِنَّ اللّٰـهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴾''بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا، سب پر غالب ہے'' یعنی اسے کوئی عاجز کر سکتا ہے نہ کوئی بھاگنے والا اس سے بچ کر کہیں جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قوت اور غلبے کا نشان ہے کہ اس نے لوہا نازل کیا جس سے بڑے بڑے طاقتور آلات بنتے ہیں۔ یہ اس کی طاقت اور غلبہ ہی ہے کہ وہ اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کی قدرت رکھتا ہے مگر وہ اپنے دشمنوں کے ذریعے سے اپنے اولیاء کو آزماتا ہے تاکہ وہ جان لے کہ کون بن دیکھے اس کی مدد کرتا ہے۔(تفسیر سعدی:2712،2713/3)(2) رب العزت کا فرمان ہے:﴿وَالسَّـمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِیْزَانَ (۷) اَلَّا تَـطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ (۸) وَاَقِیْـمُـوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ (۹)﴾ اور آسمان کو اُس نے بلند کیا اور میزان قائم کر دی۔ کہ تم ناپ تول میں حد سے تجاوز نہ کرو۔ اور انصاف کے ساتھ وزن قائم کرو اور ناپ تول میں گھاٹا نہ دو۔(الرحمٰن:7-9)(3) اللہ تعالیٰ غلبے والا ہے اور اپنے نیک بندوں کی غیبی مدد کرتا اور وہ قوی ہے اپنے دین کو طاقت ور بناتا ہے۔

سوال10: اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات قوی اور عزیز کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ نے لوہے کے نزول سے اپنے قوی اور عزیز ہونے کا شعور دلایا ہے۔(2) اللہ تعالیٰ نے کتاب کے نزول سے اپنے العزیز اور قوی ہونے کا شعور دلایا ہے کہ وہ غالب ہے ہدایات دے سکتا ہے اور قوت والا ہے ہدایات پہنچا سکتا ہے۔ اس سے کوئی بازی نہیں لے جا سکتا۔(3) اللہ تعالیٰ نے انصاف کا حکم دے کر اپنے عزیز اور قوی ہونے کا شعور دلایا ہے کہ وہ کائنات میں خود انصاف قائم رکھے ہوئے ہے اور اپنی قوت اور غلبے کی بنیاد پر انسانوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ بھی انصاف قائم کریں۔

رکوع نمبر 20

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِیْمَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ج وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ (26)﴾

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے نوح اور ابراہیم کو بھیجا اور ہم نے اُن کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھی، چنانچہ اُن میں سے کوئی ہدایت اختیار کرنے والا تھا اور اُن میں سے اکثر نافرمان ہیں''۔(26)

سوال1:﴿وَلَـقَـدْ اَرْسَـلْـنَـا نُـوْحًـا وَّاِبْـرٰهِیْـمَ وَجَـعَـلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ج وَكَثِیْـرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُـوْنَ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے نوح اور ابراہیم کو بھیجا اور ہم نے اُن کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھی، چنانچہ اُن میں سے کوئی

ہدایت اختیار کرنے والا تھا اور اُن میں سے اکثر نافرمان ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ﴾''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے نوح اور ابراہیم کو بھیجا''یعنی سیدنا نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا۔وہ انسانوں کے دوسرے باپ ہیں۔ان کے بعد ہر نبی ان کی اولاد میں سے آیا۔اسی طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بعد جو کتاب نازل ہوئی اور جو رسول آیا اور جس انسان کی طرف وحی بھیجی گئی وہ ان ہی کی اولاد میں سے تھے۔جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ج وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ اور ہم نے اُسے اسحٰق اور یعقوب عطا فرمائے اور اُس کی نسل میں نبوت اور کتاب رکھ دی اور ہم نے اُسے دنیا میں بھی اُس کا اجر عطا کیا اور آخرت میں یقیناً وہ نیک لوگوں میں سے ہوگا۔(العنکبوت:27)(2)﴿وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ﴾''اور ہم نے اُن کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھی''یعنی سیدنا نوح علیہ السلام اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی نسلوں میں پیغمبری اور کتاب رکھی۔الکتاب سے مراد تورات، زبور، انجیل اور قرآن ہے۔(3)﴿فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ﴾''چنانچہ اُن میں سے کوئی ہدایت اختیار کرنے والا تھا'' یعنی جن کی طرف ہم نے رسول بھیجے ان میں سے کچھ لوگ تو انبیاء کی دعوت کے ذریعے ہدایت پانے والے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرنے والے بن گئے۔(4)﴿وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾''اور اُن میں سے اکثر نافرمان ہیں''ان میں سے اکثر لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت سے خارج ہونے والے بن گئے۔(5)رب العزت نے فرمایا:﴿وَمَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾''اور آپ خواہ کتنی ہی حرص رکھیں، اکثر لوگ ہرگز مومن نہیں ہوتے۔''(یوسف:103)(6)﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لا فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یقیناً بہت سے علماء اور درویش بلاشبہ لوگوں کے اموال باطل طریقے سے کھاتے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے ہیں اور جو لوگ سونے اور چاندی کو خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے تو آپ انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیں۔''(التوبہ:34)(7)سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایماندار رہنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو مجھ پر ایمان لائے اور بے ایمانوں سے مراد وہ ہیں جنہوں نے مجھ سے کفر کیا۔(شوکانی)

سوال2: اللہ تعالیٰ نے سیدنا نوح علیہ السلام، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا اور ان کی اولاد میں بھی پیغمبری رکھ دی۔اس سے کس حقیقت کا پتہ چلتا ہے؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ نے سیدنا نوح علیہ السلام، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا اور ان کی اولاد میں بھی پیغمبری رکھ دی۔اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ رسالت کی حقیقت ایک ہے۔(2)اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ تمام رسولوں کا پیغام ایک تھا اگرچہ پیغمبر مختلف ادوار میں آتے

رہے۔

سوال3: کیا جن نسلوں میں نبوت ورسالت چلتی رہی وہ سب ایک جیسی تھیں؟

جواب: جن میں نبوت ورسالت چلتی رہی وہ سب نسلیں ایک جیسی نہ تھیں۔ان میں سے کچھ نے ہدایت پائی اوران میں سے اکثر نافرمان تھے۔

﴿ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ (27) ﴾

’’پھراُن کے نقشِ قدم پرہم نے پے درپے اپنے رسول بھیجے اوران کے بعدہم نے عیسیٰ ابنِ مریم کوبھیجا اورہم نے اُسے انجیل عطا کی۔جنہوں نے اُس کی پیروی کی اُن کے دلوں میں ہم نے نرمی اورمہربانی ڈال دی اوررہبانیت کواُنہوں نے خودہی ایجادکیا۔ہم نے اُن پرفرض نہیں کیا تھا مگراللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں (اُنہوں نے اسے اختیارکرلیا)۔پھراُنہوں نے اس کالحاظ نہ رکھا جیسا کہ اس کے لحاظ رکھنے کاحق تھاتواُن میں سے جوایمان لائے ہم نے اُن کااجراُن کوعطاکیااوراُن میں سے اکثرنافرمان ہیں‘‘۔(27)

سوال1: ﴿ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ﴾ ’’پھراُن کے نقشِ قدم پرہم نے پے درپے اپنے رسول بھیجے اوران کے بعدہم نے عیسیٰ ابنِ مریم کوبھیجااورہم نے اُسے انجیل عطاکی‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا﴾ ’’پھراُن کے نقشِ قدم پرہم نے پے درپے اپنے رسول بھیجے‘‘ یعنی اس کے بعدہم نے پے درپے رسول بھیجے یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام تک یہ سلسلہ جاپہنچا۔(2) ﴿وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ﴾ ’’اوران کے بعدہم نے عیسیٰ ابنِ مریم کوبھیجا‘‘ اللہ تعالیٰ نے سیدناعیسیٰ علیہ السلام کاخصوصی ذکراس لیے کیاکہ عیسائی ان کی اتباع کادعویٰ کرتے ہیں اورآیات کاسیاق عیسائیوں کے بارے میں ہے۔(3) ﴿وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ﴾ ’’اورہم نے اُسے انجیل عطاکی‘‘ یعنی سیدناعیسیٰ علیہ السلام پرانجیل نازل کی گئی۔

سوال2: ﴿وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً﴾ ’’جنہوں نے اُس کی پیروی کی اُن کے دلوں میں ہم نے نرمی اورمہربانی ڈال دی‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ﴾ ’’جنہوں نے اُس کی پیروی کی اُن کے دلوں میں ہم نے ڈال دی‘‘ یعنی جولوگ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے دین پرتھے ان کے دلوں میں ہم نے ڈال دی۔(2) ﴿رَاْفَةً وَّرَحْمَةً﴾ یعنی نرمی اورشفقت۔(3) رب العزت کافرمان ہے: ﴿لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ

قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰی ط ذٰلِکَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّیْسِیْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ ﴿٨٢﴾ ”آپ بلاشبہ ان لوگوں کی دشمنی میں جو ایمان لائے سب سے سخت یہود کو پاؤ گے اور ان لوگوں کو جنہوں نے شرک کیا اور یقیناً آپ ان سب سے دوستی میں زیادہ قریب ان لوگوں سے جو ایمان لائے ، ان لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے کہا کہ یقیناً ہم نصاریٰ ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یقیناً ان میں علماء اور راہب ہیں اور بلاشبہ وہ تکبر نہیں کرتے۔“(المائدہ:82)(4) جب تک وہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر قائم تھے باقی لوگوں کی نسبت نرم دل تھے ۔(5) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور رحم تھا۔

سوال3: رأفت کی یہ صفت لوگوں میں کیسے پیدا ہوئی؟

جواب: (1) یہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کا نتیجہ تھا۔ انہوں نے روحانی تربیت پر زور دیا۔ اسی وجہ سے ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے پیار اور محبت کے جذبات تھے۔(2) روحانی صفائی اور تربیت کے نتیجے میں ترس اور رحم پیدا ہو جاتا ہے۔(3) جو لوگ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کی صحیح معنوں میں اتباع کرتے تھے رحم دل ہو جاتے تھے۔ ابتدائی دور کے عیسائیوں وفد نجران اور نجاشی وغیرہ کا رویہ اس کا گواہ ہے کہ ان کا رسول اللہ ﷺ سے معاملہ ہمدردانہ تھا۔

سوال4: رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کا اتباع کرنے والوں کے اندر رحم دلی کیسے پیدا ہوئی؟

جواب: (1) رسول اللہ ﷺ کے سچے ساتھیوں کی جو صفات تورات میں آئیں ان میں سے ایک رحماء بینھم ہے یعنی آپس میں ایک دوسرے کے لیے رحیم اور شفیق ہیں۔(2) رسول اللہ ﷺ کی تربیت کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی اتنی محبت پیدا ہوئی کہ وہ دوسروں کو خود پر ترجیح دینے لگے۔ ربّ العزت نے اس کی تعریف کی ہے۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ط قف وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ ”اور جن لوگوں نے ان سے پہلے دار ہجرت میں اور ایمان میں جگہ بنالی ہے وہ اُن سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے اُن کے پاس آئے ہیں اور جو کچھ بھی مہاجرین کو دیا جاتا ہے وہ اُس بارے میں اپنے سینوں میں کوئی تنگی نہیں پاتے۔ اور وہ اُنہیں اپنے پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود اُن کو سخت ضرورت ہوتی ہے اور جسے اس کے دل کے بخل سے بچالیا گیا تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔“(الحشر:9)

سوال5: ﴿وَرَهْبَانِیَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا کَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَایَتِهَا﴾ ”اور رہبانیت کو اُنہوں نے خود ہی ایجاد کیا ہم نے اُن پر فرض نہیں کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں (اُنہوں نے اسے اختیار کر لیا)۔ پھر اُنہوں نے اس کا لحاظ نہ رکھا جیسا کہ اس کے لحاظ رکھنے کا حق تھا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَرَهْبَانِیَّةَ﴾ ”اور رہبانیت“ رہبانیت سے مراد عبادت ہے۔ پس انھوں نے اپنی طرف سے ایک عبادت ایجاد کر لی

اور اپنے لیے اسے وظیفہ بنالیا اور انھوں نے مختلف لوازم کا التزام کیا جن کو اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض نہیں کیا تھا بلکہ انھوں نے خود اپنی طرف سے اپنے آپ پر لازم ٹھہرایا تھا۔اس سے ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا تھا۔(تفسیر سعدی:2714/3)(2) رہب ایسے خوف کو کہتے ہیں جس میں اضطراب اور احتیاط بھی شامل ہو(ضد رغب) اور یہ خوف وقتی اور عارضی قسم کا نہ ہو بلکہ طویل اور مسلسل ہو۔اور رھبانیت یا رہبانیت بمعنی مسلک خوف زدگی۔یعنی کسی طویل اور مسلسل بے چینی رکھنے والے خوف کی وجہ سے لذات دنیا کو چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کر لینا۔(3)﴿ نِ ابۡتَدَعُوۡهَا مَا كَتَبۡنٰهَا عَلَيۡهِمۡ اِلَّا ابۡتِغَآءَ رِضۡوَانِ اللّٰهِ ﴾''انہوں نے خود ہی ایجاد کیا ہم نے اُن پر فرض نہیں کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں (اُنہوں نے اسے اختیار کرلیا)'' رہبانیت ایک بدعت ہے:اس جملہ سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ایک یہ کہ نصاریٰ نے یہ بدعت ایجاد کرلی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا مسلک اختیار کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔اور دوسری یہ کہ چونکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی بنیادی تعلیم ایک ہی جیسی رہی ہے۔لہٰذا رہبانیت کی کسی دین میں بھی گنجائش نہیں اور یہ بدعت ہی شمار ہوگی۔ضمناً اس سے بدعت کی تعریف بھی معلوم ہوگئی۔یعنی بدعت ہر وہ کام ہے جسے دینی اور ثواب کا کام سمجھ کر دین میں شامل کرلیا جائے جب کہ شریعت میں اس کی کوئی اصل موجود نہ ہو۔(تیسیر القرآن:383/4)(4)﴿ فَمَا رَعَوۡهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ﴾''پھر اُنہوں نے اس کا لحاظ نہ رکھا جیسا کہ اس کے لحاظ رکھنے کا حق تھا''یعنی وہ اس پر قائم نہیں رہ پائے۔انہوں نے دو غلطیاں کیں ایک تو یہ کہ ایسی عبادت ایجاد کی جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا تھا۔دوسرے یہ کہ اسے اپنے اوپر فرض قرار دیا تو اس کی پابندی نہیں کر پائے۔البتہ کچھ لوگوں نے اسے استقامت کے ساتھ قائم رکھا۔

سوال6:رہبانیت کیا ہے؟اسلام رہبانیت کے بارے میں کیا راہ نمائی کرتا ہے؟

جواب:(1)رہبانیت میں ترک دنیا پہلی چیز ہے۔(2)دوسرے ان لوگوں کا کفر یہ تھا کہ رہبانیت کے راستے میں حائل سنگ گراں ہمارا مادی جسم ہے۔لہٰذا اس جسم کو مضمحل اور کمزور بنانے کے لیے طرح طرح کے عذاب دیے جانے لگے۔کم سے کم کھانا پینا جس سے صرف روح اور جسم کا تعلق باقی رہ سکے۔دنیوی علائق میں ان کو سب سے زیادہ دشمنی عورت سے تھی۔تاریخ میں ہمیں ایسے دلدوز واقعات بھی ملتے ہیں کہ کوئی مامتاماری ماں اپنے ایسے ہی بیٹوں کو جنگل میں دیکھنے گئی لیکن ان راہبوں نے اپنی ماں سے ملاقات کرنے سے انکار کردیا۔(تیسیر القرآن:384/4)(3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جریج اپنے عبادت خانہ میں عبادت کررہے تھے کہ ان کی ماں آگئی۔حمید نے کہا:ابو رافع نے بیان کیا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کی اس طرح صفت بیان کی جس طرح سے رسول اللہ ﷺ نے ان کی صفت بیان کی تھی جس وقت ان کی ماں نے ان کو بلایا تو انہوں نے اپنی ہتھیلی اپنی پلکوں پر رکھی ہوئی تھی پھر اپنا سر ابن جریج کی طرف اٹھا کر ابن جریج کو آواز دی اور کہنے لگیں:اے جریج!میں تیری ماں ہوں مجھ سے بات کر۔ابن جریج اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ابن جریج نے (اپنے دل میں) کہا:اے اللہ!ایک طرف میری ماں ہے اور ایک نماز ہے۔پھر ابن جریج نے نماز کو اختیار کیا۔دوسرے دن ان کی ماں پھر آئیں اور کہا:اے جریج میں تیری ماں ہوں مجھ سے بات کر۔وہ کہنے لگے:اے میرے رب میری ماں پکارتی ہے اور میں نماز میں ہوں۔پھر ابن

جریج نے نماز کو اختیار کیا پھر ان کی ماں نے کہا: اے اللہ! یہ جریج میرا بیٹا ہے، میں اس سے بات کرتی ہوں تو یہ میرے ساتھ بات کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ اے اللہ! ابن جریج کو اس وقت تک موت نہ دینا جب تک یہ بدکار عورتوں کا منہ نہ دیکھ لے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر جریج کی ماں اس پر یہ دعا کرتی کہ وہ فتنہ میں پڑ جائے تو وہ فتنہ میں مبتلا ہو جاتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بھیڑوں کا ایک چرواہا تھا جو جریج کے عبادت خانہ میں ٹھہرتا تھا۔ (ایک دن) گاؤں سے ایک عورت نکلی تو اس چرواہے نے اس عورت کے ساتھ برا کام کیا تو وہ عورت حاملہ ہو گئی (جس کے نتیجہ میں) اس عورت کے ہاں ایک لڑکے کی ولادت ہوئی تو اس عورت سے پوچھا گیا کہ یہ لڑکا کہاں سے لائی ہے؟ اس عورت نے کہا: اس عبادت خانہ میں جو رہتا ہے یہ اس کا لڑکا ہے (یہ سنتے ہی اس گاؤں کے لوگ) پھاوڑے لے کر آئے اور انہیں آواز دی۔ وہ نماز میں تھے۔ انہوں نے کوئی بات نہ کی تو لوگوں نے ان کا عبادت خانہ گرانا شروع کر دیا۔ جب جریج نے یہ ماجرا دیکھا تو وہ اترے۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ اس عورت سے پوچھ یہ کیا کہتی ہے؟ جریج ہنسے اور پھر انہوں نے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس سے کہا: تیرا باپ کون ہے؟ اس بچے نے کہا: میرا باپ بھیڑوں کا چرواہا ہے۔ جب لوگوں نے اس بچے کی آواز سنی تو وہ کہنے لگے کہ ہم نے آپ کا جتنا عبادت خانہ گرایا ہے ہم اس کے بدلے میں سونے اور چاندی کا عبادت خانہ بنا دیتے ہیں۔ جریج نے کہا: نہیں! بلکہ تم اسے پہلے کی طرح مٹی ہی کا بنا دو اور پھر ابن جریج اوپر چلے گئے۔'' (مسلم:6508) (4) بیوی کا معاملہ اس سے بھی زیادہ نازک تھا کیونکہ نکاح اور اولاد سے انسان پر بہت سی معاشی اور معاشرتی ذمہ داریاں آپڑتی ہیں لہٰذا یہ لوگ متاہل زندگی سے سخت نفرت کرتے تھے۔ گو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی رہبانیت کا حکم نہیں دیا تھا، تاہم انہیں اس کے جواز کے کچھ اشارے ضرور مل گئے۔ مثلاً سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی 33 سالہ زندگی تبلیغ کے سلسلہ میں گھوم پھر کر ہی گزار دی اور نکاح نہیں کیا۔ (4) عورتوں کا کنوارہ رہنا اور بدکاری کا فروغ: پھر عیسائیوں میں نکاح ثانی کی بھی گنجائش نہ تھی۔ پھر جس طرح ان راہبوں نے یہ مسلک اختیار کیا تھا کئی عورتوں نے بھی یہ سلسلہ اختیار کر لیا تھا اور ان کی الگ خانقاہیں قائم ہو گئیں اور انہوں نے ساری عمر کنواری رہنے کا عہد کر رکھا تھا مگر چونکہ یہ سب کام شریعت الٰہی کے خلاف اور فطرت کے خلاف تھے لہٰذا جلد ہی ایسی خانقاہیں بدکاری کے اڈوں میں تبدیل ہو گئیں۔ کئی حرامی بچے پیدا ہوتے ہی مار دیے جاتے اور جو بچ جاتے انہیں کسی گرجا کی نذر کر دیا جاتا تھا۔ (5) رہبانیت کے اثرات: (i) معاشرہ میں جو خداترس لوگ تھے وہ اپنی اس غلط روش کی بنا پر معاشرتی ذمہ داریوں اور دوسرے انسانی تعلقات سے ایک طرف ہو گئے جس سے اخلاق وتمدن، سیاست اور اجتماعیت کی جڑیں تک ہل گئیں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت عیار اور ناخداترس لوگوں نے سنبھال لی۔ دنیا میں ''فساد فی الارض'' کا دور دورہ ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغام ہدایت اور ضابطہء حیات کی انہی بزرگان دین کے ہاتھوں بیخ کنی ہوئی۔ (ii) رہبانیوں کی اس روش کا دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ عام لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ دین اور دنیا دو الگ چیزیں ہیں۔ (iii) اللہ تعالیٰ کے حضور عبادت عاجزی، تذلل اور زہد وتقویٰ کی صفات میں اس قدر غلو کیا اور انکار ذات اور خودشکنی اتنے جوش سے کی کہ خودنگری اور خودشناسی جو قومی زندگی کے لیے روح رواں ہے ایک جرم سمجھا جانے

لگا۔انسان کو اپنی انسانیت سے شرم آنے لگی اور وہ اپنی ترقی انسانیت میں نہیں بلکہ ترک انسانیت میں سمجھنے لگا۔اللہ تعالیٰ نے تو اسے اشرف المخلوقات بنا کر باقی کائنات اس کے لیے مسخر کر دی مگر وہ خود اس قدر بے اعتماد، افسردہ اور شکستہ ہو گیا کہ حیوانات بلکہ جمادات کو اپنے آپ پر ترجیح دینے لگا۔(iv) چوتھا اثر یہ ہوا کہ معاشرہ میں باقی لوگ جن میں دینداری اور تقویٰ کے کچھ بھی اثرات پائے جاتے تھے، انہوں نے بھی ان راہبوں اور پیروں فقیروں کے آستانوں کا رخ کر لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص عبادت گاہیں اور مسجدیں تو آہستہ آہستہ ویران ہونے لگیں اور خانقاہوں، مزاروں اور آستانوں کی رونق بڑھنے لگی۔(6) شریعت نے رہبانیت کو کیوں مذموم قرار دیا، اس سلسلہ میں درج ذیل احادیث نبوی ﷺ ملاحظہ فرمائیے: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اپنی جانوں پر سختی مت کرو کیونکہ ایک قوم نے اپنی جانوں پر سختی کی تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر سختی کی (یعنی ان کا ایجاد کردہ معیار ہی ان کی جانچ کے لیے مقرر کر دیا) اس قوم کا بقایا گرجوں اور خانقاہوں میں ہے پھر آپ ﷺ نے یہی آیت پڑھی۔(ابوداؤد، کتاب الادب)(7) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ دین آسان ہے کوئی شخص دین میں (اپنے آپ پر) سختی نہ کرے کہ وہ عمل اسے عاجز کر دے۔اس پر عمل ٹھیک طرح بجالاؤ اور میانہ روی اختیار کرو اور خوش ہو جاؤ اور صبح و شام اور آخری رات کے کچھ حصہ میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے رہو۔(مشکوۃ، کتاب الصلوۃ)(9) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تین حضرات نبی ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے گھروں کی طرف آپ ﷺ کی عبادت کے متعلق پوچھنے آئے۔جب انہیں رسول اللہ ﷺ کا عمل بتایا گیا تو جیسے انہوں نے اسے کم سمجھا اور کہا کہ ہمارا نبی ﷺ سے کیا مقابلہ! آپ ﷺ کی تو تمام اگلی پچھلی لغزشیں معاف کر دی گئی ہیں۔ان میں سے ایک نے کہا کہ آج سے میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھا کروں گا۔دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزے سے رہوں گا اور کبھی ناغہ نہیں ہونے دوں گا۔تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے جدائی اختیار کر لوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔پھر نبی ﷺ تشریف لائے اور ان سے پوچھا کہ کیا تم نے ہی یہی باتیں کہی ہیں؟ سن لو اللہ تعالیٰ کی قسم! میں اللہ رب العالمین سے تم سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں، میں تم سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں لیکن میں اگر روزے رکھتا ہوں تو افطار بھی کرتا ہوں، رات میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں۔ جس نے میرے طریقے سے بے رغبتی کی وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔(صحیح بخاری:5063)(10) سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو معلوم ہوا کہ میں مسلسل روزے رکھتا ہوں اور ساری رات عبادت کرتا ہوں تو آپ ﷺ نے مجھے بلایا، جب میں آپ ﷺ سے ملا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا یہ خبر صحیح ہے جو مجھے پہنچی ہے کہ تو روزے رکھے جاتا ہے، افطار نہیں کرتا اور رات بھر نماز پڑھتا رہتا ہے؟ ایسا کر روزہ بھی رکھ اور افطار بھی کر، قیام بھی کر اور سو بھی، کیونکہ تیری آنکھوں کا تجھ پر حق ہے، تیری جان کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیری بیوی اور بال بچوں کا بھی تجھ پر حق ہے۔''میں نے عرض کی، مجھ میں اس سے زیادہ کی طاقت ہے۔آپ نے فرمایا: ''اچھا پھر داؤد علیہ السلام جیسا روزہ رکھ۔''میں نے پوچھا، وہ کیا ہے؟ فرمایا: ''وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن چھوڑ دیتے تھے اور دشمن سے مقابلہ ہوتا

تو بھاگتے نہیں تھے۔'' پھر آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا:''جس نے ہمیشہ روزہ رکھا، اس کا روزہ ہی نہیں۔'' (بخاری:1977)

سوال7: اللہ تعالیٰ نے راہبانیت کی حقیقت کو کیسے کھولا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رہبانیت انہوں نے خود ایجاد کر لی ہے۔ ابتداع یعنی خود گھڑنے سے اسے تعبیر کیا۔ (2) یہ ان کی غلطی تھی، اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں تھا۔ (3) رہبانیت کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی تلاش میں اختیار کیا تھا۔لیکن اللہ تعالیٰ کی رضا دین میں بدعات ایجاد کرنے سے حاصل نہیں ہوسکتی چاہے بظاہر کتنی ہی دل خوش کن ہوں۔

سوال8: اگر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی انسان کا حقیقی مقصد ہوتو وہ کیا کرتا ہے؟

جواب: اگر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی انسان کا حقیقی مقصد ہوتو وہ ابتداع نہیں اتباع اختیار کرتا ہے۔

سوال9: ﴿ فَـاٰتَيۡنَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡهُمۡ اَجۡرَهُمۡ ۚ وَكَثِيۡرٌ مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴾ ''تو اُن میں سے جو ایمان لائے ہم نے اُن کا اجر اُن کو عطا کیا اور اُن میں سے اکثر نافرمان ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ فَـاٰتَيۡـنَـا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡهُمۡ اَجۡرَهُمۡ ﴾ ''اُن میں سے جو ایمان لائے ہم نے اُن کا اجر اُن کو عطا کیا'' یعنی جو عیسائی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے ساتھ محمد ﷺ پر ایمان لائے انہیں ایمان لانے کا دوہرا اجر ملے گا۔ (2) سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:''جس نے گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ وحدہ لاشریک ہے اور یہ کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام اس کے بندے اور رسول ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے مریم تک پہنچا دیا تھا اور ایک روح ہیں اس کی طرف سے اور یہ کہ جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے تو اس نے جو بھی عمل کیا ہوگا (آخر) اسے جنت میں داخل کرے گا'' (بخاری:3435)
(3) ﴿ وَكَثِيۡـرٌ مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴾ ''اور اُن میں سے اکثر نافرمان ہیں'' یعنی ان میں سے اکثر اطاعت سے نکلنے والے ہیں ایسے لوگوں کے لیے نہ کوئی اجر ہے نہ ثواب ہے البتہ عذاب ہے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوۡا بِرَسُوۡلِهٖ يُؤۡتِكُمۡ كِفۡلَيۡنِ مِنۡ رَّحۡمَتِهٖ وَيَجۡعَلۡ لَّكُمۡ نُوۡرًا تَمۡشُوۡنَ بِهٖ وَيَغۡفِرۡ لَـكُمۡ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ (28)﴾

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ وہ تمہیں اپنی رحمت میں سے دوگنا حصہ عطا فرمائے گا اور تمہیں ایسی روشنی عطا کرے گا جس کو لے کر تم چلو گے اور وہ تمہیں بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے'' (28)

سوال1: ﴿يٰۤـاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوۡا بِرَسُوۡلِهٖ يُؤۡتِكُمۡ كِفۡلَيۡنِ مِنۡ رَّحۡمَتِهٖ وَيَجۡعَلۡ لَّكُمۡ نُوۡرًا تَمۡشُوۡنَ بِهٖ وَيَـغۡـفِـرۡ لَـــكُمۡ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴾ ''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ وہ تمہیں اپنی

رحمت میں سے دوگنا حصہ عطا فرمائے گا اور تمہیں ایسی روشنی عطا کرے گا جس کو لے کر تم چلو گے اور وہ تمہیں بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا﴾ ''اے ایمان والو!'' یعنی جو اس سے پہلے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے۔ (2)﴿اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ ''اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو'' یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر جائیں یعنی اس کی نافرمانی چھوڑ دیں محمد ﷺ پر ایمان لائیں۔ اگر وہ یہ کام کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں اجر عظیم عطا کرے گا۔ (3)﴿وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ﴾ ''اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ'' یعنی نبی ﷺ پر ایمان لا کر ان کی اتباع کرو۔ (4)﴿یُؤْتِكُمْ كِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ﴾ ''وہ تمہیں اپنی رحمت میں سے دوگنا حصہ عطا فرمائے گا'' یعنی ان کے اجر کے دو حصے ہیں ایک حصہ پچھلے رسولوں پر ایمان لانے کے بدلے اور دوسرا محمد ﷺ پر ایمان لانے کے بدلے میں۔ (5) سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''تین آدمی ایسے ہیں کہ جن کو دوہرا ثواب دیا جائے گا: ایک تو وہ آدمی جو اہلِ کتاب میں سے ہو، اپنے نبی پر اور محمد ﷺ پر ایمان لائے، (دوسرے) وہ غلام جو اللہ تعالیٰ اور اپنے آقا (دونوں) کا حق ادا کرے اور (تیسرے) وہ آدمی جس کے پاس کوئی لونڈی ہو جس سے شب باشی کرتا ہے اور اسے اچھی تربیت دے، تعلیم دے تو عمدہ تعلیم دے پھر اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے تو اس کے لیے دوگنا اجر ہے۔ پھر عامر نے (صالح بن حیان) سے کہا کہ ہم نے یہ حدیث تمہیں بغیر اجرت کے سنا دی ہے (ورنہ) اس سے کم حدیث کے لیے مدینہ جانے کا سفر کیا جاتا تھا۔ (بخاری:97) (6)﴿یُؤْتِكُمْ كِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ﴾ ''وہ تمہیں اپنی رحمت میں سے دوگنا حصہ عطا فرمائے گا'' یعنی اس کے مقدار کو تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہاں یہ جانتے ہیں کہ وہ اپنی رحمت سے انہیں دوگنا اجر عطا فرمائے گا۔ (7)﴿وَیَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ﴾ ''وہ تمہیں اپنی رحمت میں سے دوگنا حصہ عطا فرمائے گا اور تمہیں ایسی روشنی عطا کرے گا جس کو لے کر تم چلو گے'' یعنی وہ تمہیں علم، ہدایت اور روشنی عطا کرے گا جس کے ساتھ آپ جہالت کی تاریکیوں میں چل پھر سکو گے۔ (تفسیر سعدی:2715/3) (8)﴿وَیَغْفِرْ لَكُمْ﴾ ''اور وہ تمہیں بخش دے گا'' یعنی ہدایت پانے کے بعد تمہارے پچھلے گناہوں کو وہ معاف کر دے گا۔ (9)﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے'' اللہ تعالیٰ تمہارے ہدایت پانے سے پہلے کے گناہ اپنی رحمت سے بخش دے گا۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو دنیا و آخرت کی کامیابیوں کے لیے کیا وصیت کی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (1) اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ (2) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ نے ایمان اور تقویٰ اختیار کرنے پر کس اجر کی بشارت دی ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا دوہرا حصہ عطا کرنے کی بشارت دی ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ نے اپنا نور عطا کرنے کی بشارت دی ہے۔ جس کی روشنی میں چلنے پھرنے سے گناہ معاف ہوں گے۔

سوال6: اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات غفور اور رحیم کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا دوہرا حصہ اور نور عطا کرنے سے اپنے رحیم ہونے کا شعور دلایا ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ نے گناہوں کی مغفرت سے اپنے غفور ہونے کا شعور دلایا ہے۔

﴿ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (29) ﴾

”تاکہ اہلِ کتاب جان لیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل میں سے کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتے اور فضل یقیناً اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔“ (29)

سوال1: ﴿ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴾ ”تاکہ اہلِ کتاب جان لیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل میں سے کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتے اور فضل یقیناً اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ ﴾ ”تاکہ اہلِ کتاب جان لیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل میں سے کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتے“، یعنی ہم نے تمہیں بتادیا کہ ہم کسی پر اپنا فضل اور احسان کب کرتے ہیں یعنی جو ایمان لا کر تقویٰ اختیار کرتا ہے۔ اس وضاحت کا سبب اہل کتاب کو آگاہ کرنا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل پر اختیار نہیں رکھتے۔ (2) رب العزت نے ان کے فاسد عقائد کی نفی کی ہے۔ ﴿ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ اور انہوں نے کہا کہ کوئی شخص جنت میں ہرگز داخل نہیں ہوگا مگر وہ جو یہودی یا عیسائی ہو، یہ اُن کی تمنائیں ہیں، آپ کہہ دیں کہ اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔ (البقرہ:111) (3) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ ”اور فضل یقیناً اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے“، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے جس کو چاہے گا اپنا فضل عطا فرمائے گا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ آپ کو کوئی نقصان پہنچائے تو اس کے سوا اسے دور کرنے والا کوئی نہیں اور اگر وہ آپ سے کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو ہٹانے والا کوئی نہیں، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے فضل پہنچا دیتا ہے اور وہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ (یونس:107) (4) ﴿ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے“، یعنی وہ اپنے بڑے فضل کا مالک ہے جس کی مقدار کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔ (5) اللہ تعالیٰ کے فضل سے مراد ہے

دوہرااجراور گناہوں کی معافی۔ (اشرف:646/1) (6) مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری اور یہودیوں اور عیسائیوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے صبح سے دوپہر تک ایک ایک قیراط پر مزدور رکھے یہودیوں نے یہ مزدوری قبول کر لی۔ پھر اس نے ظہر سے عصر تک مزدور کیے اور یہی مزدوری دی۔ یہ عیسائیوں نے قبول کر لی پھر اس نے عصر سے مغرب تک مزدور کیے اور دو دو قیراط دینے کا وعدہ کیا۔ اس کے لیے تم تیار ہو گئے اور دہری مزدوری لے لی۔ اس پر عیسائی اور یہودی ناراض ہو گئے اور کہنے لگے: ہم سے کام زیادہ لیا اور مزدوری کم دی۔ اس نے جواب دیا: میں نے تمہیں ٹھہرائی ہوئی مزدوری سے کم مزدوری تو نہیں دی؟ بولے: ٹھیک ہے۔ فرمایا: پھر میں جسے چاہوں اپنا مال دوں۔ (مختصر ابن کثیر:2014)

سوال2: اس سے کیا مراد ہے کہ اہل کتاب جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل پر کسی کا اختیار نہیں؟

جواب: اہل کتاب کو یہ زعم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لاڈلے اور چہیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے گمان باطل کو توڑا ہے کہ (1) اللہ تعالیٰ کے فضل کے کسی حصے پر بھی کسی کا کوئی اختیار نہیں۔ (2) سارا فضل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ (3) وہ جسے چاہے فضل عطا کرے۔ (4) اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

قرآن اللہ تعالیٰ کا دسترخوان ہے

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا دسترخوان ہے،
جس قدر ممکن ہو اس دسترخوان کو قبول کرو۔

(مستدرک حاکم)